READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اشاعت کا ۶۵ واں سال

یادگار شہید پاکستان حکیم محمد سعید

ماہ نامہ
ہمدرد نونہال

صدر مجلس
سعدیہ راشد

مدیر اعلا
مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۷ | جلد ۶۵

جولائی ۲۰۱۷ عیسوی

شوال المکرم ۱۴۳۸ ہجری

ٹیلے فون — 36620945 سے 36620949

ایکسٹینشن — 36616001 سے 36616004 (066 052)

ٹیلے فیکس نمبر — (92-021) 36611755

ای میل — hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdard.com.pk

ویب سائٹ ادارۂ سعید — www.hakimsaid.info

فیس بک — www.facebook.com/Hamdardfounuationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰
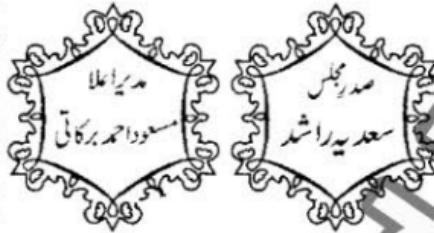
قیمت خاص شمارہ ۵۰ روپے

قیمت عام شمارہ ۳۵ روپے

سالانہ (عام ڈاک سے) ۳۸۰ روپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۵۰۰ روپے

۳۴۰ روپے

سالانہ (غیر ممالک سے) ۵۰ امریکی ڈالر

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابل قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

ISSN 0?59-3734

WWW.PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

خاص نمبر میں کیا کیا ہے؟

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

Download From paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From Paksociety.com

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

میل محبت، خلوص وانس اور دوستی میں جو مزہ ہے، وہ کسی اور چیز میں نہیں۔ پیار بھری مسکراہٹ میں جو لطف ہے، اس پر ہر دولت قربان کی جا سکتی ہے۔ دو انسانوں کے درمیان محبت اور بھائی چارہ انسانیت کی معراج ہے۔

اسلام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہمارے پیارے آقا، نبیوں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اپنے بھائی کے لیے مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔''

اگر ہم اپنے بھائی کے لیے کچھ اور نہیں کر سکتے تو یہ خوشی تو اس کو دے سکتے ہیں کہ مسکرا کر اس کے دل میں اعتماد وانس کا جذبہ پیدا کر دیں۔ اسلام کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ کوئی حاکم نہیں اور کوئی محکوم نہیں۔ ہاں، بس بڑا وہ ہے جو زیادہ نیک ہے، جو ایمان دار ہے، جو شریف ہے، جو محبت کرنے والا ہے، جو معاف کرنے والا ہے۔ ایمان والے ہر اس انسان سے مل کر خوش ہوتے ہیں جو اللہ کا اچھا بندہ ہو۔ اچھا بندہ وہی ہوتا ہے جو اللہ کے بندوں سے پیار کرے۔ اسلام کی نگاہ میں سارے انسان اللہ کا کنبہ ہیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث ہے: ''اللہ قیامت کے دن تمھارا حسب نسب نہیں پوچھے گا۔ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

رمضان اور عید دونوں ہمیں محبت کا، تعاون کا، ایک دوسرے کے لیے خوش ہونے اور خوشیاں پھیلانے کا پیغام دیتے ہیں۔ عید کے دن اپنے دوست، اپنے بھائی سے گلے ملو تو سارے شکوے شکایتیں بھلا دو۔

(ہمدرد نونہال مئی ۱۹۸۸ء سے لیا گیا)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پہلی بات

سلیم فرخی

نونہالو! آپ سب نے خاص نمبر کا خوب انتظار کیا، شکریہ۔ اب یہ ہمارے ہاتھوں سے نکل کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کا انتظار ختم ہوا، ہمارا شروع ہوا اور یہ تب تک رہے گا، جب تک آپ اپنی پسند ناپسند کا اظہار نہ کر دیں۔ ہم نے بڑی محبت سے جو اس قدر محنت کی ہے، وہ ٹھکانے لگی یا نہیں! ویسے ہم نے ہر مزاج اور ہر عمر کے نونہالوں کو سامنے رکھا ہے۔

اس خاص نمبر میں شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کی یادگار اور کام آنے والی کئی تحریریں ہیں۔ محترمہ سعدیہ راشد نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود آپ کے لیے اپنے تایا جان کے بارے میں ایک نہایت خوب صورت شخصی خاکہ عطا کیا ہے۔ محترم مسعود احمد برکاتی کے قلم سے نکلی کچھ یاد رہنے والی تحریریں بھی شامل ہیں۔ ایک خصوصی ناولٹ بھی ہے جس کا انجام آپ کو چونکا دے گا۔ جنگل کہانیاں پسند کرنے والوں کے لیے شکار کی ایک سنسنی خیز کہانی رکھی گئی ہے، جو دنیا کے مشہور شکاری کرنل جم کاربٹ نے لکھی ہے۔ اخلاقی اور تاریخی تحریریں بھی ہیں اور سائنسی حقائق بھی۔ ڈراؤنی کہانیاں بھی ہیں اور جاسوسی کے کمالات بھی۔ جادوئی کہانیاں بھی ہیں اور مزاحیہ تحریریں بھی۔ معلوماتی مضامین بھی ہیں اور خوب صورت نظمیں۔ دل پر اثر کرنے والے اشعار بھی ہیں اور زندگی سنوارنے والے اقوال بھی۔

محترمہ سعدیہ راشد (صدر ہمدرد فاؤنڈیشن) محترم فرخ امداد (ڈائریکٹر جنرل) محترم سید محمد ارسلان (ڈپٹی ڈائریکٹر، ایڈمن) کا بہت شکریہ کہ انھوں نے خاص نمبر کی تیاری میں بہت حوصلہ افزائی کی۔ محترم مسعود احمد برکاتی بھی خوب ہمت بڑھاتے رہے۔ جناب سہیل احمد خان کا تعاون بھی حاصل رہا۔ جناب محمد اکرم خاں اپنی شدید بیماری کے باوجود حوصلہ نہ ہارے اور بے لوث ہو کر اپنا کردار ادا کیا۔

معلومات افزا اور بلاعنوان انعامی کہانی کے کوپن اعلان کردہ ۱۸ مئی کے بجائے ۲۵ مئی تک موصول ہونے والے کوپن شامل کر لیے گئے۔ بعد میں آنے والے کوپن شامل نہ ہو سکے۔

ہمدرد نونہال شمارہ مئی ۲۰۱۷ء میں صفحہ ۴۷ پر لگی ایک تصویر میں عربی کی عبارت میں کچھ غلطی رہ گئی ہے، جس پر توجہ نہیں دی جا سکی۔ اس سلسلے میں معذرت قبول ہو۔ اصل عبارت یہ ہے: واللہ خیر الرّازقین۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

حمدِ باری تعالیٰ

غلام رسول زاہد

چمن میں پھول جو بھی کھِل رہا ہے
نشان اُس سے خدا کا مل رہا ہے

دمکتے ہیں فضا میں جو ستارے
اُسی کی رحمتوں کے ہیں اشارے

فلک پر چاند میں جو روشنی ہے
اُسی کے نُور کی بخشی ہوئی ہے

یہ دریا ، یہ سمندر ، یہ گھٹائیں
یہ سورج ، یہ فلک ، یہ کہکشائیں

زمیں پر ہو کوئی یا آسماں پر
اُسی کا ذِکر ہے سب کی زباں پر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

نعت رسولِ مقبولؐ

شریف شیوہ

راحتِ قلب و نظر حاصلِ ایمان ہیں آپؐ
میرے نزدیک ہیں اتنے کہ رگِ جان ہیں آپؐ

کر دیا آپؐ کو مولیٰ نے جہانوں پہ محیط
ایک کیا سارے جہانوں کے نگہبان ہیں آپؐ

اپنے بچے کے لیے ماں بھی نہ ہوگی اتنی
اپنی اُمت کے لیے جتنے مہربان ہیں آپؐ

انبیا رشک کریں اور فرشتے تعظیم!
عرش نے چُومے قدم جس کے، وہ انسان ہیں آپؐ

آپؐ کے ذکر کو اللہ نے رفعت بخشی!
سارے اذکار کی جاں صاحبِ قرآن ہیں آپؐ

آپؐ کے زیرِ نگیں ہے یہ خدائی ساری
ساری دنیا کے شہنشاہوں کے سلطان ہیں آپؐ

شیوہ بخشش کے لیے ہوں گے وہاں وہ موجود
کس لیے حشر سے پھر اتنے پریشان ہیں آپ!

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

صاف سیدھے راستے

مسعود احمد برکاتی

راستہ چلنے کے لیے ہوتا ہے۔ صاف راستہ آرام دہ ہوتا ہے۔ اس پر چل کر انسان سکون کے ساتھ اور کم وقت میں منزل پر پہنچ جاتا ہے، اس لیے شریف اور مہذب لوگ صاف ستھری، ہموار اور پختہ سڑکیں اور گلیاں بناتے ہیں۔ سڑکیں اور گلیاں چلنے کے لیے ہوتی ہیں۔ کھڑے ہونے یا کاریں، موٹر سائیکلیں، سائیکلیں یا ٹھیلے کھڑے کرنے کے لیے نہیں ہوتیں۔ راستہ چلنے والوں کو چوٹ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کار یا سائیکل کھڑی کرنے سے راستہ رکتا ہے اور گزرنے والوں کو پریشانی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے راستے سے رکاوٹیں دور کرو۔

ایک مہذب شہری، ایک شریف انسان اور ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم راستے کو صاف رکھیں، اس پر کوڑا کرکٹ جمع نہ ہونے دیں، اس پر کچرا نہ پھینکیں، اس پر پانی نہ ڈالیں۔ ہر وہ چیز جو چلنے والوں کے لیے تکلیف کا باعث ہو، اس کو ہٹا دیں۔ پرانے بزرگ جب راستے میں کوئی پتھر پڑا دیکھتے تھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر ایک طرف کر دیتے تھے کہ کسی آنے جانے والے کو ٹھوکر نہ لگے اور وہ زخمی نہ ہو۔

آج کل لوگ اپنا گھر دھو کر گلی میں پانی پھیلا دیتے ہیں۔ اس سے گزرنے والوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ ان کے کپڑے گندے اور ناپاک ہو جاتے ہیں۔ پانی سے بچ کر چلنے کی کوشش میں بزرگ اور ضعیف لوگ بعض وقت گر بھی جاتے ہیں۔

ایک مسلمان کسی کو تکلیف پہنچانے کو بُرا، بلکہ گناہ سمجھتا ہے۔ اسلام سیدھا راستہ بتاتا ہے اور زندگی کے ہر ہر معاملے میں صراط مستقیم دکھاتا ہے۔ ایسے دین کو ماننے والے راستوں کو خراب کیسے کر سکتے ہیں۔ بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتانا اور سیدھے راستے پر چلنے میں ان کی مدد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

عید الفطر

شیخ عبدالحمید عابد

عیدالفطر یا چھوٹی عید روزوں کا مہینا ختم ہونے کے بعد آتی ہے۔ اس روز روزے رکھنے والے اور عبادت گزار مسلمان اپنے روزے پورے کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا زیادہ سے زیادہ موقع ملنے پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور شہر سے باہر کھلے میدان میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے ہیں۔ روزہ داروں کی اسی خوشی کو عید کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا آخری اور سچا پیغام قرآن حکیم رمضان ہی میں نازل ہوا تھا۔ اس لیے ہدایت اور رہنمائی کی اس کتاب کے اُترنے کی خوشی میں بھی عید منائی جاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عید پر ایک سے زیادہ خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں، جن کی یادگار یہ عید ہے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں تشریف لانے سے پہلے عرب کے لوگ ہر سال ایک قسم کی عید مناتے تھے۔ وہ اس موقعے پر ناچ گانے اور اسی قسم کی بُری رسموں پر عمل کر کے خوش ہوتے تھے۔ حضورؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ عید منائیں، لیکن اس موقعے پر اسلام کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں، بلکہ اللہ کا شکر بجا لائیں کہ اس نے انھیں ہدایت عطا فرمائی اور نیک کاموں کی توفیق بخشی۔

عید کے دن نئے اور صاف ستھرے کپڑے پہننا سنت ہے۔ سنت اس عمل کو کہتے ہیں، جس پر خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہوں یا آپؐ نے مسلمانوں کو اس پر چلنے کا حکم فرمایا ہو۔

اکثر ناسمجھ لوگ اس موقع پر فضول وقت ضائع کرنے اور نقصان دہ چیزیں کھانے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پینے کو عید سمجھتے ہیں، حال آنکہ عید بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔

عید کی نماز عام طور پر شہر سے باہر کھلے میدان میں ادا کی جاتی ہے، لیکن زیادہ آبادی کی صورت میں بڑی مسجدوں میں بھی نمازِ عید ادا کر لی جاتی ہے۔ عید کا دن ایک طرح مسلمانوں کی شان وشوکت کا ایک مظاہرہ بھی ہے۔ اس لیے جو لوگ خوش حال اور مال دار ہیں، انھیں چاہیے کہ اپنے غریب بھائیوں کو بھی اس خوشی میں شامل ہونے کا موقع دیں اور جو لوگ ان کی مدد کے حق دار ہیں، ان کی اس وقت سے پہلے مدد کریں۔

آپ نے ایک لفظ ''فطرانہ'' ضرور سنا ہوگا۔ فطرانہ اصل میں عید الفطر کے موقع پر غریبوں کو ایک خاص مقدار میں غلہ یا اس کی قیمت دینے کو کہتے ہیں۔ ہمارے دین کے مطابق ہر مسلمان گھرانے کے ہر فرد کی طرف سے فطرانہ ادا کرنا ضروری ہے۔ خواہ وہ فرد ایک دن کی عمر کا ہو۔ اس فطرانے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے جو بھائی یا ان کے خاندان کے دوسرے لوگ روپے پیسے کے لحاظ سے مال دار نہیں، ان کی تھوڑی بہت مدد ہو جائے اور وہ خوشی کے اس دن دوسروں کے ساتھ مل کر خوشی منانے سے محروم نہ رہیں۔

فطرانے کی مقدار یا روپے کتنے ہیں، یہ بات آپ اپنے محلے کے مولوی صاحب یا دین کا علم رکھنے والے کسی بھی شخص سے معلوم کر سکتے ہیں۔ ہاں اس سلسلے میں یہ بات یاد رہے کہ عید کی نماز سے پہلے فطرانہ ادا کر دینا ضروری ہے۔

عید الفطر کے دن کچھ کھا کر عید کی نماز پڑھنے جانا چاہیے۔ یہ کوئی میٹھی چیز ہونی چاہیے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دن عام طور پر چھوہارے یا کھجوریں کھاتے تھے۔ ہمارے یہاں سویّوں کا رواج ہے۔ بعض لوگ حلوہ بھی پکا لیتے ہیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

عید کے روز ایسی چیزیں کھانے کی کھلی آزادی ہے۔ دن کے وقت کھانے کی پابندی تو روزوں کے ساتھ تھی، لیکن ایک بات یہ ضرور ہے کہ روزوں میں کھانے پینے کی عادت میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اس لیے عید کے دن بہت زیادہ کھانے پینے میں ذرا احتیاط برتنی چاہیے، ورنہ معدے پر ایک دم بوجھ پڑنے سے آدمی بیمار بھی ہوسکتا ہے۔

عید کے روز عید گاہ کی طرف ایک راستے سے جانا چاہیے اور کسی دوسرے سے واپس آنا چاہیے۔ دونوں راستوں میں جہاں کہیں آپ کو کوئی مدد کے قابل اور حق دار شخص نظر آئے، اگر اللہ نے توفیق دی ہے تو اس کی مدد کرنی چاہیے۔

عید کی نماز پڑھ کر عزیزوں اور رشتے داروں کو عید کی مبارک باد دینا اور گلے ملنا بھی سنت ہے۔ خوشی منانا، عید میلے میں جانا اور ایک دوسرے کو عید کے تحفے بھیجنا اچھی بات ہے، لیکن ان کاموں میں فضول خرچی نہیں کرنی چاہیے۔ ☆

اقوالِ علم

(امام غزالیؒ)

☆ جو کچھ مجھے نہ معلوم تھا میں نے معلوم کرنے میں شرم محسوس نہیں کی۔

☆ سچا طالب علم جس قدر علم حاصل کرتا ہے، اس کی پیاس اور بڑھتی ہے۔

☆ مطالعہ پابندی سے کرنا چاہیے اور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ خود فائدہ اُٹھائے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائے۔

مرسلہ : زینب رشید احمد، حیدر آباد

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

رحم دل سلطان

محمد شاہد حفیظ

''میں سلطان سے ملنا چاہتی ہوں!'' عورت نے پہرے دار سے کہا۔

''سلطان معظم مصروف ہیں۔تم ان سے اس وقت نہیں مل سکتی ہو۔'' پہرے دار نے جواب دیا۔

مگر اسی دوران سلطان خود شور سن کر خیمے سے باہر آئے اور پہرے دار کو حکم دیا کہ اسے اندر آنے دو۔

جب عورت سلطان کے حضور پہنچی تو سلطان نے پوچھا: ''آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟''

عورت نے کہا: ''سلطان معظم! آپ کے فوجیوں نے میرے شوہر کو گرفتار کر لیا ہے اور بچوں کو بھی پکڑ کر لے آئے ہیں۔''

''تمھارے شوہر کی گرفتاری جنگی قوانین سے تعلق رکھتی ہے۔ہاں، تمھارے بچے تمھیں واپس مل جائیں گے۔''

سلطان نے کہا اور خادم کو طلب کر کے بچوں کو لانے کا حکم دیا۔حکم کی تعمیل ہوئی۔ ایک سپاہی بچے لے آیا اور عورت کے حوالے کر دیے۔عورت کی آنکھوں میں آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے، وہ بولی: ''بہت بہت شکریہ رحم دل سلطان! کاش، ان بچوں کا باپ بھی اسی طرح میرے پاس لوٹ آتا۔وہ بہت اچھا ہے۔لڑائی پسند نہیں کرتا، مگر اس کے ساتھیوں نے اسے صلیب کے نام پر دھوکا دیا ہے اور وہ اس نام نہاد جنگ میں شامل ہو گیا۔''

''ہوں۔'' سلطان نے ہنکارہ بھرا اور کچھ دیر سوچ کر بولا: ''اچھا یہ بات ہے تو ہم تمھارے شوہر کو بھی معاف کیے دیتے ہیں۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پھر سلطان نے اس کے شوہر کو بھی لانے کا حکم دیا۔ کچھ دیر بعد وہ عورت اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ سلطان کے حضور بیٹھی تھی اور اس کی زبان سلطان کا شکریہ ادا کرتے نہ تھکتی تھی۔

پھر وہ بولی: ''سلطان معظم! ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی شخص اپنے دشمنوں کے لیے اس قدر رحم دل ثابت ہو سکتا ہے۔''

''مسلمانوں کا یہی دین ہے۔'' سلطان نے جواب دیا۔

''کیا آپ کا دین ایسی ہی باتوں کا حکم دیتا ہے؟'' عورت نے پوچھا۔

''بے شک! ہمارا دین اسلام ایسی ہی باتوں کا حکم اور تعلیم دیتا ہے۔ وہ صرف حق کی حمایت کرتا ہے، حق کے لیے جنگ لڑتا ہے اور ظلم و سرکشی کو مٹاتا ہے۔''

سلطان کا پختہ جواب سن کر عورت سوچ میں پڑ گئی کہ اگر مسلمانوں کا سلطان ایسا ہے تو دین کیسا ہوگا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی: ''میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ آپ بتائیں، میں کس طرح مسلمان ہو سکتی ہوں؟''

''اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے پیارے رسول ہیں اور اس کے بعد اسلامی احکام کی تعمیل لازم سمجھو۔''

سلطان کی بات سن کر عورت اور اس کے شوہر نے کلمہ طیبہ پڑھا اور دل سے مسلمان ہو گئے۔

یہ رحم دل سلطان کون تھے؟ جس کی رحم دلی سے متاثر ہو کر عیسائی خاندان نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی تھے۔ جنھوں نے کئی معرکوں میں عیسائیوں کو عبرت ناک شکست دی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا اصل نام یوسف تھا اور کنیت ابوالمظفر تھی۔ وہ ۱۱۳۸ء میں بغداد کے قریب ایک مقام قلعہ تکریت میں پیدا ہوئے، جو دریائے دجلہ کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

قریب واقع ہے۔ آپ نسلاً کرد تھے۔ ان کے والد کا نام نجم الدین ایوب تھا اور وہ موصل کے امیر عماد الدین زنگی کے پاس ملازم تھے۔ صلاح الدین ایوبی آٹھ برس کے ہوئے تو عماد الدین زنگی اپنے غلاموں کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کا چھوٹا بیٹا نور الدین زنگی حلب کا امیر بن گیا۔ ایوبی کے والد اور چچا اس کے حامی تھے۔ جب انھوں نے دمشق فتح کیا تو نور الدین زنگی شام کا بادشاہ بن گیا۔

ایوبی بچپن ہی سے بہادر اور دلیر تھے۔ بڑے ہوشیار، عقل مند، نیک اور پرہیز گار انسان تھے۔ ان کی طبیعت میں بڑی عاجزی تھی۔ انھوں نے لڑکپن کا زیادہ تر زمانہ دمشق میں گزارا۔ ان کا مخالف انگلستان کا مشہور بادشاہ رچرڈ تھا، جو شیر دل (Brave Heart) کے نام سے مشہور تھا۔ رچرڈ نے بھی ایوبی کی بہادری کا اعتراف کیا اور کئی انگریز شاعروں نے بھی ایوبی پر نظمیں لکھ کر انھیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ ان کی عظمت کا اعتراف غیر مسلم یورپی مؤرخین نے بھی کیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے اکتوبر ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس فتح کیا اور دشمنوں سے اتنا اچھا سلوک کیا کہ وہ تاریخ کا حصہ بن گیا۔ نوے برس کے طویل عرصے بعد قبلۂ اول دوبارہ مسلمانوں نے حاصل کر لیا۔

سلطان نے موجودہ ممالک میں سے فلسطین، اسرائیل، شام، اردن، لبنان اور مصر پر شان سے حکومت کی۔ سلطان صلیبی جنگوں کا عظیم فاتح ہیں۔ اسلام کے یہ عظیم سپہ سالار ۴ مارچ ۱۱۹۳ء کو وفات پا گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۵ برس تھی۔ وفات کے بعد ان کی ذاتی جائداد کا حساب کیا گیا تو ایک گھوڑا، ایک زرہ، ایک تلوار اور چھتیس درہم کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ وہ شدید خواہش کے باوجود حج نہ کر سکے، کیوں کہ ان کے پاس حج کے لیے سفر کا خرچ بھی نہ تھا۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

شہید حکیم محمد سعید

نونہالو! ایک کھٹارا کار میں مجھے بیٹھ جانے کا حادثہ پیش آ گیا۔ ویسے میں نے غربت کے مزے چکھے ہوئے ہیں۔ اپنی غربت کو ہمیشہ یاد رکھتا ہوں۔ اعلا درجوں کی غیر ملکی موٹر کاروں میں بیٹھتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ گھبراتا کہاں ہوں، شرم محسوس کرتا ہوں۔ شرم کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ میرا پیارا پاکستان قرضے، امدادیں اور بھیک مانگ کر پاکستانیوں کے لیے عیش و عشرت مہیا کرتا ہے اور خود وہ موٹر کار کا ایک پرزہ بھی بنانے کا اہل نہیں، تو ایسی موٹر کاروں میں بیٹھتے شرم آتی ہے، جس کو خود ہم نے نہیں بنایا۔

بہر حال موٹر کار میں اس خاکسار کو بیٹھ جانے کا شرف حاصل ہو گیا۔ اس شرف کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From Paksociety.com

میں نے حادثہ جان بوجھ کر کہا ہے۔ ایک چوراہے پر کار رُکی۔ ایک میلا کچیلا بچہ آگے آیا۔ ننگے پیر، ننگے سر، دامن چوپٹ۔ اس معصوم نے کار کی اسکرین اپنے میلے کپڑے سے صاف کرنی شروع کر دی۔ یہ بھیک مانگنے کا ایک انداز ہے۔ انھوں نے، جن کی یہ موٹر ہے، اس معصوم کو جھڑک دیا۔ وہ ڈر سہم کر الگ ہو گیا۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔

شرم دامن گیر ہوئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک سے ایک بڑھیا موٹر کار اس چوراہے پر کھڑی ہے۔ سیٹھ لوگ اپنی توندیں پُھلائے بیٹھے ہیں۔ کوئی گردن اکڑا کر اخبار دیکھ رہا ہے۔ کسی کے ہاتھ میں اُلٹا انگریزی کا رسالہ ہے۔ کوئی ہنس رہا ہے اور کوئی قہقہے لگا رہا ہے۔ کسی ایک کا دل نہیں دکھا کہ ان ہی کا یہ بیٹا گیلی سڑک پر ننگے پیر، پھٹے حال پھر رہا ہے اور بھیک مانگ رہا ہے اور کاروں میں ان کے اپنے بچے غیر ملکی پوشاکوں میں ملبوس شاداں و فرحاں ہیں۔ ایک بچہ بھوک سے بلبلا رہا ہے۔ اس معصوم کی ماں بھیک کی منتظر ہے کہ بچہ آئے اور چولھا جلے۔

معاشرے کی یہ عدم مساوات اپنی جگہ، مگر ماتم ہے اس بے حسی کا کہ جو در آئی ہے۔ امیروں کو غریبوں کے درد والم کا کوئی احساس نہیں رہا ہے۔ ابھی میرے سامنے یہ معصوم نونہال جھڑکا گیا ہے۔ اس معصوم کو اسکول میں ہونا چاہیے تھا۔ پاکستان میں کروڑوں معصوم اسی طرح آوارگی میں مبتلا ہیں۔ یہ امیر، یہ موٹے سیٹھ، یہ بے ضمیر زمین دار، یہ سنگ دل صنعت کار، عیش میں مدہوش ہیں۔ ان کو توفیق نہیں کہ وطن کے ان معصوموں کی تربیت و تعلیم پر اپنی زائد از ضرورت دولتیں خرچ کریں۔

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

طبیبِ ملّت

ادیب سمیع چمن

وطن کے رہبر، ہمارے ہمدم
طبیبِ ملّت، مثال زم زم
سدا رہو گے تم زندہ باد
طبیبِ ملّت پائندہ باد

علم کی ہزاروں شمعیں فروزاں
جلائیں تم نے وطن میں مہرباں
تمھاری یادوں سے شاد ہر دم
طبیبِ ملّت پائندہ باد

ادب کے گلشن سجائے تم نے
شجر علم کے اُگائے تم نے
تمھاری عظمت سے سرخرو ہم
طبیبِ ملّت تم زندہ باد

تمھیں وطن کے دیدہ ور تھے
صبا وطن کی کہہ رہی ہے
بنے ہوئے ہو دلوں کی دھڑکن
طبیبِ ملّت پائندہ باد

ترقی نونہال کر رہا ہے
ہر اک نونہال کہہ رہا ہے
ہے ان کی محنت کی سرپرستی
طبیبِ ملّت پائندہ باد

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

فاطمہ سحر شفیق

''موٹر سائیکل سڑک کے بیچ میں کیوں کھڑی کر رکھی ہے؟ ایک طرف کھڑی کرو۔'' یہ ٹریفک پولیس کے اہلکار کی آواز تھی، جو حسیب کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

حسیب گھر سے اپنی موٹر سائیکل لے کر کالج کے لیے نکلا تھا، مگر راستے میں پیٹرول ختم ہو گیا تھا۔ پیٹرول ختم ہونے کے علاوہ حسیب کی پریشانی یہ بھی تھی کہ آج اس کی کلاس جلد شروع ہونے والی تھی۔ دیر سے پہنچا تو اس کا بہت نقصان ہو جائے گا۔ حسیب پر تو جیسے آفت ٹوٹ پڑی ہو۔

''او بھائی! سنائی نہیں دیتا، تم سے کچھ کہہ رہا ہوں؟'' اہلکار نے سخت لہجے میں کہا۔

حسیب نے اپنی موٹر سائیکل سڑک کے ایک طرف کھڑی کی اور اپنی جیب کی طرف

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

دیکھنے لگا۔ جیب میں صرف پانچ سو روپے کا ایک نوٹ موجود تھا۔ آس پاس کوئی پیٹرول پمپ بھی نہیں تھا۔ حسیب کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ ابھی وہ اسی سوچ میں تھا کہ ایک اجنبی نے اس کے سامنے آ کر اپنی موٹر سائیکل روکی اور اس کی طرف غور سے دیکھا، حسیب کے چہرے پر پریشانی نمایاں تھی۔ اجنبی اپنی موٹر سائیکل سے اُترا اور حسیب کے قریب آ گیا، حسیب پریشانی کی وجہ سے کچھ کہہ نہ سکا۔ اجنبی نے اپنی موٹر سائیکل حسیب کی موٹر سائیکل کے پاس کھڑی کر کے اپنی جیب سے پلاسٹک کی تھیلی نکالی اور اپنی موٹر سائیکل کی ٹینکی سے پیٹرول نکالنے لگا۔

حسیب اس منظر کو بڑی دل چسپی سے دیکھ رہا تھا۔ حسیب نے آخر ہمت کر کے سوال کر ہی ڈالا: ''کون ہیں آپ اور یہ کیا کر رہے ہیں؟''

اجنبی نے پہلے تو حسیب کو مسکرا کر دیکھا اور پھر آہستہ سے کہا: ''تمھاری مدد کر رہا ہوں۔''

اس آدمی نے تھوڑا پیٹرول تھیلی میں ڈال کر حسیب کو پکڑا دیا اور کہا: ''یہ لو پیٹرول ڈال لو۔''

حسیب نے فوراً اپنی موٹر سائیکل کی ٹینکی میں پیٹرول ڈال کر اسے اسٹارٹ کیا۔ خوشی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ حسیب نے اس آدمی سے مصافحہ کیا۔ آدمی نے اسے گلے لگایا اور کہا: ''شکریے کی کوئی بات نہیں، یہ تو میرا فرض تھا۔''

حسیب اور وہ آدمی اپنی اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھے اور الگ الگ سمتوں میں چلے گئے۔ حسیب کا خیال تھا کہ یہ خدا کی طرف سے اس کے لیے غیبی امداد تھی۔

حسیب کالج وقت پر پہنچ گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس آدمی کا ممنون تھا۔ ایک دم سے اسے کوئی خیال آیا۔ اس نے اپنی جیب کی طرف دیکھا۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو پانچ سو روپے کا نوٹ غائب تھا۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

حکیم عبدالحمید (مرحوم)

سعدیہ راشد

ایک روز شام کو جیسے ہی ابا جان (حکیم محمد سعید) گھر میں داخل ہوئے تو مجھ سے کہنے لگے: ''سعدیہ بیگم! بھائی جان کراچی آرہے ہیں۔ ذرا ''جلال دینز'' سے ان کے لیے کُرتے، پاجامے اور شیروانیاں بنوالیں۔ پچھلی بار جب میں دہلی گیا تھا تو دیکھا، بھائی جان کی شیروانی بہت پُرانی ہورہی ہے اور پاجاموں کے گھٹنوں پر انھوں نے سلائی کی ہوئی ہے۔''

ایک بار ابا جان مجھ سے باتیں کرتے ہوئے اپنے بڑے بھائی صاحب کے بارے میں بتانے لگے: ''محترم بھائی جان نے اپنے قول و فعل سے مجھے ہمیشہ یہ درس دیا ہے کہ انسان کے لیے اُس کے مرتبے اور اُس کی عزت کا معیار اُس کے ذاتی اعمال اور حاصل کردہ علم سے ہے نہ کہ اَسلاف کے بڑے ناموں اور حسب نسب کے غرور میں مبتلا ہونے سے۔ صحیح تو یہ ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے کہ ہمارے اچھے کاموں اور اچھے خیالات کی نسبت سے لوگ ہمارے خاندان کو جانیں اور پہچانیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے والدین اَعمالِ صالحہ کے حامل تھے اور صلاح و فلاح اُن کا مقصدِ حیات تھا۔ اُن کا یہ ورثہ بہ تمام و کمال حکیم عبدالحمید صاحب میں منتقل ہوا ہے اور اِس ورثے پر جس قدر فخر کیا جائے، کم ہے۔ یہی ہمارا خزانہ ہے، یہی ہمارا تاج و تخت ہے۔ ہمارا غرور، نسب، خاندان یہی نیک نامی ہے جو ہمیں ہر نعمت سے زیادہ عزیز و محترم ہے۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اپنے بڑے بھائی جناب محترم حکیم عبدالحمید کے لیے احترام اور عقیدت سے بھرپور یہ الفاظ اور جملے اس عظیم ہستی کے ہیں جن سے اہل پاکستان بے پناہ محبت کرتے ہیں اور جنھیں پوری دنیا شہید پاکستان حکیم محمد سعید کے نام سے جانتی ہے۔ پیارے نونہالو! ایک بار ہندستان میں پچاس بڑی شخصیات کی فہرست اخبارات میں شائع ہوئی تو مجھے یہ دیکھ کر بہت فخر محسوس ہوا کہ اُس فہرست میں بڑے ابا (حکیم عبدالحمید) کا نام بھی جگمگا رہا ہے۔ یہ احترام، عزت، مرتبہ اور مقام اُن کے جذبۂ خدمتِ خلق، سادگی اور خوش اخلاقی ہی کا نتیجہ ہے۔

ایک معروف کہاوت ہے کہ ہر کامیاب انسان کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ شہید حکیم محمد سعید کے لیے اس کہاوت کو پچاس فی صد درست کہا جا سکتا ہے، چوں کہ شخصیت کی تعمیر، مثبت سوچ کی افزائش اور دُرست راہِ عمل کے تعین کا معاملہ بچپن سے جوانی کے عرصے میں ہی طے پاتا ہے جو شادی سے پہلے کا عرصہ ہوتا ہے۔ تربیت اور تعمیر کے اس عرصے کا سارا ذمہ گھر کے بڑوں کا اور اساتذۂ کرام کا ہوتا ہے۔ شہید حکیم محمد سعید کی خوب سیرت شخصیت کا سارا حُسن ان کے بڑے بھائی جان حکیم عبدالحمید صاحب کی محنت اور محبت کا ثمر تھا، جس کا اظہار وہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں کئی بار کرتے رہے ہیں۔

تیرہ برس کی چھوٹی سی عمر میں والدِ محترم جناب حکیم عبدالمجید کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ جانے کے بعد نوخیز ادارہ ہمدرد (ہندستان) کی تمام ذمے داریاں اپنے نازک کاندھوں پر اُٹھا لینا اور بلندی تک لے جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ درویش صفت حکیم عبدالحمید نے اللہ کی ذات پر کامل ایمان، اُس کی نصرت اور اُس کی عطا کردہ صلاحیتوں کے سبب یہ کام کر دکھایا۔

بہت دنوں سے ارادہ کر رہی تھی کہ پیارے وطن پاکستان کے نونہالوں کو برصغیر کی ایک عظیم شخصیت (بڑے ابا) کے بارے میں اپنے دِل کی کچھ باتیں ضرور بتاؤں۔ میرے پیارے بڑے ابا حکیم عبدالحمید صاحب کو میں نے جس طرح دیکھا اور اُن کے بارے میں اپنے ابا جان

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

(حکیم محمد سعید) سے جو کچھ سُنا وہ مختصراً نونہالوں تک پہنچانے کا ارادہ کیا تو ذریعہ "ہمدرد نونہال" ہی ذہن میں آیا۔ بس قلم سنبھالا اور کاغذ اپنے سامنے رکھ کر لکھنا شروع کر دیا۔

بڑے ابا کے بارے میں میرے مشاہدے اور معلومات کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ معاملات و مسائل پر انتہائی گہرائی سے غور فرماتے تھے۔ میں نے اُن کو کبھی جلدی میں کوئی کام کرتے اور غور و فکر کو نظر انداز کرتے نہیں دیکھا۔ ہر پہلو سے غور و فکر کے بعد کسی نتیجے پر پہنچ جاتے تو پھر ہر قیمت پر اُس پر عمل کرتے اور دوسروں سے بھی کرواتے تھے۔ اُن کے مزاج میں مشورے کا بڑا مقام تھا۔ وہ کسی بھی مشکل مرحلے میں مشورے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ مشورہ تو دو چار سے کر لیا، مگر فیصلہ اپنی سوچ کے مطابق کیا۔ نہیں، وہ تمام مشوروں کو سامنے رکھ کر اکثریتی سوچ کے مطابق فیصلہ کرنے میں ذرا نہیں ہچکچاتے تھے، اس لیے نتائج اچھے ہی برآمد ہوتے تھے۔ ہمدرد کے لیے اُن کی منصوبہ بندیاں، ادارے کی ترقی میں مثالی اور بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ قناعت، دیانت اور امانت جیسے اوصاف کو اپنی زندگی اور اپنے کاروبار کے بنیادی اُصول بنا کر ہی انھوں نے ساری زندگی گزاری۔

بڑے ابا کا اندازِ تربیت بھی خوب تھا۔ بڑے ہونے کے باوجود کسی کام کا حکم دینے کی بجائے اپنے عمل سے ترغیب دیا کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کا کمال یہ تھا کہ وہ اپنی زبان سے کوئی ایسا لفظ ادا نہیں کرتے جو اخلاق و اخلاص کے درجے سے خارج ہو۔ میں نے کبھی اُن کی زبان سے کسی کی بُرائی نہیں سنی اور نہ کسی اور کی زبان سے ان کی کوئی خامی سنی۔ میرے ابا جان اور میں نے پابندیِ وقت کا وصف بڑے ابا ہی سے حاصل کیا۔ بڑے ابا نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا، وہاں تصنع تھا نہ دکھاوا۔ انھوں نے والدہ اور والد دونوں کو سادہ پایا۔ لباس میں، رہن سہن میں، کھانے پینے میں غرض یہ کہ ہر انداز اور ہر عمل مجسم سادگی ہی رہا۔ یہ سب کچھ دینی ماحول اور سرورِ کائنات ؐ کی سیرت طیبہ کے گہرے مطالعے ہی کا نتیجہ تھا۔ بڑے ابا ہمیشہ زمین پر سوتے تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

گرمیوں میں چٹائی اور سردیوں میں ہلکا گدّا۔ ایک سادہ سا کمرا، ایک پرانی میز اور کرسی اور مختلف موضوعات پر مبنی کتابیں کل کائنات تھی۔ اِسی سادہ سے کمرے (یا دفتر کہہ لیں) میں بیٹھ کر انھوں نے عظیم کارنامے انجام دیے۔ اگر ہم تاریخ عالم پر نگاہ ڈالیں اور واقعاتِ عالم پر نظر کریں تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ جو لوگ اس دنیا میں تعمیری انقلاب کا سبب بنے وہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے سادہ رہے ہیں۔ سادگی اور بوریہ نشینی ہی عظیم انقلاب کا عنوان بنی ہے۔ جن لوگوں نے حکیم عبدالحمید صاحب کے ذاتی اخراجات کے حساب دیکھے ہیں وہ حیرت میں ڈوب جاتے ہیں کہ اتنے معمولی اخراجات میں ایک انسان کیسے گزارا کر سکتا ہے۔

میں نے اپنی زندگی میں کئی بڑے بڑے لوگوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور بہت سوں کی داستانِ حیات کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ ان میں بعض شخصیات بڑی پہلو دار ملی ہیں، ان میں حکیم عبدالحمید بھی ہیں، جن کو میں صفِ اول میں شمار کرتی ہوں۔ اُن کے فکر و عمل کے میدان مختلف النوع تھے۔ وہ اپنے معمولات برقرار رکھتے ہوئے بھی ایسے مختلف اور متعدد کاموں میں مصروف نظر آتے کہ حیرت ہوتی تھی۔ تقریر سے وہ ہمیشہ گھبراتے تھے، مگر تحریر پر کمال حاصل تھا۔ قلم اُٹھاتے اور بے تکان لکھتے چلے جاتے تھے۔

میرے ابا جان (حکیم محمد سعید) اور بڑے ابا (حکیم عبدالحمید) کی عمر میں گیارہ سال کا فرق تھا۔ چھوٹے سے شفقت اور بڑے کا احترام دونوں بھائیوں کی زندگی میں بہ تمام و کمال نظر آتا تھا۔ ایسی مثال مجھے اپنی زندگی اور اپنے اطراف میں کم ہی نظر آئی۔

حکیم عبدالحمید صاحب کے بارے میں چند سطریں لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ نونہالانِ وطن اپنے عظیم بزرگوں کی خوبیوں کے بارے میں جانیں اور کوشش کریں کہ ایسی ہی خوبیاں اپنے اندر پیدا کریں۔ یقین دلاتی ہوں کہ کام یابی، عزت اور قدر و منزلت ایسی ہی درویش ہستیوں کے نقشِ قدم پر چلنے سے حاصل ہوتی ہے اور ہوگی۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اپنا پاکستان

سید انور جاوید ہاشمی

ہجری سال میں ستائیسویں شب ماہِ رمضان
اِذنِ الٰہی تھا ، آزاد ہو اپنا پاکستان
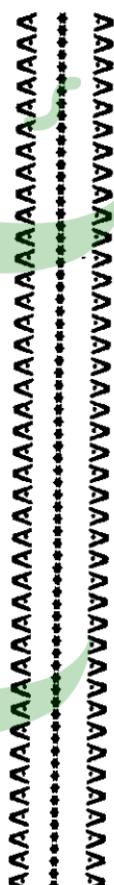
عیسوی سنہ ۱۹۴۷ ، چودہ اگست کی رات
طوقِ غلامی سے مسلمِ اُمہ نے پائی نجات

قائداعظم بانیِ پاکستان کی خدمت پر
آزادی نے رشک کیا اس مسلمِ اُمت پر

عورتوں ، مَردوں ، بچے ، بوڑھوں کی قربانی سے
پاکستان ملا ، نہیں ملتا یہ آسانی سے

ملک سے اُلفت ، ملک کی خدمت ، ہے پیغامِ سعیدؔ
بچو! اس پر عمل پیرا ہو ، کرتے رہے تاکید

ہاتھ میں دے کر ہاتھ بڑھائیں اپنے وطن کی شان
دنیا بھر میں پاکستان ہو بچوں کی پہچان

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

مسعود احمد برکاتی

وقت نے ہم سے بڑی بڑی مایہ ناز ہستیاں چھین لی ہیں۔ ان میں ایک علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی ہیں۔ تم نے شاید ہی ان کا نام سنا ہو۔ انھوں نے آدھی صدی سے زیادہ مدت پیرس (فرانس) میں گزاری۔ وہاں وہ پڑھتے پڑھاتے تھے، کتابیں لکھتے تھے اور تبلیغ کرتے تھے، یعنی اسلام پھیلاتے تھے۔ وہ اتنے بڑے عالم تھے کہ بیسویں صدی میں مسلمانوں میں ان کے برابر مشکل سے گنتی کے چند نام ہی اور ہوں گے۔ وہ بڑے عالم ہی نہیں بہت بڑے انسان بھی تھے۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے اس زمانے میں ایسے سچے، نیک، سخی، سادہ اور بے نیاز انسان بہت کم، بلکہ بہت ہی کم ہیں۔

علامہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء (۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۶ ہجری) کو حیدر آباد دکن (بھارت) میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام ابو محمد خلیل اللہ تھا۔ وہ قابل آدمی تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن حیدر آباد سے ایم اے، ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اس کے بعد جرمنی اور فرانس کی یونی ورسٹیوں سے اعلاترین ڈگریاں، یعنی پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگریاں لیں۔ انھیں پاکستان بننے کے بعد اسلامی قانون بنانے میں مدد دینے کے لیے پاکستان بلایا گیا تھا، لیکن ان کو اندازہ ہوا کہ وہ شاید پاکستان کے بجائے یورپ میں رہ کر اسلام کی اور علم کی زیادہ اچھی خدمت کر سکیں گے، اس لیے ۱۹۴۸ء کے بعد وہ پیرس چلے گئے اور وہاں ایک پرانی عمارت کی چوتھی منزل پر ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہنے لگے، جس میں نہ چڑھنے کو لفٹ تھی اور نہ بات کرنے کے لیے ٹیلے فون تھا۔ انھوں نے شادی بھی نہیں کی تھی۔ نہایت سادگی سے معمولی حیثیت سے رہتے ہوئے ڈیڑھ سو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کتابیں لکھیں۔ وہ اردو، عربی، فارسی، انگریزی کے علاوہ فرانسیسی، جرمن، ترکی اور کئی دوسری زبانوں کے ماہر تھے۔ ان زبانوں میں بھی انھوں نے کتابیں بھی لکھی ہیں، لیکن ایسی ویسی یعنی عام سی کتابیں نہیں، بلکہ عظیم کتابیں جو اچھے اچھے عالم بھی نہیں لکھ سکتے۔

ان کی پاکیزہ زندگی سے متاثر ہو کر ہزاروں فرانسیسی مسلمان ہوئے۔ یورپ کے بڑے بڑے قابل لوگ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے تو اردو میں کتابیں لکھیں اور وہ دینی کتابیں تھیں، پھر فارسی، عربی، فرانسیسی، ترکی، جرمن میں بھی کتابیں تحریر فرمائیں۔ اسلامی تاریخ پر ان کی بہت گہری نظر تھی۔ ان کا ایک بہت بڑا کارنامہ فرانسیسی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ ہے۔ اسی زبان میں انھوں نے سیرت پاکؐ پر بھی ایک بہت اعلا درجے کی کتاب لکھی ہے۔ ان کے علاوہ حدیث، فقہ، تاریخ اور قانون پر بھی انھوں نے کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی کتابیں بہت مقبول ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کا جو معاوضہ ملتا تھا وہ آپ مستحقوں میں بانٹ دیتے تھے، خود اپنے آپ پر بہت کم خرچ کرتے تھے۔

حکومت کے بلانے پر وہ تھوڑے تھوڑے دن کے لیے کئی بار پاکستان تشریف لائے۔ مجھے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے پیرس اور پاکستان میں ملنے کا فخر کئی بار حاصل ہوا۔ میں نے پیرس میں ڈاکٹر صاحب کی ایک تصویر بھی کھینچی تھی۔ وہ تصویر کھنچوانا بُرا سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے اپنے چہرے کے سامنے ہاتھ کر لیا تھا۔ میں نے یہی تصویر اپنے سفر نامہ ''دو مسافر، دو ملک'' میں چھاپ دی تھی۔

۱۷- دسمبر ۲۰۰۲ء (بدھ) کو امریکا میں علم کا یہ سورج کبھی نہ اُبھرنے کے لیے غروب ہو گیا۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

یہ زمین و آسماں

عبدالرب احمد
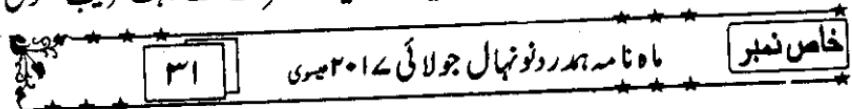
جس سیارے پر ہم اور آپ رہتے ہیں، اس کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

- عربی زبان میں اسے دنیا کے علاوہ ارض بھی کہتے ہیں۔ فارسی اور اردو میں اسے زمین کہا جاتا ہے، ہندی میں یہ دھرتی ہے اور انگریزی میں اسے ارتھ (EARTH) کہتے ہیں۔
- قدیم یونانی زبان میں اس کا نام جیو (GEO) ہے۔

اس زمین کی شکل ایک گیند جیسی ہے۔ یہ گیند کسی چیز پر رکھی ہوئی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی دوسرے سیاروں کی طرف فضا میں چکر لگا رہی ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ہماری یہ زمین نہ صرف چل رہی ہے، بلکہ گول گول گھومتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔ گھومتے ہوئے اس کا جو حصہ سورج کے سامنے ہوتا ہے، اس حصے پر سورج کی روشنی کی وجہ سے دن ہوتا ہے اور باقی آدھے حصے پر اندھیرا ہونے کی وجہ سے رات ہوتی ہے۔ تقریباً بارہ گھنٹے میں رفتہ رفتہ زمین کا بقیہ آدھا حصہ سورج کے سامنے آ چکا ہوتا ہے اور اب زمین کے اس حصے پر دن اور پہلے والے حصے پر رات ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہر چوبیس گھنٹوں میں ایک دن اور ایک رات مکمل ہو جاتے ہیں۔ آگے بڑھتے ہوئے اس زمین کا ایک چکر، ایک سال میں پورا ہوتا ہے۔ اس ایک سال کے چکر میں زمین پر موسم تبدیل ہوتے ہیں، یعنی سردی، گرمی، بہار اور خزاں۔

ہماری زمین سے رات کے وقت آسمان پر جو ستارے نظر آتے ہیں، وہ سب بہت دور ہونے کی وجہ سے ہمیں چھوٹے لگتے ہیں اور ایک دوسرے کے بہت قریب محسوس

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہوتے ہیں، جب کہ اصل میں یہ اس سے ہزاروں گنا بڑے اور آپس میں ہزاروں گنا زیادہ فاصلے پر ہیں۔ یہ تمام ستارے اپنے مقررہ دائرے میں چلتے چلے جا رہے ہیں۔

ہماری زمین کے چاروں طرف اور بادلوں سے اوپر تک ایک چیز جو نظر نہیں آتی، صرف محسوس کی جاسکتی ہے وہ ہے ہوا۔ یہ ہوا ہماری زمین کے ساتھ ساتھ گردش کر رہی ہے۔ ہوا ہر جان دار کے لیے انتہائی ضروری ہے، کیوں کہ ہوا میں موجود دیگر گیسوں کے علاوہ ایک گیس، جسے سائنس دانوں نے اوکسیجن کا نام دیا ہے، اس کے بغیر انسان یا کوئی جانور چند منٹ سے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ ہوا عام طور پر ٹھنڈی اور خوش گوار محسوس ہوتی ہے، لیکن گرمی کے موسم میں یہ کچھ وقت کے لیے بہت گرم ہو جاتی ہے۔ سردی کے موسم میں یہ بہت ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ برسات میں جہاں بارش ہونی ہوتی ہے، ہوا بادلوں کو اُڑا کر وہاں پہنچا دیتی ہے۔ پانی کی طرح یہ بھی بہت طاقت ور ہوتی ہے۔ جدید مشینی دور سے پہلے سمندر میں بادبان والی کشتیاں اور جہاز ہوا کے زور پر ہی چلا کرتے تھے۔ کبھی ہوا کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے۔ اگر یہ سو، دو سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے چلتی ہے تو طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر جہاں جہاں اس کا گزر ہوتا ہے، وہاں بڑی تباہی پھیل جاتی ہے۔ اس کے زور سے بڑے بڑے درخت بھی اُکھڑ کر گر جاتے ہیں۔

اکثر بچوں کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں، اگر یہ ایک بڑی گیند کی طرح ہے اور یہ کسی چیز پر ٹکی ہوئی بھی نہیں، بلکہ یہ گھوم بھی رہی ہے اور آگے بھی بڑھ رہی ہے تو پھر ہم اس پر سے گرتے کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے ستاروں اور سیاروں کی طرح زمین بھی ہر چیز کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، جس کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

وجہ سے ہم یا کوئی بھی چیز اس پر سے کہیں نہیں گرتی۔ زمین کے اس طرح چیزوں کو کھینچ کر رکھنے کو زمین کی کشش یا کششِ ثقل (GRAVITY OF EARTH) کہتے ہیں۔

اگر ہم کوئی پتھر یا اس طرح کی کوئی چیز آسمان کی طرف پھینکتے ہیں تو اس کے لیے ہمیں طاقت لگانی پڑتی ہے، جس سے وہ چیز زمین سے دور ہو جاتی ہے، لیکن چوں کہ زمین اس چیز کو مسلسل اپنی طرف کھینچ رہی ہوتی ہے اور ہم نے جتنی طاقت سے اسے اس چیز کو پھینکا ہوتا ہے، اس طاقت کے مطابق فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بار پھر زمین اس چیز کو واپس اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

ایک اہم بات جو معلوم ہونی چاہیے، وہ یہ ہے کہ اس بڑی گیند یعنی زمین کے زیادہ حصے پر (تقریباً ستر فی صد) پانی یعنی سمندر ہیں اور کم حصے پر خشکی ہے۔ خشکی والے حصے پر انسان کے علاوہ بے شمار قسم کی دوسری مخلوق یعنی چرند، پرند اور خونخوار درندوں کے علاوہ بے شمار کیڑے مکوڑے جنھیں حشرات الارض بھی کہتے ہیں، زمین کے اوپر اور زمین یا مٹی کے نیچے بھی بستے ہیں۔

زمین پر خشکی کے جو حصے ہیں، وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے بھی ہیں اور کئی جگہوں پر ایک دوسرے سے بہت دور بھی ہیں، یعنی ان کے درمیان کئی میل کا فاصلہ ہے۔ جو حصے فاصلے پر ہیں، ان کے درمیان سمندر ہیں۔ خشکی کے ان بڑے بڑے حصوں یا ٹکڑوں کو براعظم کہتے ہیں۔ انگریزی میں کونٹی نینٹ (CONTINENT) کہتے ہیں۔ زمین پر کُل سات براعظم ہیں: ایشیا، یورپ، افریقا، شمالی امریکا، جنوبی امریکا، آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا۔ کسی براعظم پر کم اور کسی پر زیادہ آبادی ہے۔ کہیں زیادہ عرصے گرمی ہوتی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہے اور کہیں زیادہ وقت ٹھنڈ رہتی ہے۔ براعظم انٹارکٹیکا پر پورا سال برف جمی رہتی ہے۔ اس کے قریب والے سمندر کی سطح بھی شدید ٹھنڈ کی وجہ سے بارہ مہینے برف کی موٹی تہ سے ڈھکی رہتی ہے۔

کئی براعظم ایسے ہیں جہاں انتہائی بلند پہاڑ ہیں۔ ان پہاڑوں پر بھی سخت ٹھنڈ کی وجہ سے ہر وقت برف جمی رہتی ہے۔ دنیا کے بلند ترین پہاڑ براعظم ایشیا میں ہیں۔ پہاڑی سلسلے ہمالیہ کی سب سے بڑی بلند چوٹی کو 'ماؤنٹ ایورسٹ'' کہتے ہیں۔ ایک اور چوٹی کا نام ''کے۔ٹو'' ہے۔ ان دونوں چوٹیوں کی بلندی ۲۹۰۰۰ فیٹ کے قریب ہے۔

زمین کے اسی خشکی والے حصوں میں بے شمار دریا بھی ہیں۔ سورج کی تپش سے پہاڑوں پر جو برف پگھلتی ہے، اس کا پانی اور بارشوں کا پانی دریا بن کر مختلف راستوں سے ہوتا ہوا، ایک طویل سفر طے کر کے سمندر تک پہنچ جاتا ہے اور سمندر کے پانی میں مل کر اسی کا حصہ بن جاتا ہے۔ دنیا کے طویل ترین دریاؤں میں براعظم افریقا میں دریائے نیل ہے، جس کی لمبائی ۴۱۶۰ میل اور براعظم جنوبی امریکا میں دریائے ایمازون ہے، جس کی لمبائی ۴۰۰۰ میل ہے۔

اسی طرح زمین پر اس کے خشکی والے حصوں میں بے شمار جھیلیں بھی ہیں۔ جھیل کا پانی عام طور پر میٹھا یعنی پینے کے قابل ہوتا ہے، لیکن دنیا کی سب بڑی جھیل جس کا رقبہ ۱۴۰,۰۰۰ مربع میل ہے، کا پانی نمکین ہے۔ یہ جھیل ایشیا اور یورپ کی سرحد پر واقع ہے۔ اس کا پانی نمکین ہونے کی وجہ سے ہی غالباً اسے سمندروں میں شمار کیا جاتا ہے اور انگریزی میں اسے کیسپین سی (CASPIAN SEA) کہتے ہیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

زمین کے خشک حصے پر ہی میلوں تک پھیلے ہوئے گھنے جنگلات بھی ہیں۔ یہیں وسیع میدانی علاقے ہیں، جہاں زیادہ تر لوگ آباد ہیں۔ یہاں کئی صحرا بھی ہیں، جن میں سفر کرنے والے کو اپنے چاروں طرف حدِ نگاہ تک صرف ریت اور اوپر صرف آسمان نظر آتا ہے۔ میلوں تک نہ کوئی درخت، نہ کہیں پانی اور نہ کوئی آبادی ہوتی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا صحرا یا ریگستان براعظم افریقا میں ہے۔ اس کا نام صحراے اعظم ہے اور انگریزی میں اسے صحارا (SAHARA) کہتے ہیں۔ یہ صحرا پینتیس لاکھ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔

زمین پر خشکی کے بارے میں کچھ معلومات کے بعد اب کچھ بات سمندر کے بارے میں کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ زمین کے زیادہ تر حصے پر سمندر کا پانی پھیلا ہوا ہے۔ یہ سمندر کروڑوں مربع میل تک پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی گہرائی ہزاروں فیٹ تک ہے۔

چند بڑے اور مشہور نام: بحرالکاہل (PACIFIC OCEAN)، بحرِ اوقیانوس (ATLANTIC OCEAN) اور بحرِ ہند (INDIAN OCEAN) وغیرہ ہیں۔ سمندر کا پانی بے حد کھارا ہوتا ہے۔ اتنا زیادہ کہ اس کا ایک گھونٹ پینا بھی بہت مشکل ہے۔ اس کے باوجود اسی پانی میں لاتعداد قسم کی مچھلیاں اور دوسرے چھوٹے بڑے جان دار رہتے ہیں۔ یہ سب اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ ان کا شمار قطعاً ناممکن ہے۔ سمندر کا سب سے بڑا جانور وھیل ہے۔ اس کا شمار مچھلی میں نہیں ہوتا۔

سمندر میں چھوٹی کشتیوں کے علاوہ بڑے بڑے جہازوں میں لوگ خشکی کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک جانے کے لیے سفر کرتے ہیں، خصوصاً ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک جانے کے لیے۔ سمندر سے لوگ بہت بڑی تعداد میں مچھلی اور دیگر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جان دار غذا کے طور پر حاصل کرتے ہیں۔ اسی سمندر سے زیور بنانے کے لیے قیمتی پتھر مرجان، موتی اور سیپ وغیرہ نکالتے ہیں۔ مزے دار بات یہ ہے کہ ہم سمندر کے پانی کا ایک گھونٹ جس نمک کی وجہ سے نہیں پی سکتے، وہی نمک اس سمندر سے ایک خاص طریقے سے حاصل کر کے اپنی غذا میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

پرانے وقتوں میں لوگ سمندر میں سفر کرتے ہوئے خشکی سے زیادہ دور نہیں جاتے تھے، کیوں کہ اس وقت تک لوگوں کا خیال تھا کہ زمین ایک تشتری کی طرح ہے اور اگر وہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے زمین کے کنارے تک پہنچ گئے تو زمین کے کنارے سے ان کا جہاز کہیں نیچے گر کر تباہ ہو سکتا ہے۔ بعد میں جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ زمین تشتری کی طرح نہیں، بلکہ گیند کی طرح ہے اور یہ کہ زمین کی کشش سمندر کے پانی کو بھی کہیں گرنے نہیں دیتی، تب انھوں نے ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک آنا جانا شروع کر دیا اور پھر سمندر کا سفر رفتہ رفتہ پہلے کے مقابلے میں آسان تر ہوتا چلا گیا۔

اب ایک اور سوال ذہن میں آتا ہے، وہ یہ کہ سمندر کا پانی کیوں اتنا نمکین ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک علاحدہ نظام کی وجہ سے ہے۔ پہاڑوں سے پگھل کر آنے والی برف اور بارش کا پانی، میدانوں، جنگلوں اور دریاؤں سے ہوتا ہوا جب سمندر میں گرتا ہے تو سارے راستے پانی میں شامل ہونے والی مٹی میں موجود نمکیات بھی آ کر سمندر میں گرتے ہیں۔ جب سورج کی تپش سے سمندر کا پانی بھاپ بنتا ہے اور بھاپ اوپر کی طرف اُٹھتی ہے تو اوپر پہنچ کر بادل اور پانی کے قطروں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ بادلوں سے بارش ہوتی ہے یا پہاڑوں پر شدید ٹھنڈ کی وجہ سے پانی کے قطرے برف بن کر پہاڑوں پر گرتے ہیں،

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

لیکن دریا کے پانی کے ساتھ آنے والے نمکیات جب سمندر میں گرتے ہیں تو وہیں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سارا عمل ایک ایسا سلسلہ ہے جو ہزاروں نہیں لاکھوں سال، بلکہ اس سے بھی پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اسی عمل کی وجہ سے سمندر کا پانی اتنا نمکین ہو چکا ہے کہ اسے پینے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ اس میں سے نمک صاف نہ کر دیا جائے۔

اس زمین کے بارے میں ہمیں ابھی تک جو کچھ معلوم ہوا ہے، وہ بہت تھوڑا ہے۔ کچھ نہ ہونے کے برابر، لیکن جتنا بھی معلوم ہوا ہے، اس پر تھوڑا سا غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ یہ سارے کام بڑے منظّم انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس پورے نظام کا بنانے اور چلانے والا صرف اور صرف ایک اللہ ہے۔ ☆

لکھنے والے نونہالوں کو مشورہ

نونہال کہانی، مضمون وغیرہ جب اشاعت کے لیے بھیجیں تو ایک نقل (فوٹو کاپی) اپنے پاس ضرور رکھا کریں۔ جب آپ کی بھیجی ہوئی تحریر شائع ہو جائے تو دونوں کو ملا کر دیکھیں کہ کہاں کہاں تبدیلی کی گئی ہے۔ کس جملے کو کس طرح درست کیا گیا ہے۔ کون سا پیراگراف کاٹا گیا ہے اور نیا پیرا کہاں سے شروع کیا گیا ہے۔ تحریر کا عنوان بدلا گیا ہے یا نہیں اور اگر بدلا گیا ہے تو کیا یہ پوری تحریر کا احاطہ کر رہا ہے یا نہیں۔ ایسا کرنے سے آپ بہت جلد اچھا لکھنے لگیں گے۔ تحریر لکھ کر اس کے نیچے اپنا پتا ضرور لکھ دیں، ورنہ تحریر ضائع ہو جائے گی۔ طویل تحریر نہ لکھیں۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

علم خزانہ ہوتا ہے

امجد شریف

کام جو آج کا ہوتا ہے
آج ہی کرنا ہوتا ہے
وہ تو پڑھتے رہتے ہیں
جن کو پڑھنا ہوتا ہے
پڑھنے والے بچوں کا
علم خزانہ ہوتا ہے
پڑھنے والے بچوں کے
ہاتھ میں قاعدہ ہوتا ہے
محنت کرنے والوں کو
پھل بھی ملنا ہوتا ہے
آگاہی کی منزل کا
علم ہی رستہ ہوتا ہے
امجدؔ اچھے بچوں کے
ساتھ زمانہ ہوتا ہے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

خیالات کا کارواں

حمیرا سید

اس مہینے کا خیال کے نام سے مسعود احمد برکاتی صاحب نے اپنی ''پہلی بات'' پر ایک قول لکھنے کا آغاز جون ۱۹۹۱ء سے کیا۔ ہر مہینے ایک بہت اچھی بات، ایک خوب صورت خیال، ایک سبق آموز قول پڑھنے کو ملتا ہے۔

یہ خیالات دل کو چھو لینے والے، اَن مول ہوتے ہیں، جو بے شمار نونہالوں کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔ وہ ان خیالوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی شخصیت کو بہتر بنا سکتے ہیں اور بڑے بھی اِن اَن مول اقوال سے فیض پا سکتے ہیں۔ ان کا ہر خیال، ہر جملہ بڑے بڑے مضمون پر بھاری اور سمندر سے موتی، مونگے لا کر صفحۂ قرطاس پر بکھیرنے کے برابر ہے۔

برکاتی صاحب کے الفاظ بولتے محسوس ہوتے ہیں۔ اِن اَن مول باتوں سے بعض لوگوں کی زندگیاں بدل گئی ہیں۔

برکاتی صاحب کے خیالات وسیع اور گہرے ہوتے ہیں۔ کئی مشہور شخصیات نے بھی ان کے خیالات کی تعریف کی ہے۔ ہم نے سوچا کہ کیوں نہ اِن اَن مول موتیوں کو جمع کر کے ایک لڑی میں پرو دیا جائے۔

ہر ماہ ہمدرد نونہال میں شائع ہونے والے ان زریں خیالات کا گل دستہ قارئینِ ''خاص نمبر'' کی نذر ہے۔ یقیناً ان خیالات سے بچے اور بڑے فیض اُٹھا سکیں گے۔

یہ بار بار پڑھنے اور محفوظ رکھنے والے یادگار خیالات کا سلسلہ ابھی جاری ہے اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ان شاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سید مسعود احمد برکاتی صاحب کو زندگی، صحت و تندرستی سے نوازے اور اُن کا قلم یونہی رواں دواں رہے۔

یہاں صرف سنہ ۲۰۱۶ء کے خیالات پیش کیے جا رہے ہیں:

جنوری : کوئی نیا کام کرنے سے پہلے سوچو، خوب سوچو، پھر کام کرو۔

فروری : اچھائی کو اور اچھا کرنے کو اچھا نہ کہنا بُرائی ہے اور یہ بہت بڑی بُرائی ہے۔

مارچ : بڑے لوگ وہ ہوتے ہیں، جو ہمیشہ یاد رہنے والے کام کر جاتے ہیں۔

اپریل : اگر خیال توانا نہ ہو تو عمل میں زندگی کہاں سے آئے۔

مئی : شوق انسان کو بناتا بھی ہے اور شوق انسان کو بگاڑ بھی سکتا ہے۔

جون : اچھا انسان وہ ہے، جو سب انسانوں کے لیے اچھی اچھی باتیں سوچے۔

جولائی : دوستوں کی غلطیاں بھول جانے والے اپنی غلطیاں نہیں بھولتے۔
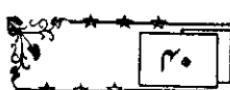
اگست : قلم کی طاقت فولاد سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

ستمبر : بے جگہ چیز کوڑا ہے، جو چیز صحیح جگہ پر ہے، وہ ہیرا ہے۔

اکتوبر : انسان کا علم جتنا بڑھتا جاتا ہے، اپنی کم علمی کا احساس بھی بڑھتا جاتا ہے۔

نومبر : ناکامی کے خوف سے عمل چھوڑنے والے کو کبھی کامیابی نہیں ملتی۔

دسمبر : محبت اور محنت دونوں کامیاب زندگی کا حصہ ہیں۔

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

شہید حکیم محمد سعید

آج مجھے امریکا کے قونصل جنرل جناب رچرڈ ۔ کی ۔ فاک صاحب نے اور ان کی محترمہ بیگم نے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ عنوان یہ تھا کہ اسلام آباد سے ڈپٹی چیف آف مشن، یعنی سفیر کے بعد سب سے بڑی خاتون محترمہ ایلزبتھ جونس آئی ہوئی ہیں۔ ان سے ملاقات رہے گی ۔ آٹھ بجے کا وقت تھا۔ میری گھڑی کی سوئی آٹھ بجے پر تھی کہ پہنچ گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From Paksociety.com

وہاں تو بڑی دیکھا بھالی ہوئی۔ موٹر کی تلاشی ہوئی کہ کہیں بم وغیرہ تو نہیں رکھا ہے۔ ایسی تلاشی وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور میں ایوانِ وزیراعظم پر ہوئی تھی۔ حفاظت کے لیے کوئی پانچ سو اہل کار ہوتے تھے۔ شاید اب بھی ایسا ہی ہوتا ہو۔

نونہالو! میں سوچتا ہوں کہ وہ بھی ہمارا کیا دور تھا کہ حکومت کا سربراہ لباس اور بھیس بدل کر گلیوں محلوں میں پھرتا تھا کہ کوئی کہیں تکلیف میں تو نہیں ہے۔ اس کا محافظ اللہ ہوا کرتا تھا۔
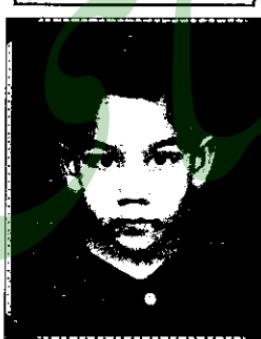
ایک دور ہمارا یہ بھی تھا کہ دنیا ہماری عزت کرتی تھی۔ ہم مسلمانوں کی دیانت اور امانت کا سکہ چلتا تھا۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ امریکا کے سفارت کار کو اعتبار نہیں رہا۔

نونہالو! اس عشائیے میں میرے امریکی دوست مائیکل اینڈرسن بھی تھے اور محترمہ مشعل بھی تھیں جو امریکا کے ثقافتی مشن کی سربراہ ہیں۔ محترمہ نائب سفیر سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے امریکی حکام بھی تھے۔ پاکستانیوں میں جناب کمال اظفر اور ان کی بیگم تھیں اور بھی کئی لوگ تھے۔ رات پونے گیارہ بجے تو اجازت لے کر آ گیا۔

احترام میں کوئی کمی نہ تھی۔ کھانا بھی خراب نہ تھا۔ مگر گیٹ پر تلاشی سے میں خوش نہیں تھا۔ ویسے جو بھی آیا، سب کے ساتھ یہی ماجرا پیش آیا۔

آج زندگی کا یہ معمول ہے۔ دنیا احترامِ امن سے دور ہوگئی ہے۔ بے چارے رچرڈ فاک بے قصور ہیں! کیا کریں!

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

تصویر خانہ

احمد مصطفیٰ جاوید بشیر، ٹنڈو جام

ابرہیم احمد خان، اورنگی ٹاؤن

محمد حسان، کراچی

محمد عارب، کراچی

اریبہ فرحان، کراچی

سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

یشفاء اور ماہ نور بلوچ، گھوٹکی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

مہربان ڈاکٹر

جدون ادیب

انسان معاشرتی حیوان ہے اور معاشرہ ایک جنگل کی طرح ہے۔ انسانوں کا ایک دوسرے کے بغیر زندگی گزارنا ممکن نہیں!

عاصم بیگ نے یہ سبق پڑھا ضرور تھا، مگر اسے اس سے اتفاق نہیں تھا۔ اسے اپنوں اور پرایوں سب نے اتنے دھوکے دیے تھے کہ وہ انسانوں سے بیزار ہو گیا اور اس کا انسانوں سے اعتبار ختم ہو گیا تھا۔

وہ ایک ناول نگار تھا اور تنہائی کا شکار بھی۔ اگر چہ اس کے ناول بہت زیادہ مقبول نہیں ہوئے تھے، مگر گزر بسر اچھی ہو رہی تھی۔ وراثت میں جو جائیداد ملی تھی، اس نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

فروخت کر کے ساحل سمندر کے قریب واقع نئی تعمیر ہوتی سوسائٹی میں ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا تھا۔ یہ مکان سوسائٹی کے آخری سرے پر واقع تھا، جہاں سے ایک قدیم قبرستان کی چار دیواری شروع ہو رہی تھی۔ اسے قبروں سے یا مُردوں سے بالکل ڈر نہیں لگتا تھا، بلکہ وہ اکثر قبرستان جاتا اور وہاں بہت سکون محسوس کرتا۔

اس سوسائٹی میں اکثر گھر زیرِ تعمیر تھے۔ آبادی نہ ہونے کے برابر تھی، اس لیے ضروریاتِ زندگی کی اشیا کے لیے قریبی بستی میں جانا پڑتا تھا۔

کئی دن سے عاصم بیگ کی طبیعت خراب تھی۔ اس نے بستی کے ڈاکٹر سے دوا لی تو وقتی طور پر افاقہ ہو گیا، مگر شام کو ہونے والی بارش اور پھر سرد ہواؤں نے اس کی طبیعت خراب کر دی۔ دمے کی تکلیف بڑھ گئی تھی اور شدید کھانسی ہونے لگی۔ موسم یکا یک شدید سرد ہو گیا تھا۔ بارش وقفے وقفے سے ہو رہی تھی اور ہوا میں بھی شدت پیدا ہو گئی۔ اس نے بستی کے میڈیکل اسٹور کا نمبر ملایا اور ڈاکٹر صاحب کا نمبر مانگا۔ اسٹور والے نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب آج ہی دوسرے شہر روانہ ہو گئے ہیں، وہ کل آئیں گے، البتہ ایک دوسرے ڈاکٹر کا نمبر اس نے دے دیا۔

عاصم بیگ نے نمبر ملایا۔ گھنٹی بجتی رہی، مگر کسی نے اُٹھایا نہیں۔ اس نے دوبارہ میڈیکل اسٹور کا نمبر ملایا، مگر شاید اسٹور بند ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر اور گزری تو اس نے ڈاکٹر صاحب کا نمبر ملایا۔ اس مرتبہ رابطہ ہو گیا، مگر آواز ٹھیک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنا پتا بتایا اور ڈاکٹر صاحب سے گزارش کی کہ وہ آ جائیں۔ جواباً ڈاکٹر صاحب کچھ کہہ رہے تھے، جو اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر رابطہ ختم ہو گیا۔
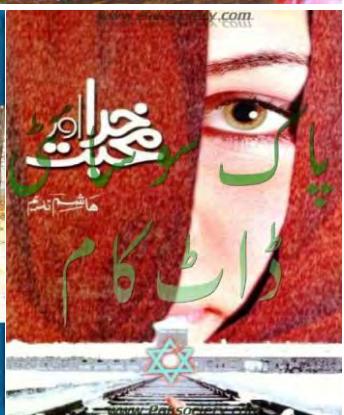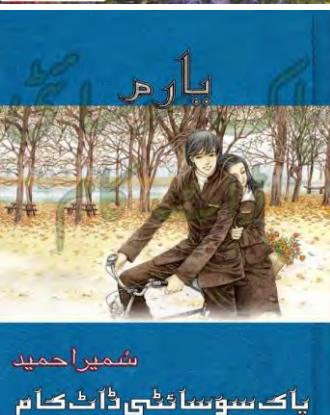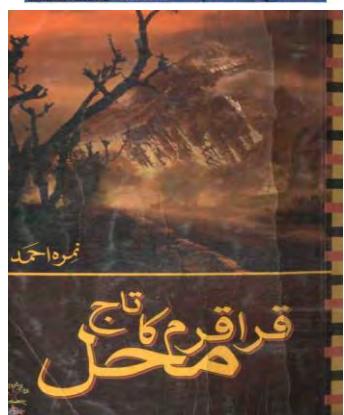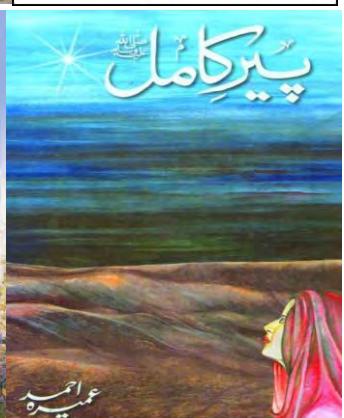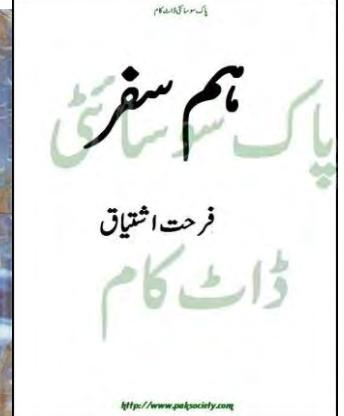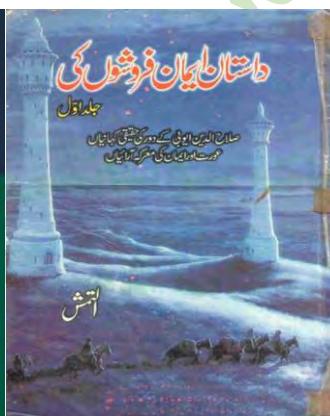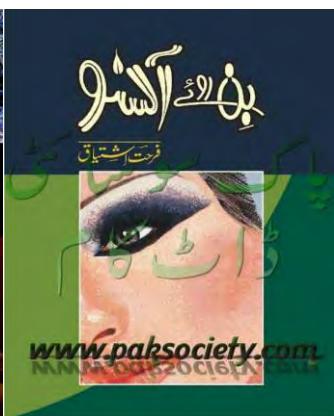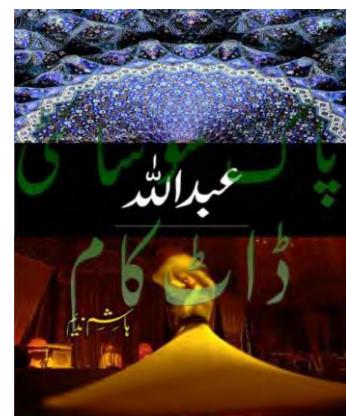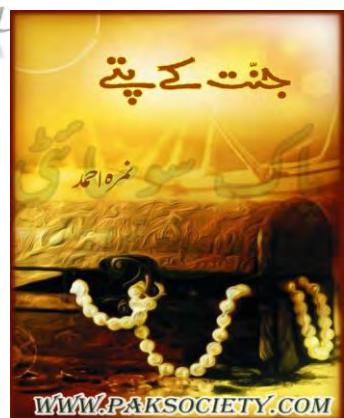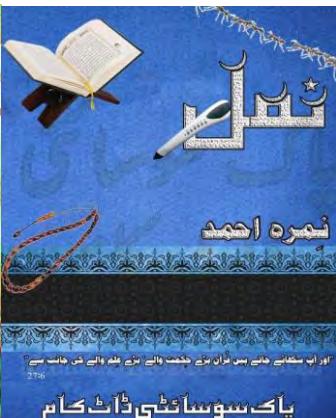
اس موسم اور اس طوفانی رات میں گرم بستر سے کون نکلنا پسند کرے گا۔ اس نے سوچا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اور مایوس ہو گیا۔ رات جیسے جیسے سرد اور تاریک ہوتی جا رہی تھی، اس کی طبیعت اور بگڑتی گئی۔ اس نے آخر ریسکیو فون کرنے کا فیصلہ کیا، مگر جب اس نے ریسیور اُٹھایا تو پتا چلا کہ فون ڈیڈ ہو چکا ہے۔ اس نے ریڈیو آن کیا تو پتا چلا کہ آج کی رات ایک زبردست طوفان ساحل سے ٹکرائے گا اور دو سو کلو میٹر سے زائد تیز ہوائیں چلیں گی۔ شہریوں سے اپیل کی جا رہی تھی کہ وہ بلا ضرورت گھر سے نہ نکلیں۔ اس نے ریڈیو بند کر دیا۔ آتش دان میں اس نے چند لکڑیاں پھینکیں اور آگ کے نزدیک بیٹھ گیا۔ اسے گلے میں درد محسوس ہوا۔ اس نے کھانسی کے شربت کی دُگنی مقدار پی لی اور نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔

باہر موسم اور زیادہ خطرناک ہو چکا تھا۔ تیز ہوائیں مکان کے در و دیوار سے ٹکرا رہی تھیں اور طوفانی بارش جاری تھی۔ اس لمحے عاصم بیگ کو کھانسی کا شدید دورہ پڑا۔ وہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

Downloaded From Paksociety.com

کھانستے کھانستے پیٹ پکڑ کر آگے کو جھکا اور کھانستے کھانستے فرش پر گر پڑا۔ رفتہ رفتہ کھانسی تھم گئی، مگر اسے شدید گھٹن محسوس ہوئی اور سانس لینے میں دشواری ہونے لگی۔ وہ چت لیٹ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے کی کوشش کرنے لگا۔

اس وقت بیرونی دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس نے اپنی گرتی ہمت جمع کی اور لڑکھڑاتے ہوئے کھڑکی کے پاس آیا اور باہر جھانکا۔ اسی لمحے آسمانی بجلی چمکی اور اسے مرکزی دروازے پر ایک آدمی اوورکوٹ پہنے نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا۔

''یہ ضرور ڈاکٹر ہے۔'' اس نے اپنے اندر نئی توانائی محسوس کی اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلتے ہی بوڑھا ڈاکٹر اندر گھس آیا۔

''خوش آمدید ڈاکٹر! آپ نے اس طوفانی رات میں بڑی ہمت دکھائی۔'' اس نے ڈاکٹر کے ہاتھ سے بیگ لے لیا: ''میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھول سکوں گا۔''

ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں مسکرایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ عاصم بیگ کا معائنہ کر رہا تھا۔ پھر اس نے عاصم بیگ کی طرف دیکھا اور بولا: ''میں تمھیں ایک انجیکشن لگا رہا ہوں اور نیبولائز بھی کروں گا۔ صبح تک موسم اچھا ہو جائے گا۔ بہتر ہوگا، تم صبح شہر چلے جانا اور سینے کے کسی ماہر ڈاکٹر کو دکھا دینا۔''

ڈاکٹر نے عاصم بیگ کو نیبولائز کر کے انجیکشن لگایا تو اسے سکون محسوس ہوا۔ اس نے اپنا بٹوہ کھولا اور بولا: ''میں آپ کے احسان کی قیمت تو ادا نہیں کر سکتا، مگر آپ کی فیس ضرور دوں گا اور آپ رات یہیں رکیں۔ صبح میں خود آپ کو چھوڑ کر آ جاؤں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' ڈاکٹر اُٹھ کھڑا ہوا: ''مجھے جلد واپس پہنچنا ہے۔ میرے گھر والے انتظار کر رہے ہوں گے۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''مگر آپ کی فیس ......!''

ڈاکٹر مسکرایا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ تم آرام کرو۔ میں دروازہ بند کر دوں گا۔''

عاصم بیگ نے غور سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ وہ مہربان چہرہ تھا۔ اس لمحے اس نے سوچا کہ ڈاکٹر بھی تو ایک انسان ہے، ایک طوفانی رات میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر ایک مریض کی جان بچانا انسانیت ہی تو ہے۔ آخر ایک انسان ہی انسان کے کام آیا ہے۔

اس وقت اسے لگا کہ شاید وہ غلط تھا۔ انسان کے ہر قسم کے رویے اور ردِ عمل کا حوصلے سے سامنا کرنا چاہیے۔ انسان ہی انسان کا دارو ہے۔ یہ آج ثابت ہو گیا تھا۔

انجیکشن نے اسے سکون دیا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ سو گیا۔ صبح بیرونی دروازے کی کال بیل کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا تو صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ اس نے اپنی طبیعت میں افاقہ محسوس کیا۔ بیرونی کال بیل دوبارہ بجی تو اس نے بستر چھوڑ دیا اور کمبل لپیٹ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھولا تو سامنے ایک ادھیڑ عمر کا ڈاکٹر کھڑا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' ڈاکٹر نے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا: ''رات بہت طوفانی تھی، مگر خیر سے گزر گئی۔ موسم خراب نہ ہوتا تو رات کو آجاتا۔''

''کیا مطلب ڈاکٹر صاحب!'' اس نے ڈاکٹر کے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے کہا: ''رات آپ نے کسی دوسرے ڈاکٹر کو بھیجا تھا!''

''نہیں تو......'' ڈاکٹر چونکا: ''اس بستی میں تو ہم صرف دو ہی ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر سلیم تو کل سے کسی کام سے بستی سے باہر ہیں۔ کسی اور نے ......مگر......''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ڈاکٹر کہتے کہتے رک گیا۔ عاصم بیگ کو اس کے چہرے پر خوف نظر آیا۔

''آپ رک کیوں گئے! آیئے، اِدھر تشریف رکھیے۔''

''کیا رات کو کوئی ڈاکٹر آیا تھا اور اس نے آپ کا علاج کیا تھا؟'' ڈاکٹر نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں، مگر میں نہیں جانتا، وہ کون تھے اور کس نے ان کو بھیجا تھا۔ ہو سکتا ہے، میڈیکل اسٹور والے نے بھیجا ہو۔ اس کے علم میں تھا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

ڈاکٹر نے اپنے بیگ سے ایک ڈائری نکالی۔ ڈائری میں سے ایک لفافہ نکال کر ایک تصویر نکال کر عاصم بیگ کی طرف بڑھائی: ''ذرا یہ تصویر دیکھیں......!''

عاصم نے تصویر لی اور پھر حیرت سے بولا: ''یہی تو تھے وہ ڈاکٹر صاحب!''

ڈاکٹر نے لرزتے ہاتھوں سے تصویر لے کر لفافے میں ڈالی اور لفافہ ڈائری میں رکھتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ڈاکٹر صاحب! کیا ہوا، آپ نے مجھے تصویر کیوں دکھائی ہے؟''

ڈاکٹر نے پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بولا: ''یہ تصویر ڈاکٹر امجد کی ہے جو دس سال پہلے مر چکے ہیں! بہت نیک اور دردمند ڈاکٹر تھے۔ وہ میرے بھی بہت اچھے دوست تھے۔''

عاصم زور سے چونکا: ''کیا مطلب......اور جو رات کو آئے تھے......''

''جو کہانی آپ نے سنائی ہے، وہ اس سے پہلے بھی کئی لوگ سنا چکے ہیں، مگر کوئی ان باتوں پر یقین نہیں کرتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ڈاکٹر امجد ہی تھے۔''

عاصم نے خوف کی لہر اپنے بدن میں دوڑتی محسوس کی۔ ڈاکٹر گھبرایا ہوا لگ رہا تھا اور پھر وہ کچھ کہے بغیر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کتاب

ضیاء الحسن ضیا

دوستو! یہ علم و حکمت کا سمندر ہے کتاب
اس کی وسعت کا لگا سکتا نہیں کوئی حساب

چند لمحوں میں یہ حل کرتی ہے ذہنی اُلجھنیں
جو بھی کچھ پوچھیں ہم اس سے، اس کا دیتی ہے جواب

پڑھنے والے کو ترقی کی دکھاتی ہے یہ راہ
شوق سے اس کو پڑھا جس نے، ہوا وہ کامیاب

ہم نے گھر بیٹھ کر دنیا جہاں کی سیر کی
اس کے موضوعات ہیں دلچسپ، بے حد لاجواب

ہم نے دیکھا ہے کہ اس کا ہر سبق ہے اس طرح
جیسے گلشن میں مہکتا ہوا تروتازہ گلاب

دھیان رکھیے کوئی بھی اس کا ورق پھٹنے نہ پائے
جو کتاب اچھی ہو، پڑھنا اس کا ہے کارِ ثواب

اس کے پڑھنے سے نہ کیوں روشن ہو ذہن و دل ضیاؔ
اس کا ایک ایک حرف ہے روشن، مثالِ آفتاب

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

سفید گھوڑا، عقل مند امیر، دو پڑوسی بھائی۔ کون فائدے میں رہا؟

قیمتی تحفہ

مسعود احمد برکاتی

بہت دنوں پہلے کی بات ہے۔ کسی دور دراز ملک میں ایک امیر آدمی رہتا تھا۔ وہ امیر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا مہربان اور انصاف پسند بھی تھا۔ اس امیر کے محل کے پاس ایک بستی میں دو بھائی رہتے تھے۔ دونوں الگ الگ گھروں میں ایک دوسرے کے پڑوس میں رہتے تھے۔ یہاں ان کی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ دونوں بھائیوں کی طبیعت اور عادت میں بڑا فرق تھا۔ چھوٹا بھائی لالچی اور کنجوس تھا۔ اس کا کھیت بہت آباد اور ہرا بھرا تھا۔ اس کے ہاں پیداوار بہت زیادہ ہوتی تھی اور وہ بہت دولت مند مشہور تھا، مگر اس شخص کو جس چیز نے بہت زیادہ مشہور کر دیا تھا وہ اس کا ایک سفید گھوڑا تھا۔ جن لوگوں کو گھوڑے کی سواری کا شوق تھا، وہ سب اس گھوڑے پر للچائی ہوئی نظریں ڈالا کرتے تھے، یہاں تک کہ اس امیر کو بھی اکثر یہ آرزو ستاتی رہتی کہ کاش! یہ گھوڑا اس کا ہوتا۔

کہتے ہیں، دولت میں بڑا زور ہوتا ہے۔ دولت سے بہت سے بگڑے ہوئے کام بن جاتے ہیں اور اکثر آرزوئیں پوری ہو جاتی ہیں، مگر اس گھوڑے کے معاملے میں امیر کی دولت بھی کچھ زیادہ فائدہ مند ثابت نہ ہوئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ لالچی بھائی نے لوگوں کو اس گھوڑے کا بہت مشتاق پا کر اس کی قیمت بہت زیادہ لگا رکھی تھی، اس لیے کسی کو گھوڑا خریدنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

لالچی شخص کے کھیت سے کچھ دور اس کے بڑے بھائی کا ایک چھوٹا سا کھیت تھا۔ یہی کھیت ان دونوں میاں بیوی کی گزر بسر کا ذریعہ تھا۔ اس کھیت سے جو کچھ پیدا ہوتا تھا وہ اتنا کم ہوتا کہ انھیں تنگی ترشی سے بڑی تکلیف اُٹھا کر زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ بڑے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بھائی کی عادتیں بہت اچھی تھیں۔ وہ بڑا شریف اور مہربان انسان تھا۔ لوگوں سے بہت نرمی سے پیش آیا کرتا تھا اور ان غلطیوں سے درگزر کرتا تھا۔

امیر کو شکار کھیلنے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن وہ کچھ دوستوں کے ساتھ شکار کے لیے نکلا۔ اتفاق سے امیر شہ سواری کے جوش میں ساتھیوں سے بہت آگے نکل گیا۔ ساتھی اس سے بچھڑ گئے۔ وہ جنگل میں گھوڑا دوڑاتا رہا۔ رات کے وقت بستی میں اسے دور ایک روشنی نظر آئی۔ تھک جانے کی وجہ سے اس نے سوچا، اسی جگہ چل کر رات بسر کرنی چاہیے۔ روشنی والی جگہ ان دو بھائیوں میں سے بڑے بھائی کے گھر کی تھی۔

اس وقت بڑا بھائی شہر کی طرف گیا ہوا تھا۔ گھر میں اس کی بیوی اکیلی تھی۔ امیر نے دروازہ کھٹکھٹایا تو بڑے بھائی کی بیوی نے دروازہ کھولا۔ امیر نے اس سے کہا: ''اماں جان! دن بھر گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے تھک کر چور ہو گیا ہوں۔ کیا آپ مہربانی کر کے مجھے اپنے ہاں رات گزارنے کی اجازت دے سکتی ہیں؟''

بڑے بھائی کی بیوی امیر کو نہیں پہچانی۔ اس نے کہا: ''اے راہ گیر! ہم غریب لوگ ہیں۔ کھانے کے لیے سبزی روٹی اور سونے کے لیے گھاس پھوس کے بستر کے سوا کچھ نہیں رکھتے، پھر بھی آپ جیسے راہ سے بھٹکے ہوئے مسافر کو خوش آمدید کہہ کر بہت خوش ہوں گے۔ آپ شوق سے ہمارے ہاں رات گزار سکتے ہیں۔''

امیر نے خاتون کا شکریہ ادا کر کے اپنا گھوڑا مکان کے صحن میں ایک طرف باندھ دیا اور خود گھر میں داخل ہوا۔ خاتون، امیر کے لیے روٹی اور سبزی تیار کر کے لائی۔ امیر بھوک سے بہت بے چین تھا۔ اس نے یہی روکھا سوکھا کھانا بڑی رغبت سے کھایا اور آرام سے سو رہا۔ صبح کو جب امیر نے جانا چاہا تو خاتون سے اپنا تعارف کرایا اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

دس اشرفیاں اس کی نذر کر کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن جب بڑا بھائی شہر سے واپس آیا تو اس کی بیوی نے سارا واقعہ بیان کیا۔ بڑے بھائی نے کہا: ''انصاف کی بات یہ ہے کہ ایک رات کی میزبانی کا معاوضہ دس اشرفیاں بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے ہاں ایسی کوئی چیز نہیں، جس کے معاوضے میں امیر نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ ہم اس کی دی ہوئی یہ رقم واپس کر دیں گے۔ فی الحال ہم اس کی پسند کی ہوئی سبزی اور روٹی خوان پر سجا کر اس کے لیے لے جاتے ہیں۔''

دوسرے دن صبح کو بڑا بھائی یہ چیزیں تیار کرا کے امیر کے پاس لے گیا اور اس سے کہا: ''زمیں دار صاحب! آپ نے ہمارے فقیرانہ کھانے کے معاوضے میں جو دس اشرفیاں دی ہیں، وہ ہمارے پیش کیے ہوئے کھانے کی قیمت سے بہت زیادہ ہیں۔ آپ اجازت دیں تو میں کبھی کبھی تھوڑی روٹی اور سبزی تیار کر کے آپ کے لیے لاتا رہوں۔ ممکن ہے، میں اس طریقے سے آپ کی عنایت کا بدلہ چکا سکوں۔''

امیر کو اس غریب کسان کا یہ برتاؤ اور احسان مندی کا جذبہ بہت پسند آیا۔ زمیں دار نے بڑے بھائی کو ایک بڑا کھیت اور ایک بنا بنایا ہوا خوب صورت مکان انعام کے طور پر دے دیا۔

یہ خبر کسان کے چھوٹے بھائی تک پہنچی تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ امیر اگر تھوڑی سے روٹی اور سبزی کے بدلے میں ایک کھیت اور ایک مکان دے سکتا ہے تو اگر میں اپنا سفید گھوڑا اس کی نذر کروں گا تو وہ مجھے ضرور ایک محل دلوا دے گا۔ دل میں یہ منصوبہ بنا کر چھوٹا بھائی اپنا سفید گھوڑا ساتھ لیے ہوئے امیر کے محل پہنچا۔ اس سے ملاقات

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کی اور گھوڑا پیش کرتے ہوئے کہا: ''جناب والا! تھوڑی سی سبزی اور روٹی کے بدلے میں ایک گھر اور ایک کھیت عطا کرنا ایک بڑا انعام ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ نے میرے بڑے بھائی کے ساتھ جس محبت کا برتاؤ کیا ہے، اس کے مقابلے میں میرے بھائی کی طرف سے جو کمی ہوئی ہے، اس کو پورا کردوں۔ اسی خیال سے اپنا قیمتی سفید گھوڑا آپ کے لیے لایا ہوں۔''

امیر بہت ہوشیار اور سمجھ دار آدمی تھا اور اس لالچی شخص کو خوب جانتا تھا۔ جو خیال چھوٹے بھائی کے دماغ میں گھوم رہا تھا، امیر اس سے اچھی طرح واقف تھا، اس لیے امیر نے اسے جواب دیا: ''ارے بھائی! تم نے بڑی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تمھارے اس سلوک کا بدلہ کیسے چکاؤں۔ تمھارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ تمھارا کھیت اور مکان بہت اچھا ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں پائی جاتی۔ میں تمھاری محبت کا معاوضہ کس طرح ادا کروں۔ میں سوچتا ہوں اس کا بدلہ کوئی بہت بڑی چیز دے کر ادا کروں۔ جانتے ہو! میں کیا کروں گا؟ میں یہ کروں گا کہ تمھارا بھائی میرے لیے جو تحفہ اتنی محبت اور خلوص کے ساتھ لایا ہے، وہ میری نظر میں ان تمام تحفوں سے زیادہ قیمتی ہے، جو مجھے اب تک کسی سے وصول ہوئے ہیں۔ اب میں اسی تحفے کو تمھاری نذر کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر امیر نے نوکروں کو حکم دیا کہ باورچی خانے کے اندر تحفے میں آیا ہوا جو خوان رکھا ہے، لے آئیں اور ہمارے اس دوست کے حوالے کر دیں۔ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی اور وہ خوان لالچی چھوٹے بھائی کے حوالے کر دیا گیا۔

لالچی کسان اپنا سا منھ لے کر رہ گیا اور امیر کے ہاں سے ناکام واپس ہوا۔

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

اصل حکمراں

مرسلہ : علی حیدر لاشاری، لاکھڑا

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے، لیکن ان کے طور طریقوں اور لباس میں بے حد سادگی تھی۔ ایک دن بازار میں کھڑے تھے۔ ایک شخص نے گھاس خریدی اور انھیں مزدور سمجھ کر گٹھڑی ان کے سر پر رکھ دی۔

لوگوں نے دیکھا تو شور مچا دیا کہ ارے بھائی! یہ تو یہاں کے گورنر ہیں۔ اس شخص نے فوراً معافی مانگی اور گٹھڑی واپس لینے لگا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا: ”نہیں، اب تو میں گٹھڑی آپ کے گھر پہنچا کر لوٹوں گا۔“

ٹیڑھی اینٹ

مرسلہ : محمد منیر نواز، ناظم آباد

سکھوں کے گورو ارجن دیو کے دل میں جب دربار امرتسر کا خیال پیدا ہوا تو اپنی عقیدت مندی کی بنا پر حضرت شیخ میاں میرؒ سے درخواست کی کہ وہ اس کی عبادت گاہ کا سنگِ بنیاد رکھیں۔ شیخ میاں میرؒ نے سنگِ بنیاد رکھا تو اینٹ ذرا سی ٹیڑھی رکھی گئی، جس کو معمار نے اُٹھا کر سیدھا کر دیا۔ اس بات پر گورو ارجن دیو خفا ہو کر کہنے لگے: ”ایسے مقدس ہاتھ کی رکھی ہوئی اینٹ تم نے کیوں سیدھی کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ دربار ایک دفعہ تباہ ہو کر دوبارہ بنے گا۔“

چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے جب حملہ کیا تو یہ گردوارہ بھی تباہ ہوا، جسے چار سال بعد دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

جلترنگ

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

جلترنگ یعنی پانی کا ساز۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بیس چینی کے پیالے نصف دائرے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کی شکل میں رکھے جاتے ہیں۔ پیالوں میں مختلف مقدار میں پانی ڈالا جاتا ہے۔ بجانے والا نصف دائرے کے درمیان میں بیٹھ کر دو چھڑیوں سے پیالوں پر مخصوص ضرب لگاتا ہے۔ پیالوں میں پانی کی مقدار گھٹا بڑھا کر مطلوبہ سُر نکالے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں، یہ ساز امیر خسرو نے ایجاد کیا تھا۔ اس کی آواز نازک اور مسرت آفریں ہوتی ہے اور کھلی فضا کا تاثر پیدا کرتی ہے۔

دمڑی نہ جائے

مرسلہ : وجیہ متین، کراچی

یہ ۱۹۷۵ء کا واقعہ ہے۔ ایڈن برگ (اسکاٹ لینڈ) کی ایک بھکارن زندگی بھر بھیک مانگتے مانگتے آخر ایک دن مرگئی۔ اس کے مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ایک لکھ پتی عورت تھی۔ بینکوں میں اس کے آٹھ لاکھ ڈالر جمع تھے۔ اس کے علاوہ مختلف کمپنیوں میں اڑتالیس لاکھ ڈالر کے شیئرز (حصص) تھے۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے پتا چلا کہ اس کی موت بھوک کی وجہ سے ہوئی تھی۔

انسان

مرسلہ : بشریٰ بنتِ عبدالرؤف قریشی، کراچی

انسان دولت کمانے کے لیے اپنی صحت کھو دیتا ہے، پھر صحت کو واپس لانے کے لیے اپنی دولت کھو دیتا ہے۔ حال میں ماضی کو یاد کر کے روتا ہے اور مستقبل کے بارے میں سوچ کر اپنا حال تباہ کر لیتا ہے۔

مادری زبان

مرسلہ : شائم عمران، کراچی

اردو کے مشہور شاعر میرا جی کا تعلق لاہور سے تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ ان کی مادری زبان کون سی ہے؟

انھوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا: ''میری مادری زبان اردو ہے۔ یہ اور بات ہے کہ میری والدہ میری مادری زبان نہیں سمجھتیں۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

مہمان نوازی

مرسلہ : محمد احمد غزنوی، دیر لوئر

ایک کنجوس کے ہاں ایک مہمان آیا۔

میزبان (مہمان سے): ''آپ ٹھنڈا پسند کریں گے یا گرم؟''

مہمان: ''ٹھنڈا مل جائے تو اچھی بات ہے۔''

میزبان: ''روح افزا یا جوس؟''

مہمان: ''روح افزا۔''

میزبان: ''بوتل میں یا گلاس میں؟''

مہمان: ''گلاس میں۔''

میزبان: ''سادہ گلاس یا ڈیزائن والا؟''

مہمان: ''ڈیزائن والا۔''

میزبان: ''لائنوں والا یا پھولوں والا؟''

مہمان: ''پھولوں والا۔''

میزبان: ''گلاب والا یا چنبیلی والا؟''

مہمان: ''چنبیلی والا۔''

میزبان: ''معاف کرنا بھئی! ہمارے پاس ایسا گلاس نہیں ہے۔''

اپریل کی بہار

مرسلہ : ابراہیم احمد خان جدون، اورنگی ٹاؤن

مشہور شاعر اکبر الہ آبادی کے ایک دوست تقریباً بوڑھے ہو چکے تھے، لیکن فیشن جوانوں کی طرح کرتے تھے۔ ایک دن وہ اپنے بناؤ سنگار میں مصروف تھے کہ اکبر الہ آبادی وہاں پہنچ گئے، دوست انھیں دیکھ کر شرمندہ سے ہوئے تو اکبر الہ آبادی نے ایک شعر پڑھا:

مصروف ہیں حضور یہ کس بندوبست میں
اپریل کی بہار نہ ہوگی، اگست میں

لاعلاج

مرسلہ : جنت جدون، کراچی

ہنگری کا ایک مشہور سائنس داں ''کاؤنٹ استوان'' پاگل ہو گیا تو ڈاکٹروں نے اس کے لیے شطرنج کھیلنے کی تجویز رکھی، اس کے پاگل پن کا علاج شطرنج کھیلنا تھا۔ اس کے لیے ایک نوجوان کو ملازم رکھا گیا، جس کا کام پاگل

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

سائنس داں کے ساتھ شطرنج کھیلتا تھا۔ وہ چھے سال تک سائنس داں کے ساتھ شطرنج کھیلتا رہا۔ اس عرصے میں سائنس داں تو بالکل ٹھیک ہو گیا، لیکن وہ نوجوان اس قدر پاگل ہو گیا کہ ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دے دیا۔

تختِ طاؤس

وقاص رفیق، کراچی

مغل بادشاہ شاہ جہاں نے تختِ نشینی کے بعد اپنے لیے ایک نہایت قیمتی تخت تیار کرایا تھا، جو تختِ طاؤس کہلاتا تھا۔ اس تخت کی لمبائی ۱۳-گز، چوڑائی ڈھائی گز اور اونچائی پانچ گز کے قریب تھی۔ اس کے چھے پائے تھے، جو خالص سونے کے بنے ہوئے تھے۔ تخت کے اوپر پہنچنے کے لیے تین چھوٹے زینے بنائے گئے تھے، جن پر دور دراز ملکوں سے لائے گئے قیمتی جواہر جڑے ہوئے تھے۔ تخت کی لمبائی کی دونوں جانب دو خوب صورت مور چونچ میں موتیوں کی لڑی لیے اور پَروں کو کھولے ہوئے سایہ کرتے نظر آتے تھے۔ دونوں کے سینے پر سُرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ پُشت پر بھی قیمتی ہیرے جڑے ہوئے تھے، جن کی مالیت لاکھوں روپے تھی۔ تخت کی تیاری پر اس وقت ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا۔

جب نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا تو یہ تختِ طاؤس بھی اپنے ساتھ ایران لے گیا تھا۔

اپنی نقل

مرسلہ : اُمیمہ ریان، نارتھ کراچی

شہر میں اعلان کیا گیا کہ نقالی کا مقابلہ منعقد ہو رہا ہے۔ پہلا انعام اس شخص کو دیا جائے گا جو چارلی چپلن کی ہو بہو نقل اُتارے گا۔ مشہور اداکار چارلی چپلن کو شرارت سوجھی اور مقابلے میں شرکت کے لیے خود بھی پہنچ گیا۔ نقالی کا مقابلہ شروع ہوا۔ چارلی چپلن نے بھی اداکاری کی۔ جب نتائج کا اعلان ہوا تو پتا چلا کہ چارلی چپلن مقابلہ ہار چکا ہے اور انعام ایک دوسرا شخص لے گیا۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

انوکھے ساحلی پرندے

نسرین شاہین

قدرتی طور پر پرندے ہوا پسند ہوتے ہیں، لیکن ان میں سیکڑوں ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ پانی کے قریب یا پانی میں گزارتے ہیں۔ آپ نے بھی یقیناً سمندر، دریاؤں، ندی نالوں، جھیلوں، تالابوں اور جوہڑ کے کنارے مختلف اقسام اور قد و قامت کے رنگ برنگے پرندے دیکھے ہوں گے۔ ان میں مرغابیاں، بطخیں، ہنس، کونجیں، بگلے، لق لق، پَن ڈبیاں، دیو ہنس (پیلی کن)، جل کوے، ٹیٹریاں، بحری اور آبی ابابیلیں، فلیمنگو وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان میں ان پرندوں کی سیکڑوں اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر پرندے سرد علاقوں سے ہجرت کر کے ہمارے ملک میں آتے ہیں۔ انھیں متعدل علاقوں کی آب و ہوا بھاتی ہے۔ بعض پرندے ہمارے ملک میں مہمان ہوتے ہیں، کچھ عرصے بعد اپنے علاقوں میں واپس چلے جاتے ہیں۔ پانی میں رہنے والے کچھ پرندوں کے بارے میں آپ کو بتا رہے ہیں۔

☆ **پیلی کن** (PELICAN) جسے دیو ہنس بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام اس کے بڑے قد و قامت اور وزنی جسامت کی وجہ سے پڑا ہے۔ وزنی ہونے کے باوجود ہواؤں میں بڑی شان سے اُڑتے ہیں۔ ان کا وزن ۱۴ کلوگرام تک ہوتا ہے۔ جب کہ پَروں کا پھیلاؤ ساڑھے دس فیٹ تک ہوتا ہے۔ پیلی کن کی چونچ ۳۰ پونڈ وزنی مچھلی کا وزن بھی اُٹھا سکتی ہے۔ پیلی کن آسمان پر اکثر اکھٹے انگریزی حرف وی (V) کی شکل میں اُڑتے ہیں۔ ان کا مچھلیاں پکڑنے کا طریقہ بڑا نرالا ہے۔ یہ اپنے پَروں کو پھڑ پھڑا کر پہلے تو مچھلیوں کو ڈراتے ہیں۔ جب وہ کم گہرے پانیوں میں جمع ہو جاتی ہیں تو گروہ کی صورت میں ان کا شکار کرتے ہیں۔ پیلی کن کے جبڑے کے نیچے ایک بڑی سی تھیلی لگی ہوتی ہے، جس میں حسب ضرورت پانی کی گنجائش ہوتی ہے۔ زمین پر بیٹھتے وقت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جبڑے کی جھلی جب مچھلیوں سے بھری ہوتی ہے تو بوجھ سے زمین کو چھونے لگتی ہے۔ پیلی کن ایک دل چسپ آبی پرندہ ہے۔

☆ آبی ابابیل (TERN) عام طور پر ابابیلیں اُڑتی ہیں، لیکن آبی ابابیلیں تیرتی ہیں۔ سلیٹی اور سفید رنگ کی بحری ابابیل کا شمار خوب صورت پرندوں میں ہوتا ہے۔ بحری ابابیل، آسمانی ابابیلوں سے جسم میں نسبتاً بھاری ہوتی ہیں۔ ان کی چونچ مچھلی پکڑنے والے کانٹے کی طرح اور مضبوط ہوتی ہیں۔ یہ پانی پر بہت کم بیٹھتی ہیں۔ دبلی پتلی یہ ابابیلیں مچھلیوں کو خوراک کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ پرواز کے دوران چونچ کا رُخ پانی کی طرف رکھتی ہیں، جیسے ہی مچھلیوں کا کوئی غول دکھائی دیا، یہ ان پر جھپٹ پڑتی ہیں۔ آبی ابابیلوں کے سر کا رنگ موسمِ سرما اور موسمِ گرما میں مختلف ہوتا ہے۔ یہ ابابیلیں گروہ کی شکل میں رہتی ہیں۔ اکثر خشک جگہوں پر بھی جمع ہو جاتی ہیں۔ بہت سی بحری ابابیلیں ساحل سمندر پر لنگر انداز جہازوں کے اردگرد اُڑتی دکھائی دیتی ہیں، ان کا گزارا جہازوں سے پھینکی ہوئی خوراک پر ہوتا ہے۔ ابابیلیں جتنی آسمان پر اُڑتی ہوئی اچھی لگتی ہیں، اتنی ہی بحری ابابیلیں بھی حسین ہوتی ہیں۔

☆ پَن ڈبیاں (GREBE) پاکستان میں مکمل طور پر پانی میں زندگی گزارنے والے پرندوں میں پَن ڈبیاں بھی شامل ہیں۔ یہ عام طور پر ٹھیرے ہوئے پانی میں رہتی ہیں۔ یہ اپنے چپٹے پنجوں کو کشتی چلانے کے چپوؤں کی طرح تیرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ خطرے کے وقت فوراً غوطہ لگاتی ہیں اور پانی کی تہ میں ۲۰ فیٹ گہرائی تک چلی جاتی ہیں۔ یہ بہت کم، صرف مجبوری میں زمین پر قدم رکھتی ہیں، خاص طور پر جب انڈے دینے کے لیے گھونسلا بنانا ہو یا پانی کے ایک تالاب سے دوسرے تالاب تک جانا ہو، ورنہ پَن ڈبیاں پانی کے اندر ہی سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ ان کی ٹانگیں ان کے جسم کے بہت پیچھے ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کا جسم بھدا لگتا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہے۔ ان کی خوراک میں زیادہ تر مچھلیاں، مینڈک، حشرات کے لاروے اور آبی پودوں کے کچھ حصے شامل ہوتے ہیں۔

☆ جَل مرغیاں (COOT) یہ بہت خوب صورت، سرخ، سبز، سیاہ، جامنی اور نیلے رنگوں کی ہوتی ہیں۔ یہ گھریلو مرغی سے ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ ان کا گوشت ذائقے دار ہوتا ہے، اس لیے ان کا کثرت سے شکار کیا جاتا ہے۔ جَل مرغیاں سندھ کی ہالیجی جھیل میں پائی جاتی ہیں۔ بنگلا دیش میں انھیں پالا بھی جاتا ہے۔ پرندے لڑانے کے شوقین انھیں بٹیروں اور مرغوں کی طرح لڑاتے بھی ہیں۔ یہ مرغیاں بھی اُڑنے کے بجائے بھاگتی ہیں۔ جَل مرغیاں عام طور پر پانی کے کناروں پر جھاڑیوں میں گھومتی پھرتی ہیں اور پانی پر تیرتی گھاس پھوس پر ہی اپنے گھونسلے بناتی ہیں۔

☆ جَل کوے (CORMORANT) اُڑنے والے کوؤں کی طرح سیاہ رنگ کے جَل کوے دریاؤں، جھیلوں اور ندی نالوں کے پانی میں سیکڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ مچھلیاں شوق سے کھاتے ہیں۔ ان کے تعاقب میں یہ تیرتے ہوئے پانی کے نیچے بھی چلے جاتے ہیں۔ ان کے تیرنے کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ مچھلیوں اور جھینگوں کے لیے ان سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جَل کوے پانی سے مچھلیاں پکڑ کر مالک کے حوالے کرتے ہیں۔ بعض لوگ ان کی گردن پر سختی سے پٹا باندھ دیتے ہیں، تاکہ وہ شکار کی ہوئی مچھلی کو نگل نہ سکیں۔

☆ سارس (SARUS) یہ لمبی ٹانگوں اور لمبی گردن والے بڑے خوب صورت پرندے ہیں۔ پانی میں اکثر ایک ٹانگ پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ گروہ کی شکل میں رہتے ہیں۔ پانی میں حرکت کرتے وقت یا ہوا میں پرواز کے دوران بہتی ہوئی لہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔ یہ کم گہرے پانیوں میں رہتے ہیں اور کیچڑ میں اپنی چونچ سے غذا چھان کر حاصل کرتے ہیں۔ چھوٹی مچھلیاں اور کیڑے مکوڑے ان کی مرغوب غذا ہیں۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پاکستان کے شہر

شمس القمر عاکف

پاکستان کے سارے شہر ہیں پیارے پیارے شہر
راولپنڈی ، مری ، کراچی ، دِیر ہمارے شہر

اٹک ، سِبّی ، کوئٹہ ، گلگت ، سرگودھا ، ملتان
سکھّر ، چیچہ وطنی ، لیّہ ، ڈیرہ غازی خان

گوجرہ ، حاصل پور ، بدین ، عارف والا ، لاہور
کوٹری ، پنوں عاقل ، کامرہ ، رائے ونڈ اور کشمور

نوشہرہ ، نوڈیرو ، اوکاڑہ ، حَب ، کوہستان
ٹانک ، پشاور ، میرعلی ، گوادر ، دریا خان

لودھراں ، حضرو ، پتوکی ، اسلام آباد ، چمن
پنڈی گھیب ، صوابی ، سَمّہ سَٹّہ ، پاک پتن

پیر محل ، لالہ موسیٰ ، پبی ، دادو ، چترال
گھوٹکی ، عیسیٰ خیل ، سمندری ، کوٹلی ، خانیوال

لسبیلہ ، ڈی آئی خاں ، تربت ، پسرور ، قلات
جھل مگسی ، لکی مروت ، ٹنڈوآدم ، گجرات

واہ ، ہمک ، سہالہ ، باغ ، ہیں کیسے پیارے نام
کتنے شہر ہیں باقی ، لیکن ہوگئی نظم تمام

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

باتیں حکیم محمد سعید کی

محترمہ فاطمہ جناح

نونہالو! خاتونِ پاکستان محترمہ مس جناح کی آج (۹ جولائی) چھبیسویں برسی ہے۔ میں نے صبح بعد نمازِ تہجد ایک سپارہ پڑھا اور محترمہ کی روح کو ایصالِ ثواب کیا۔

نونہالو! ابھی پاکستان نہیں بنا تھا، تحریک شباب پر تھی۔ نمبر ۱۰، اورنگ زیب روڈ سے محترمہ مس جناح مجھے فون کرتی تھیں کہ قائداعظم کے لیے اسپغول کی بھوسی ختم ہوگئی ہے، ذرا بھجوادیں۔ میں یا تو خود لے جاکر دیتا یا بھجوادیتا۔ قائداعظم اسپغول کی بھوسی استعمال کیا کرتے تھے۔

محترمہ مس جناح کے ہاں بڑی پابندیاں تھیں۔ اگر ان کے سامنے ان کا کوئی ملازم ننگے سر چلا جاتا تو اس کی شامت آجاتی تھی۔ بغیر بلائے کوئی آجاتا تو واپس ہی جاتا تھا۔ بس میری بیٹی سعدیہ اور مجھے اجازت تھی کہ جب چاہیں ان سے مل لیں۔

نونہالو! محترمہ مس جناح نے ہمدرد طبیہ کالج کا سنگِ بنیاد رکھا تھا، پھر وہ ہمدرد فیکٹری کے لیے بھی ناظم آباد تشریف لائی تھیں۔ میری بات مانتی تھیں اور ہمدرد کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔ جب تک زندہ رہیں، ایک نہایت باوقار زندگی گزاری۔ توازن کو برقرار رکھا۔ پاکستان کا ہر طبقہ ان کا احترام کرتا تھا۔

(حکیم محمد سعید کی ڈائری ''سچی کہانی'' جولائی ۱۹۹۲ء سے لیا گیا)

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From Paksociety.com

نونہال خبر نامہ

سلیم فرخی

انگوٹھوں کے بل ڈنڈ پیلنا
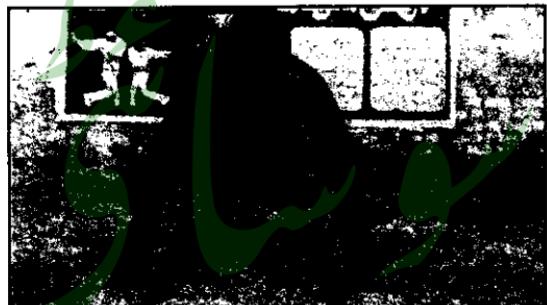
ایک پاکستانی نوجوان عرفان محمود نے صرف ہاتھ کے انگوٹھوں کے بل پر ایک منٹ میں ۳۳ مرتبہ ڈنڈ پیل کر عالمی ریکارڈ قائم کر دیا اور اپنا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں درج کرا لیا ہے۔
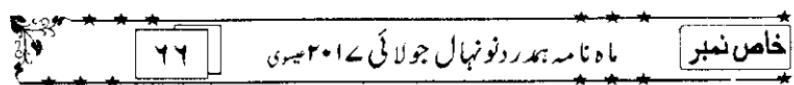
سات زبانیں بولنے والی بچی

روس سے تعلق رکھنے والی ۴ سالہ ''بیلا'' نامی ننھی پری میں ذہانت کے ساتھ ساتھ تیزی سے سیکھنے کی صلاحیت بھی موجود ہے، جس کی بدولت وہ اب ۷ مختلف زبانیں آسانی سے بولتی نظر آتی ہے۔ بیلا نے اپنی مادری روسی زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی، جرمن، فرنچ، ہسپانوی، چینی اور عربی زبان میں بات چیت کر کے سب کو حیران کر دیا۔ بیلا نے یہ زبانیں صرف دو سال کی عمر سے سیکھنی شروع کیں اور اب اُسے ان تمام زبانوں پر عبور حاصل ہے۔

ایک کروڑ ۴۰ لاکھ روپے کی جیکٹ

امریکا کے شخص نے پرانے کپڑے بیچنے والی ایک دکان سے ۵ ڈالر میں ایک جیکٹ خریدی۔ یہ جیکٹ تاریخی اہمیت رکھتی ہے، جس کا اندازہ دکان دار کو نہیں تھا۔ یہ جیکٹ جارجیا گالف کلب کے کھلاڑی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پہنا کرتے تھے۔ ہر سال ایسی جیکٹ ''ماسٹر ٹورنامنٹ'' جیتنے والے سب سے بڑے کھلاڑی کو پیش کی جاتی ہے۔ مذکورہ جیکٹ ۱۹۵۰ء کی ہے، جو ۱۹۹۴ء میں ٹورنٹو سے لائے گئے سامان میں آئی تھی۔ اس پر جیتنے والے کا نام بھی لکھا ہے۔ گالف کلب نے اس جیکٹ کے اصل ہونے کی تصدیق کردی ہے۔ بعدازاں اس جیکٹ کو ڈیڑھ لاکھ ڈالر (تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپے) میں نیلام کیا گیا۔

آٹھ ماہ کی بچی کا وزن ۱۷ کلو

بھارتی پنجاب میں آٹھ مہینے کی ایک بچی ''چاہت کمار'' کا وزن حیرت انگیز طور پر ۱۷ کلو تک پہنچ گیا ہے۔ اس کا مٹاپا دیکھ کر ڈاکٹر حیران اور والدین پریشان ہیں۔ چاہت کمار کا وزن پیدائش کے ۴ مہینے بعد تیزی سے بڑھنے لگا۔ مزید چار مہینے بعد اس کا وزن ۳۸ پاؤنڈ (۱۷ کلو گرام) ہوگیا، یعنی ۴/۵ سال کے بچے کے برابر۔ اس کی والدہ کا کہنا ہے کہ وہ اپنی عمر کے عام بچوں کے مقابلے میں ۴ گنا زیادہ کھاتی ہے۔ اگر اسے کھانے کو نہ دیا جائے تو وہ رونا شروع کردیتی ہے۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ملازم بھائی

جاوید بسام

عرصہ گزرا، ملک خراسان میں دو بھائی دانیال اور نصر اپنی ماں کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کی عمریں تیرہ چودہ سال تھیں۔ وہ باپ کی طرف سے ورثے میں ملے چھوٹے سے قطعہ اراضی پر سخت محنت کرتے، لیکن بہت کم کما پاتے۔ دانیال کو پڑھنے کا شوق تھا، لیکن اس گاؤں میں مدرسہ نہیں تھا اور اس کے حالات بھی ایسے نہ تھے کہ کہیں جا کر تعلیم حاصل کر سکے، جب کہ نصر جلد امیر ہو جانا چاہتا تھا۔ وہ ہمیشہ اچھے کپڑوں اور کھانوں کے خواب دیکھتا تھا۔

ایک دن اچانک ان کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب ان کے لیے اس گاؤں میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

رہنا دشوار ہوگیا۔ انھوں نے اپنی زمین بیچی اور اچھے مستقبل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ کئی دن کے سفر کے بعد وہ ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ کوئی مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ انھوں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک بونے کو چیل اپنی چونچ میں پکڑے اُڑی جا رہی ہے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے چیل پر تیر برسائے۔ چیل نے گھبرا کر بونے کو چھوڑ دیا۔ بونا نیچے گر رہا تھا کہ دونوں نے اپنی چادر پھیلادی۔ بونا اس میں آن گرا۔ وہ گھبرایا ہوا تھا اور خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

نصر بولا: ''گھبراؤ مت، تمھاری جان بچ گئی۔''

بونے نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا اور بولا: ''میری جان کو خطرہ نہیں تھا۔''

''پھر چیل تمھیں کیوں لے جا رہی تھی؟'' دانیال نے پوچھا۔

بونا جھلّا کر بولا: ''چیل کے بچے ابھی چھوٹے ہیں۔ وہ مجھے ان سے کھیلنے کے لیے لے جا رہی تھی۔''

یہ سن کر دونوں بھائیوں کو ہنسی آ گئی۔

بونا بولا: ''ختم کرو یہ مذاق! میں بونوں کی دنیا کا راجا ہوں۔ سب مجھ سے ادب سے بات کرتے ہیں۔''

دانیال سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا: ''اچھا راجا صاحب! فرمائیں، اب ہم آپ کی کیا خدمت کریں؟''

بونا بولا: ''کچھ نہیں، بلکہ تمھاری نیکی کے بدلے میں، میں کچھ صلہ دینا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

دونوں بھائی حیرت سے اس کے ساتھ چل دیے۔ بونا انھیں ایک غار میں لے گیا۔ وہاں دو بوریاں رکھی تھیں۔ ان کے منھ رسی سے بندھے تھے۔ بونا بولا: ''بائیں طرف والی بوری میں سونے کی اشرفیاں ہیں اور دائیں طرف والی میں علم سے بھری کتابیں ہیں۔ اب تم دونوں جو چاہو، لے لو۔''

دونوں نے حیرانی سے اس کی بات سنی۔ پھر نصر تیزی سے آگے بڑھا اور اشرفیوں والی بوری اُٹھالی۔ دانیال مسکرایا اور اس نے کتابوں کی بوری لے لی۔ پھر انھوں نے بونے کا شکریہ ادا کیا اور اپنی راہ پر ہو لیے۔ دونوں بہت خوش تھے۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچے، جہاں دوراہا تھا اور راستہ دو شاخوں میں بٹ گیا تھا۔ وہاں برگد کا ایک گھنا درخت تھا۔ دنوں تھک کر اس کے نیچے بیٹھ گئے۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد نصر بولا: ''اب ہمیں بائیں راستے پر چلنا چاہیے۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

دانیال نے کہا: ''نہیں، میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہمیں دائیں راستے پر جانا چاہیے۔''
دونوں میں سخت بحث ہونے لگی۔ آخر نصر غصے میں بولا: ''تم ضرور اس راستے پر جاؤ۔ میں تو بائیں راستے پر جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی بوری اُٹھائی اور روانہ ہونے لگا۔
دانیال جلدی سے بولا: ''چلو، ٹھیک ہے۔ ہم ایسا ہی کرتے ہیں، لیکن وعدہ کرو ہر تین سال بعد، سال کے آخری دن ہم یہاں ملا کریں گے، تاکہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوسکیں۔''
نصر نے گردن ہلائی اور دونوں اپنے اپنے راستے پر ہولیے۔
تین سال بعد دونوں بھائی وہاں پہنچے۔ نصر نے بہت قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ وہ گھوڑے پر آیا تھا، جب کہ دانیال عام سے لباس میں تھا۔ وہ کچھ کم زور بھی ہوگیا تھا۔ پہلے اس نے اپنی کہانی سنائی: ''میں دائیں راستے پر چلتا ہوا ایک شہر میں پہنچا۔ وہاں شہر کی سب سے بڑی درس گاہ تھی۔ میں نے وہاں داخلہ لے لیا۔ میری ذہانت کو دیکھتے ہوئے استاد نے میری فیس معاف کردی۔ میں بہت دل لگا کر پڑھ رہا ہوں، پڑھنے کے بعد جو وقت ملتا ہے، اس میں درس گاہ کے کچھ کام کرلیتا ہوں، جس سے اتنے پیسے مل جاتے ہیں کہ اپنے کھانے اور کپڑوں کا بندوبست کرسکوں۔''
نصر نے مسکرا کر اس کے کپڑوں کی طرف دیکھا جو بہت پرانے تھے۔ اس کے جوتے بھی گھسے ہوئے تھے۔ وہ بولا: ''اب میری سنو، میں بائیں راستے پر چلتا ہوا ایک ایسے شہر میں پہنچا جو تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے۔ میں نے وہاں اناج کا کام شروع کردیا۔ اب میں بہت دولت کما رہا ہوں۔ میں نے اپنا گھر بھی بنا لیا ہے۔ اچھا کھاتا اور اچھا پہنتا ہوں، لیکن مجھے لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔ میں نے ایک ملازم رکھا، جو میرے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

سب کام سنبھالتا تھا، لیکن وہ دھوکے باز نکلا اور میری ایک تہائی دولت لے کر بھاگ گیا۔ مجھے ایک ایمان دار اور بھروسے والے ملازم کی ضرورت ہے۔ تم اپنی پڑھائی ختم کرو اور میرے پاس آ جاؤ۔ میں تمھیں اچھی تنخواہ دوں گا۔''

دانیال بولا: ''تمھاری تجویز تو اچھی ہے، لیکن مجھے ابھی اور علم حاصل کرنا ہے۔ میں ہر امتحان اعلا نمبروں میں پاس کر رہا ہوں۔ کچھ عرصے میں میری تعلیم پوری ہو جائے گی اور شاید علم کی پیاس بھی بجھ جائے۔''

یہ سن کر نصر غصے سے بولا: ''یہ علم تمھارے کچھ کام نہیں آئے گا۔ تم آج غریب ہو، کل بھی غریب رہو گے۔'' یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر بیٹھا اور وہاں سے چلا گیا۔ دانیال نے افسوس سے گردن ہلائی اور اُٹھ کر چل دیا۔

تین سال بعد وہ پھر وہاں پہنچے۔ دانیال کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کے کپڑوں میں پیوند لگے تھے، لیکن اس کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس نے کچھ اور درجے پاس کر لیے ہیں اور اسے درس گاہ کا سب سے قابل طالب علم کا اعزاز ملا ہے۔

نصر منھ بنا کر بولا: 'میں نے تین سالوں میں اپنی دولت میں مزید اضافہ کر لیا تھا، لیکن پچھلے دنوں میں نے زمین خریدی، جس میں نقصان اُٹھانا پڑا۔ وہ زمین بنجر نکلی۔ میری دو تہائی دولت ڈوب گئی۔ بہرحال میرا کام اچھا چل رہا ہے۔ میں پہلے کی طرح مال دار ہوں۔ تم چاہو تو میرے پاس بطور نوکر آ سکتے ہو۔''

دانیال مسکرا کر بولا: ''میری علم کی پیاس بڑھتی جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے، میں کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

یہ سن کر نصر اُٹھا اور بڑبڑاتا ہوا اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

تین سال بعد وہ پھر اس درخت کے نیچے موجود تھے۔ نصر اسی طرح عمدہ لباس میں گھوڑے پر آیا تھا، لیکن وہ کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ وہ بولا: ''اس دفعہ تین سال کا قصہ پہلے میں سناؤں گا۔ میں نے ان سالوں میں زور شور سے کام شروع کیا، تاکہ اپنا نقصان پورا کرسکوں، لیکن چالاک بیوپاری میرے ہاتھ خراب مال بیچ جاتے تھے۔ میری دولت آہستہ آہستہ کم ہونے لگی۔ نقصان پورا کرنے کے لیے میں نے قرض لینا شروع کیا، لیکن جب وقت پر ادائیگی نہ کر سکا تو سود بڑھتا گیا۔ آخر قرض خواہوں نے مجھ سے میرا گھر اور دکان چھین لیے، پھر بھی ان کی رقم پوری نہ ہوئی تو کوتوالی چلے گئے۔ آخر مجھے وہاں سے فرار ہونا پڑا۔''

دانیال اس کی بات سن کر رنجیدہ ہو گیا اور بولا: ''بھائی! تمھارے ساتھ بہت بُرا ہوا، لیکن جو اللہ کو منظور۔ اب ایسا کرو، میرے ساتھ چلو۔ میری تعلیم مکمل ہونے والی ہے، جس کے بعد مجھے ملازمت مل جائے گی۔ ہم مل کر گزر بسر کرلیں گے۔''

نصر طنزیہ لہجے میں بولا: ''تم اپنا گزارہ کرلو۔ وہ بڑی بات ہے۔ میں تمھارے ساتھ نہیں چل سکتا۔''

دانیال نے بہت ضد کی، لیکن نصر نہ مانا اور وہاں سے چلا گیا۔ دانیال افسردہ واپس لوٹ گیا۔

جلد ہی دانیال کی تعلیم مکمل ہو گئی۔ اس نے ہر امتحان میں سب سے زیادہ نمبر لیے تھے۔ درس گاہ کی طرف سے اسے ملازمت کی پیش کش کی گئی، جو اس نے قبول کر لی۔ اسے رہنے کے لیے گھر اور اچھی تنخواہ مل رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔ تعلیم دینے کے ساتھ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ساتھ وہ اپنے علم کا شوق بھی پورا کر رہا تھا۔ ایک سال کے اندر اندر اسے مزید ترقی مل گئی۔ اب وہ ایک خادم بھی رکھ سکتا تھا۔ جو اس کے لیے کھانا پکا سکے اور کپڑے دھو سکے۔ اسے خادم کی تلاش تھی۔ اس نے اپنے ایک ساتھی استاد سے درخواست کی کہ کسی آدمی کا بندوبست کر دے۔

ایک دن ساتھی استاد نے ایک آدمی کو بھیجا۔ دستک سن کر دانیال نے دروازہ کھولا۔ باہر سر پر پگڑی باندھے بڑی سی داڑھی والا ایک آدمی کھڑا تھا۔ دانیال کو دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور پلٹ کر واپس جانے لگا۔ دانیال بھی اس کو دیکھ کر چونکا اور جلدی سے بولا: ''نصر! رک جاؤ۔'' اس نے بڑھ کر اسے روکا اور اندر بلا لیا۔

''تمھارے اوپر کیا بیتی ہے اور تم نے ایسا حلیہ کیوں بنا رکھا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

نصر نے رنجیدگی سے بتایا کہ قرض خواہوں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ ان سے چھپتا پھر رہا ہے اور چھوٹے موٹے کام کر رہا ہے۔''

دانیال بولا: ''تم میرے ساتھ رہو۔ میں تمھارے لیے کوئی کام ڈھونڈوں گا اور ہم مل کر قرض بھی اُتار دیں گے۔''

نصر کے آنسو بہنے لگے۔ وہ بولا: ''میں غلطی پر تھا۔ مجھے اس کی سزا ملی۔ میں اب تمھاری ملازمت کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔''

دانیال نے کہا: ''نہیں، تم میرے بھائی ہو۔ یہاں بھائی بن کر رہو گے۔ ملازم تو مجھے بہت مل جائیں گے، لیکن بھائی اور نہیں ملے گا۔''

نصر بڑھ کر اس کے گلے لگ گیا۔

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اِدھر اُدھر سے

کردار کے غازی

مرسلہ : سید مائر علی ہاشمی، کورنگی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک ملازم نے دشمنوں سے رشوت لے کر ان کے کھانے میں زہر ملا دیا، جس سے ان کی حالت بگڑ گئی۔ علاج ہوا، ذرا افاقہ ہوا تو خفیہ تحقیق کرائی گئی۔ ملازم پکڑا گیا تو اس سے رشوت کی رقم لے کر بیت المال میں جمع کرائی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس ملازم سے کہا: ''میرے گھر والوں کو خبر ہوئی تو وہ تم کو قتل کر دیں گے، اس لیے فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔'' اس طرح انھوں نے اپنے مجرم کی جان بچالی۔

ماں کی دعا

تحریر : اقبال خورشید

انتخاب : نسیم احمد، کراچی

دونوں بھائی تھے۔ صبح ساتھ ناشتا کیا۔ پھر اپنے اپنے راستے ہو لیے۔ بڑے کو ورکشاپ جانا تھا، چھوٹے کو دفتر، مگر قسمت دونوں کو ایک ہی پارک لے آئی۔

وہاں ایک مداری کے گرد خاصی بھیڑ تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی سے لاعلم، بھیڑ کی طرف بڑھنے لگے۔ پاس پہنچ کر دونوں نے اپنی اپنی جیکٹ میں ہاتھ ڈالا...... اچانک چھوٹے کی نظر بڑے بھائی پر پڑی، جو ہنستے ہوئے مداری کی ویڈیو بنا رہا تھا۔ وہ کانپ اُٹھا۔ خودکش جیکٹ کے بٹن سے انگوٹھا ہٹالیا...... بھیڑ سے دور ہوگیا۔ گھر لوٹا تو دیکھا، ماں مصلے پر بیٹھی اپنے بیٹوں کی سلامتی کی دعا مانگ رہی تھی۔

بھائی پھیرو

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

لاہور ڈویژن کے ایک ضلع قصور کا ایک قصبہ بھائی پھیرو کے نام سے مشہور ہے، جو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

لاہور، ملتان روڈ پر پتوکی سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس قصبے میں ''موڑ سنگھ'' نامی ایک سکھ آ کر آباد ہوا۔ بعد میں اس کی اولاد مسلمان ہوگئی۔ اس وقت قصبے کا نام ''میاں کا موڑ'' رکھ دیا گیا۔ اس دوران سکھوں کے معروف رہنما سلنکت صاحب یہاں آئے، جن کو گرو بھائی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ایک چیلا بھی تھا۔

گرو بھائی یہاں بیٹھ کر دھونی جماتے اور چیلا چل پھر کر، گداگری کر کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا۔ اسی لیے شروع میں قصبے کا نام گرو بھائی اور چیلے کے نام پر پہلے بھائی پھیری اور پھر بھائی پھیرو پڑ گیا۔ اگر چہ اس کا نیا نام ''پھول نگر'' رکھا گیا ہے، لیکن اب تک بھائی پھیرو ہی لوگوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔

او کے کا مطلب کیا ہے؟

مرسلہ : شکیلہ عرفان، سکھر

اگر یہ کہا جائے کہ انگریزی لفظ OK دنیا میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والے الفاظ میں سے ایک ہے تو غلط نہ ہوگا۔ بات بات پر ''اوکے'' کہتے ہوئے آپ نے کبھی سوچا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

دراصل یہ لفظ پرانی انگریزی کے دو الفاظ ''OLL KORRECT'' کا مخفف ہے، جس کا مطلب ہے، سب ٹھیک ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں امریکی شہروں بوسٹن اور نیویارک میں غیر روایتی الفاظ کا استعمال عام تھا اور بڑے لفظوں کو مختصر کر کے بولنا پسند کیا جاتا تھا۔ اگر چہ ان میں سے اکثر مخفف وقت کے ساتھ ختم ہوگئے، مگر ایک سیاستدان کی وجہ سے OK کا استعمال جاری رہا۔ یہ سیاستدان ''وین بورین'' تھے، جن کا عرف عام ''OLD KINDERHOOK'' تھا اور ان کے ساتھی اور کارکن انھیں مختصراً OK کہتے تھے۔

سیٹھ صاحب

مرسلہ : حسام خامر، سندھی ہوٹل

کچھ لوگ ایک سیٹھ کے پاس گئے اور کہا کہ ہم ایک نیک مقصد کے لیے چندہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اِکھٹا کر رہے ہیں، براہِ کرم آپ بھی اس میں حصہ ڈالیں۔ سیٹھ بولا: ''میری چھوٹی بیٹی معذور ہے، کیا اس کی ضروریات کا خیال رکھنا اور اسے اس کی آسایش کی ہر چیز مہیا کرنا، نیک کام نہیں ہے؟''

لوگوں نے کہا: ''یقیناً یہ بہت بڑی نیکی ہے۔''

اس کے بعد سیٹھ نے کہا: ''میری ایک بیوہ بہن ہے، اس کا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ کیا اس کے اخراجات پورے کرنا، اس کے بچوں کی فیسیں، وردیاں اور کتابیں مہیا کرنا اور دیگر اخراجات میں اس کی مدد کرنا نیک کام نہیں؟''

انھوں نے کہا: ''یقیناً۔''

سیٹھ صاحب پھر بولے: ''میری باپ بوڑھا اور بیمار ہے، کیا اسے علاج کی سہولتیں مہیا کرنا اور اس کی ضروریات کا خیال رکھنا نیک کام نہیں؟''

وہ لوگ بولے: ''سبحان اللہ، اپنے باپ کی خدمت کرنے سے بڑی نیکی اور کیا ہوسکتی ہے۔''

اس پر سیٹھ صاحب بولے: ''میں جو یہ سارے کام نہیں کرتا ہوں تو تمھیں چندہ کس لیے دوں؟''

گھری گھری

مرسلہ : عاقب خان جدون، ایبٹ آباد

دورِ عباسی کے ایک خلیفہ منصور نے اپنے طالب علمی کے زمانے کے ایک ساتھی عبدالرحمان افریقی سے پوچھا: ''بنوامیہ کے مقابلے میں ہماری بادشاہت کیسی ہے؟''

عبدالرحمان نے جواب دیا: ''اتنا ظلم کسی بادشاہت میں کب ہوا ہے۔''

منصور نے کہا: ''ہمیں اچھے مددگار نہیں ملتے۔''

عبدالرحمان نے اسے فوراً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول سنایا: ''بادشاہ کی حیثیت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بازار جیسی ہوتی ہے۔ جس چیز کی مانگ زیادہ ہو، وہی زیادہ ملتی ہے۔ اگر بادشاہ عابد و زاہد ہے تو اسے مشیر بھی ویسے ہی ملیں گے، اگر بادشاہ بدخصلت ہے تو اسے مشورہ دینے والے بھی ویسے ہی ملیں گے۔''

تحریف

مرسلہ : حبیب الرحمان، ملتان

معروف شاعر امجد اسلام امجد نے اپنے ایک کالم میں لکھا کہ حفیظ جون پوری کے مشہور عالم مطلع کی ایک بہت خوب صورت تحریف یاد آرہی ہے، جس میں صرف دو لفظوں کی تبدیلی سے شعر کا کچھ کا کچھ ہوگیا ہے، اصل شعر اور اس کی تحریف دونوں کچھ اس طرح سے ہیں۔

بٹھ بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

تبدیلی کے بعد اب اس کا روپ کا بدل گیا:

بٹھ بیٹھ جاتا ہوں جہاں چائے بنی ہوتی ہے
ہائے، کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

حساب بے باق

مرسلہ : عائشہ صدیق، کراچی

مشہور شاعروں میں رفیع سودا اور میر ضاحک کے دل میں ایک دوسرے کے خلاف ناراضی رہتی تھی۔ اتفاق سے میر ضاحک، سودا کی زندگی میں ہی وفات پاگئے۔ سودا تعزیت کے لیے ان کے گھر گئے۔ تعزیت کے بعد انھوں نے اپنی بیاض نکالی اور میر ضاحک کے خلاف جتنی تحریریں نظم کی تھیں، سب نکال کر پھاڑ دیں۔

میر ضاحک کا بیٹا سودا کے اس عمل سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے بھی اپنے والد کی بیاض منگوائی اور اس میں سودا کے خلاف جتنا کلام تھا، وہ سب پھاڑ ڈالا۔

پاپ

شاعر : انور مسعود

مرسلہ : گلناز حسین، میرپورخاص

گویوں کے یہ دہشت ناک جتھے
جو چلّاتے ہیں گانے کے بجائے
دھماکے ہیں کہ موسیقی ہے یارو!
ہمیں اس پاپ سے، اللہ بچائے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

چمڑے کی سڑک

ڈاکٹر عمران مشتاق

یوں تو آپ نے بادشاہوں کی کئی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ بادشاہ نیک دل اور اپنی رعایا کے حق میں رحمت کا باعث بھی ہوتے تھے اور ایسے ظالم کہ سب ان کے ظلم سے پناہ بھی مانگتے تھے۔ آج جو کہانی ہم آپ کو سنا رہے ہیں، اس کہانی کا بادشاہ ایک اچھا انسان تھا۔ اسے اپنی رعایا کی بہت فکر رہتی تھی۔ اس کی کوشش ہوتی کہ عام لوگوں کے لیے آسانی پیدا کی جائے اور ان کے مسائل کو حل کیا جائے۔

ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ اسے اپنی ریاست میں گھوم پھر کر دیکھنا چاہیے کہ لوگ کیسے زندگی گزار رہے ہیں اور اگر انھیں کوئی تکلیف ہے تو اس کو حل کیا جائے۔

بادشاہ نے جب ارادہ کر لیا تو اس نے اپنے ساتھ چند وزیر، امیر اور کچھ سپاہی حفاظت کی نیت سے ساتھ لے لیے۔ بادشاہ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ سفر پیدل ہی کیا جائے گا۔

اس کے وزیروں اور امیروں نے اسے اس بات سے روکنے کی کوشش کی، مگر وہ بادشاہ ہی کیا جو کسی کی بات سن لے۔ وہ بولا: ''پیدل چلنے کا سب سے بڑا فائدہ تو ہماری اپنی صحت کے لیے ہے اور دوسرا یہ کہ رعایا کو یہ یقین دلایا جائے کہ ان کا بادشاہ بھی ان میں ہی سے ہے۔''

بادشاہ کی بات سن کر وہ وزیر اور امیر اپنی توندیں چھپانے کی کوشش کرنے لگے، جن کا وزن بے تحاشا بڑھا ہوا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

سفر کا آغاز ہوا اور سب چل پڑے۔ بادشاہ کی ریاست پہاڑی اور ناہموار علاقے پر مشتمل تھی اور زیادہ سڑکیں پتھروں سے بنائی گئی تھیں۔ بعض جگہ تو سڑکوں پہ نوکیلے پتھر نکلے ہوئے تھے۔

بادشاہ کا سفر جاری تھا۔ بہت سارے لوگوں سے ملاقات ہوئی اور بادشاہ کو اپنے لوگوں کے مسائل سے واقفیت ہوئی۔ جن مسائل کا فوری حل موجود تھا، ان کے لیے تو بادشاہ نے فوراً ہی احکام جاری کر دیے اور جن کے لیے وقت اور وسائل کی ضرورت تھی، ان کی تفصیل نامہ نگاروں نے نوٹ کر لی۔

ایک مہینے کے سفر کے بعد بادشاہ جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس اپنے محل میں پہنچا تو اس کا شان دار استقبال کیا گیا۔ ایسے وزیر اور امیر جن کا وزن بے تحاشا تھا، ان میں سے بیشتر اب چست اور دبلے پتلے ہو گئے تھے۔ ان کے لیے سفر مشکل ثابت ہوا تھا، البتہ ان کی صحت بہتر ہو گئی تھی اور انھیں یہ اچھا لگ رہا تھا۔

سفر سے واپسی کو ابھی دو دن ہی ہوئے تھے کہ بادشاہ کے دائیں پاؤں میں شدید تکلیف شروع ہو گئی۔ شاہی طبیب نے جب معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ کسی نوکیلے پتھر نے بادشاہ کے پاؤں کو زخمی کر دیا تھا۔ بادشاہ کو سفر کے دوران پاؤں میں درد کا احساس تو ہوا تھا، مگر اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ اب پاؤں کا زخم خراب ہو گیا تھا۔ اس کا علاج شروع ہو گیا۔ بادشاہ کو پاؤں کے زخم کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اسے چوں کہ شاہی طبیبوں نے مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا، اس لیے وہ اپنے شاہی بستر پر آرام کرتے ہوئے کسی سوچ میں گم رہتا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ایک دن اس نے اپنے وزیروں کو بُلا بھیجا۔اس کے شاہی بستر کے پاس ہی چھوٹا سا شاہی دربار لگ گیا۔سب نے اس کی عیادت کی اور خیریت دریافت کی۔بادشاہ نے سب کا شکریہ ادا کیا اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

بادشاہ کے سوچنے کے دوران سب خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔کچھ دیر کے بعد اس نے سر اُٹھایا اور بولا: ''ایک چیز نے ہمیں بہت پریشان کر رکھا ہے۔''

ایک سینئر وزیر نے احترام سے پوچھا: ''بادشاہ سلامت! ایسی کیا بات ہے کہ جس نے آپ کو فکر میں ڈال رکھا ہے؟''

بادشاہ نے اداس لہجے میں جواب دیا: ''ہمیں اپنی رعایا کی مشکلات کا اندازہ تھا، مگر یہ نہیں پتہ تھا کہ بعض جگہوں پہ لوگ بے حد تکلیف میں زندگی گزار رہے ہیں۔''

ایک دوسرے وزیر نے پوچھا: ''سرکار! آپ وضاحت کریں، تاکہ ہم ان کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کر سکیں۔''

بادشاہ بولا: ''ہماری سڑکیں نوکیلے پتھروں سے بنی ہوئی ہیں۔ان پہ چلنا بہت دشوار ہے۔ہمیں کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ سڑکیں آرام دہ ہو جائیں اور لوگوں کو تکلیف بھی نہ ہو۔''

اب سب مل کر سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور مشورے ہونے لگے اور پھر انھوں نے بادشاہ کے سامنے کئی تجاویز پیش کیں۔بادشاہ کو کوئی بھی تجویز متاثر نہ کر سکی۔

اچانک بادشاہ نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا: ''ہمیں اس مسئلے کا حل مل گیا ہے۔ہمیں سڑکوں پہ چمڑا چڑھانے کی ضرورت ہے۔بس اسے ہمارا حکم سمجھا جائے اور خراب سڑکوں پہ چمڑا چڑھا کر انھیں چمڑے کی سڑک بنا دیا جائے۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بادشاہ کا حکم سن کر تو سب ہی ہکا بکا رہ گئے۔ ایک سینئر وزیر نے کچھ کہنا چاہا، مگر بادشاہ نے کسی کی بھی بات سننے یا ماننے سے انکار کر دیا۔

بادشاہ کا حکم تھا، اس کی تعمیل کیسے نہ ہوتی۔ ایک سڑک پہ ہنگامی بنیادوں پہ کام شروع کر دیا گیا۔ کئی سو گائے اس مقصد کے لئے ذبح کر دی گئیں، تا کہ ان کی جلد سے چمڑا حاصل کیا جا سکے۔ جب ایک چھوٹی سی چمڑے کی سڑک تیار ہو گئی تو بادشاہ خود اس کے معائنہ کے لیے گیا۔

اسے سڑک بے حد پسند آئی۔ آرام دہ چمڑے کی سڑک پر چل کر بادشاہ کو بہت لطف آیا۔ اس نے فوراً حکم جاری کر دیا کہ ریاست کی تمام سڑکوں پہ چمڑے کی تہ بچھا دی جائے۔

اب تو بادشاہ کے سارے وزیر پریشان ہو گئے۔ وزیر خزانہ نے تو صاف کہہ دیا، ''اگر اس منصوبہ پہ عمل کیا گیا تو جلد ہی خزانہ خالی ہو جائے گا۔''

وزیر جو ریاستی پیداوار کے امور دیکھتا تھا، وہ بولا: ''ہم ہزاروں گائے ذبح کرنے کے بعد ہی اپنا مطلوبہ چمڑا حاصل کر سکیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم ہزاروں معصوم جانوروں کو بلا وجہ ہی ہلاک کر دیں گے۔''

ایک دوسرے وزیر نے فوراً ہی اسے تنبیہ کرنا ضروری سمجھا: ''بلا وجہ نہیں، یہ بادشاہ کا حکم ہے۔''

وہ سب پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ اس مسئلہ کو کیسے حل کیا جائے۔ کافی دیر کے بعد ایک وزیر نے تجویز پیش کی، جسے سب نے ہی پسند کیا۔

اس تجویز کو عملی شکل دیتے ہوئے، وہ سب ایک بزرگ وزیر کے پاس پہنچے جواب

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ریاستی امور سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ وہ وزیرِاعظم بھی رہ چکے تھے اور سب انھیں اب بھی وزیرِاعظم ہی کہتے تھے۔ وہ عقل مند اور دانا تھے اور بادشاہ ان کی بات توجہ سے سنتا تھا۔

ساری بات سننے کے بعد انھوں نے کہا: ''تمھیں مزید جانور ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بادشاہ سے خود بات کروں گا۔''

سب لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔

تین دن کے بعد وزیرِاعظم بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''بادشاہ سلامت! میں آپ کے لیے ایک تحفہ لے کر آیا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔''

بادشاہ، وزیرِاعظم کی بہت عزت کرتا تھا، مسکرا کر بولا: ''اجازت ہے۔''

وزیرِاعظم کے کہنے پر اس کے ساتھ آئے ہوئے ایک شخص نے جو کہ موچی تھا، نے بڑے احترام سے چمڑے کے دو ٹکڑے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔

بادشاہ نے جب توجہ طلب نظروں سے وزیرِاعظم کی طرف دیکھا تو وہ ادب سے بولے: ''حضور! چمڑے کے یہ ٹکڑے اگر جوتوں پر چڑھا لیے جائیں تو سڑک یا راستہ کتنا بھی پتھریلا کیوں نہ ہو، اس پہ آرام سے چلا جا سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو چمڑے کے جوتے بھی تیار کیے جا سکتے ہیں۔''

بادشاہ کے حکم پر موچی نے شاہی جوتوں کے تلووں پہ ان چمڑے کے ٹکڑوں کو باندھ دیا۔ بادشاہ نے ان جوتوں کے ساتھ ایک پتھریلی سڑک پہ چل کر جب تجربہ کر لیا تو اس نے وزیرِاعظم کی ذہانت اور دور اندیشی کی بے حد تعریف کی۔ اس نے فوراً ہی حکم جاری کیا: ''اب چمڑے کی سڑکیں بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ سب کو اپنے جوتوں پہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

چمڑے کے ٹکڑے باندھ کر سفر کرنا چاہیے۔''

یوں ایک دانا وزیر کی عقل مندی سے ہزاروں معصوم جانوروں کی جان بچ گئی۔

کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں چمڑے کے جوتے ابھی عام نہیں ہوئے تھے۔ پہلے تو لوگوں نے جوتوں پہ چمڑے کے ٹکڑے باندھنے شروع کیے اور پھر چمڑے کے جوتے بنائے جانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ دن اور آج کا دن، اب چمڑے کے جوتے ہی سب سے زیادہ پسند کیے جاتے ہیں اور دنیا بھر میں ان کی بہت مانگ ہے۔ اور یہ بات تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ہمارے ملک میں بنائے گئے چمڑے کے جوتے دنیا بھر میں پسند کیے جاتے ہیں۔ ☆

ہمدرد نونہال اب فیس بک پیج پر بھی

ہمدرد نونہال تمھارا پسندیدہ رسالہ ہے، اس لیے کہ اس میں دل چسپ کہانیاں، معلوماتی مضامین اور بہت سی مزے دار باتیں ہوتی ہیں۔ پورا رسالہ پڑھے بغیر ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ شہید حکیم محمد سعید نے اس ماہ نامے کی بنیاد رکھی اور مسعود احمد برکاتی نے اس کی آب یاری کی۔ ہمدرد نونہال ایک اعلا معیاری رسالہ ہے اور گزشتہ ۶۳ برس سے اس میں لکھنے والے ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں نے اس کا معیار خوب اونچا کیا ہے۔

اس رسالے کو کمپیوٹر پر متعارف کرانے کے لیے

اس کا فیس بک پیج (FACE BOOK PAGE) بنایا گیا ہے۔

www.facebook.com/hamdardfoundationpakistan

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ماں

سید محمد ظفر چمن زیدی

ماں نے مانگی ہیں مرے حق میں دُعائیں کتنی
ہوگئیں دُور مرے سر سے بَلائیں کتنی

جب کبھی لُو کے تھپیڑوں نے ستایا مجھ کو
اُس نے دامن کی مجھے دی ہیں ہوائیں کتنی

میں اگر ماں کی نگاہوں سے بھٹک جاتا تھا
اُس کی چیخوں سے لرزتی تھیں فضائیں کتنی

کبھی یہ بھی نہ کہا مجھ سے معافی مانگو
گرچہ کیں میں نے خطاؤں پہ خطائیں کتنی

اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے لوری کی مٹھاس
اب بھی کانوں میں اُترتی ہیں صدائیں کتنی

دُکھ اُٹھاتی ہیں یہ اولاد کے سُکھ کی خاطر
فرض سے آشنا ہوتی ہیں یہ مائیں کتنی

جن کے سائے میں بسر میرا ہوا تھا بچپن
مجھ کو یاد آتی ہیں ماں کی وہ رِدائیں کتنی

ماں گزر جائے تو اولاد کے سینے میں چمنؔ
صورتِ حشر اُبھرتی ہیں فُغائیں کتنی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہمدرد نونہال اسمبلی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی معروف محقق، مؤرخ، مصنف اور رکنِ شوریٰ ہمدرد جناب محترم پروفیسر ڈاکٹر ریاض احمد تھے۔ اجلاس کا موضوع تھا: ''کتاب سے دوری اور انٹرنیٹ سے قربت''

اجلاس کی اسپیکر عائشہ اسلم تھیں۔ تلاوت قرآن مجید شہیرہ آصف نے، حمدِ باری تعالیٰ رئیس ارشد نے اور ہدیۂ نعت علشبہ خان نے پیش کی۔ نونہال مقررین میں محمد اویس، زنیرہ شریف، عبدالرافع بھٹی، نویرا ایمان اور محمد علی قریشی شامل تھے۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ اچھی کتاب انسان کی بہترین دوست ہوتی ہے۔ ہماری موجودہ نسل کتاب سے دور اور انٹرنیٹ کے قریب ہو گئی ہے۔ انٹرنیٹ کا منفی استعمال بھی پریشان کن حد تک بڑھ گیا ہے، جو مستقبل کے معماروں کو راہِ راست سے ہٹاتا جا رہا ہے۔ نونہالانِ وطن کے لیے میرا دوستانہ اور ہمدردانہ مشورہ ہے کہ وہ موسمِ گرما کی تعطیلات کے دوران انٹرنیٹ کو صرف ضرورتاً اور اچھی اچھی کتابوں کو زیادہ وقت دینے کی عادت ڈالیں۔

پروفیسر ڈاکٹر ریاض احمد نے کہا کہ انٹرنیٹ میں کوئی بُرائی نہیں ہے، مگر اس کا بے جا استعمال اور اس پر انحصار کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر ہم کتاب سے دوری اختیار کرلیں اور ہر معاملے میں انٹرنیٹ سے جڑے رہیں گے تو ہماری سوچنے سمجھنے کی عادت و صلاحیت ترقی نہیں کر پائے گی۔ کتاب کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں پروفیسر ڈاکٹر ریاض احمد اور دیگر مہمانانِ گرامی انعام یافتہ نونہالوں کے ساتھ۔

انسان میں تخلیقی صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں۔ ریسرچ میں کتاب کی اہمیت مسلم ہے۔

اس موقعے پر ایک خاکہ پیش کیا گیا، جس میں کتاب کی اہمیت و افادیت کو اُجاگر کیا گیا۔ ایک رنگا رنگ ٹیبلو بھی پیش کیا گیا۔ آخر میں دعاے سعید پیش کی گئی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور .... رپورٹ : سید علی بخاری

یہ خوب صورت بات ہر چھوٹے بڑے کے کان میں آخر پہنچتی ہے کہ اچھی کتاب انسان کی بہترین دوست ہوتی ہے۔ محسوس کیا جا رہا ہے کہ ہماری موجودہ نسل کتاب سے دور اور انٹرنیٹ کے قریب ہوگئی ہے اور انٹرنیٹ کا بُرا استعمال بھی پریشان کن حد تک بڑھ گیا ہے، جو مستقبل کے معماروں کو راہِ راست سے ہٹاتا جا رہا ہے۔ نونہالانِ وطن کے لیے میرا دوستانہ اور ہمدردانہ مشورہ ہے کہ وہ انٹرنیٹ کو صرف ضرورت کے لیے استعمال کریں اور اچھی اچھی کتابوں میں زیادہ وقت صرف کرنے کی عادت اپنالیں۔ ان خیالات کا اظہار ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان محترمہ سعدیہ راشد نے ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور کے اجلاس میں اپنے پیغام میں کیا۔ اجلاس کی صدارت ڈائریکٹر جنرل اردو سائنس بورڈ محترم ناصر عباس نیّر نے کی۔ کمشنر لاہور محترم میر احمد سعید بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں محترم پروفیسر حنیف شاہد، محترم ناصر عباس نیرّ
اور محترم سید علی بخاری انعام یافتہ نونہالوں کے ساتھ۔

اسپیکر اسمبلی نوریا بابر تھیں۔ نونہال مقررین میں علوینہ علی خان، عیشہ شہزاد، رومیسہ احمد، حافظہ ہادیہ خالد، علی حمزہ، شایان مکرم، محمد حسن طاہر، ماہیرہ شہزاد اور دعا منصور شامل تھیں۔

محترم سمیر احمد سید نے کہا کہ نونہالوں کو انٹرنیٹ سے دور رکھا جائے اور کتاب سے دوست کروائی جائے۔ انھوں نے کہا کہ ہم اپنے بچپن میں ہمدرد نونہال بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ جس سے ہمیں رہنمائی ملتی رہی۔

محترم ناصر عباس نیرّ نے کہا کہ علم حاصل کرنا ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جاننے کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن بچوں کی کردار سازی کے لیے بہت اہم قومی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ اجلاس میں مختلف اسکولوں کے نونہالوں نے نظم اور ٹیبلو پیش کیا۔ آخر میں حسب روایت دعاے سعید پڑھی گئی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی .... رپورٹ : محمد عمران اصغر

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی کی تقریب میں تلاوتِ قرآن مجید، عبدالباسط نے اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com
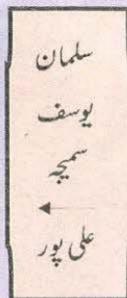
ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی میں محترمہ سعدیہ راشد، محترم عبدالواحد خان انعام یافتہ نونہالوں کے ساتھ۔

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، ارحمہ مرزا نے پیش کی۔ اسپیکر اسمبلی مریم اکبر تھیں۔
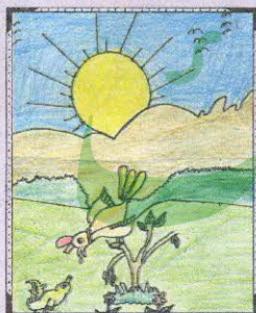
''کتاب سے دوری اور انٹرنیٹ سے قربت'' کے موضوع پر صدر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان محترمہ سعدیہ راشد نے فرمایا کہ کتاب مخلص اور وفادار ساتھی ہے، قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہے اور نتیجتاً ہمیں دنیا کے نشیب وفراز سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ بچوں میں کتب کے مطالعے کا ذوق وشوق پیدا کرنے میں والدین اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو اچھی اور مفید کتابیں لاکر دیں۔ فارغ وقت میں ٹیلے ویژن دیکھنے اور موبائل فون استعمال کرنے کے بجائے کسی کتاب یا رسالے کی ورق گردانی کر کے بچے کو اس طرف مائل کر سکتے ہیں۔ اسمبلی میں قائدِ حزبِ اختلاف ساجد علی اور قائدِ اعوان حمنہ شکیل تھیں۔ نونہال مقررین میں واصف حبیب، محمد عبداللہ، حیا سعید، ثانیہ نظام الدین، مقدس افضل کیانی اور مہیرہ اشرف شامل تھیں۔

مہمانِ خصوصی جناب عبدالواحد خان نے کہا کہ کتاب سے دور رہنے میں کتابوں کا نہیں، بلکہ کتاب سے دور رہنے والوں کا قصور ہے، قصور انٹرنیٹ کا نہیں، بلکہ اس کا غلط استعمال کرنے والوں کا ہے۔

اس موقع پر نونہالوں نے موضوع کی مناسبت سے روح پرور ٹیبلو پیش کیے۔ آخر میں ہمدرد پبلک اسکول کے نونہالوں نے دعائے سعید پیش کی۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com
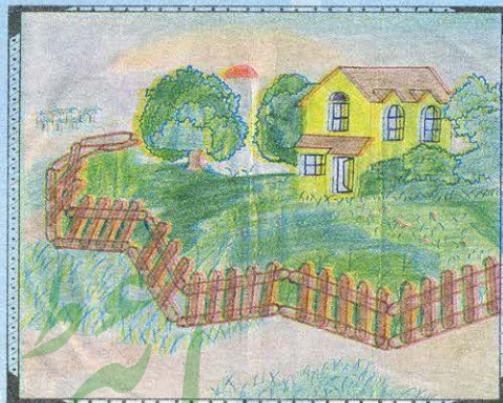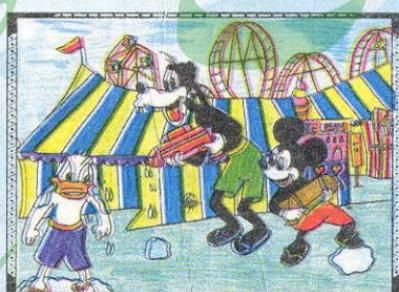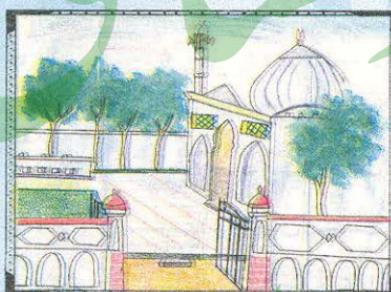
انگلستان

محمد انس شفیق

صدر مقام : لندن

زبان : انگریزی

سکہ : پونڈ اسٹرلنگ

مشہور جگہیں: ٹاور آف لندن، بگ بین، پارلیمنٹ ہاؤس، بکنگھم پیلس۔

انگلستان یورپ کا ایک اہم ملک ہے۔ یہاں پر جمہوری نظام حکومت ہے۔ انگلستان سے انگریزوں نے دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی ہے۔ ایک مقولہ مشہور تھا کہ انگریزی بادشاہت میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا، لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ انگلستان اپنی موجودہ سرحدوں تک سمٹ چکا ہے۔ انگریزی زبان دنیا میں کثرت سے بولی جاتی ہے۔ انگلستان میں اوکسفرڈ (OXFORD) اور کیمبرج (CAMBRIDGE) بہت قدیم اور مشہور درس گاہیں ہیں، جہاں پوری دنیا کے نوجوان تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔

انگلستان میں بڑے بڑے شعرا و ادیب اور ڈراما نگار پیدا ہوئے۔ مثلاً شیلے، جارج برنارڈ شا، چارلس ڈکنز اور شیکسپیئر وغیرہ۔ یہاں کی آب و ہوا سرد ہے۔ یہاں کے چینی کے برتن بھی شہرت کے حامل ہیں۔

انگلستان کے مشہور شہر لندن، لیور پول، برمنگھم اور مانچسٹر ہیں۔ لندن دریائے ٹیمز پر واقع ہے۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ایک درویش انسان
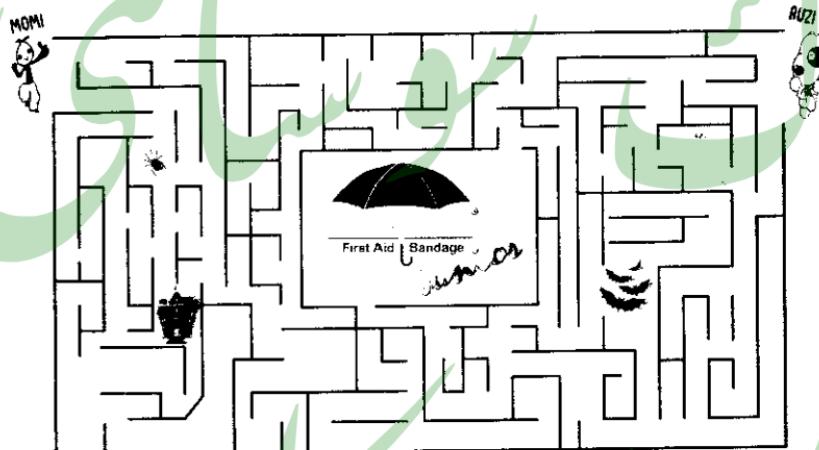
حبیب اشرف صبوحی

حکیم محمد سعید بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ ایک عظیم طبیب، سیاح، ماہرِ تعلیم، مفکر، منتظم اعلا، سچے پاکستانی اور درویشی صفات کے مالک تھے۔ ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ ایسی ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔

میرے والد محترم (اشرف صبوحی) ہمدرد لاہور کے پہلے افسر تعلقاتِ عامہ شام ہمدرد کے منتظم اعلا تھے۔ ۱۹۶۲ء میں ڈاک خانہ کی سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد حکیم سعید صاحب کے اصرار پر ہمدرد سے منسلک ہو گئے۔ روح افزا فیکٹری گارڈن ٹاؤن

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

HEEEEELLLLPPPPPPPPPP!!!!

The sun is about to set and Momi & Auzi have lost their way to the House of Saniplast Junior. Come on friends, help them before it gets dark.

MOMI

AUZI

First Aid Bandage

Junior

Auzi

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کے منیجر کے طور پر تعیناتی ہوئی۔ یکم جنوری ۱۹۶۴ء میں جب حکیم صاحب نے ہمدرد فاؤنڈیشن قائم کیا۔ جس کا مقصد علمی، ادبی، اخلاقی سرگرمیوں کا فروغ تھا تو والد صاحب کی خدمات ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے حوالے ہوگئیں۔ کچھ دفتری غلط فہمیوں کی بنا پر والد صاحب کو چار سال تک سالانہ ترقی نہ مل سکی۔ چار سال بعد حکیم صاحب کو معلوم ہوا کہ والد صاحب کو چار سال ترقی نہیں ملی ہے۔ انھوں نے والد صاحب سے پوچھا: ''صبوحی صاحب! چار سال تک آپ کو ترقی نہیں ملی۔ آپ نے اس کا ذکر مجھ سے نہیں کیا اور نہ آپ کی کارکردگی میں فرق آیا۔ کیا آپ کو پیسوں کی ضرورت نہیں تھی؟''

''حکیم صاحب! میرے آپ سے دیرینہ تعلقات ہیں۔'' والد صاحب نے کہا: ''میری نظر کبھی آپ کی جیب پر نہیں رہی، بلکہ آپ کے عظیم کارناموں اور فلاحی منصوبوں پر رہی ہے۔ اگر مجھے تنخواہ نہ بھی ملتی تو میں اس کا بھی ذکر نہ کرتا۔''

حکیم صاحب نے اس بات کو بہت سراہا اور اس بات کو اپنے ذہن میں رکھا۔ چند سالوں کے بعد والد صاحب کی بینائی ختم ہوگئی تو انھوں نے اپنا استعفا لکھ کر حکیم صاحب کو بھیج دیا کہ میں آپ کی خدمت کے قابل نہیں رہا۔ اب میں گھر میں آرام کروں گا۔

حکیم صاحب نے جواب دیا کہ آپ کا استعفا نامنظور ہے۔ ہم آپ کو ایک معاون دے دیتے ہیں وہ آپ کی رہنمائی کرے گا۔ جو معاون دیا ان کا نام سردار صدیقی تھا۔ یہی صاحب اپنی محنت اور صلاحیتوں سے کئی سال تک ریجنل منیجر کے طور پر کام کرتے رہے۔ اب سردار صاحب وفات پا چکے ہیں۔

کچھ سالوں کے بعد میرے والد صاحب کی قوت سماعت بھی جواب دے گئی اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

میری والدہ صاحبہ جو کراچی میں تھیں، فالج کا شکار ہوگئیں اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ ان حالات میں والد صاحب کا لاہور میں رہنا ناگزیر تھا۔ ایک روز ''شامِ ہمدرد'' کے فنکشن کے بعد والد صاحب نے حکیم صاحب سے کہا کہ پہلے میری بینائی ختم ہوگئی تھی۔ اس کے بعد قوتِ سماعت بھی جواب دے گئی اور میری اہلیہ کراچی میں شدید علیل ہیں۔ ان حالات میں ''ہمدرد'' کی خدمات سرانجام نہیں دے سکتا اور یہ کہتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کہا کہ یہ میرا استعفا ہے۔ اس پر حکیم صاحب نے بڑے زور سے ہونہہ کہا اور بولے: ''صبوحی صاحب! آپ کی بینائی تو گئی تھی، اس کے ساتھ آپ کی عقل بھی گئی ہے۔ اپنا استعفا جیب میں رکھیں۔ استعفا نامنظور ہے، آپ کی اتنی خدمات ہیں کہ ہم استعفا منظور نہیں کر سکتے۔''

اس کے بعد والد صاحب کراچی چلے گئے۔ اس واقعے کے پانچ سال تک بقیدِ حیات رہے۔ اس تمام عرصے میں والد صاحب کو باقاعدگی سے ہر ماہ تنخواہ، سالانہ بونس اور سالانہ ترقی ملتی رہی، جیسے عام حالات میں ملتی تھی۔ وقتاً فوقتاً حکیم صاحب والد صاحب سے ملنے آتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی صاحب زادی (سعدیہ راشد صاحبہ) اپنے بچوں کو ساتھ لے کر والد صاحب سے ملنے آتیں۔ بچوں کو بتاتیں کہ یہ ہمارے بزرگ ہیں۔ ان کی کیا کیا خدمات ہیں۔ بچوں کے سروں پر ہاتھ پھرواتیں اور ان کے لیے دعائیں کرواتیں۔ یہ وضع داریاں، یہ پُرخلوص لوگ اب کہاں ملیں گے؟

حکیم صاحب جب ایئرپورٹ پر پہنچتے اور جب واپس کراچی جاتے تھے تو ان کو لینے اور چھوڑنے کے لیے اس وقت کے زونل منیجر کریم خان صاحب اور میرے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

والد صاحب جاتے تھے۔ ایک روز حسب معمول حکیم صاحب کو چھوڑنے کے لیے یہ دونوں حضرات ایئر پورٹ پہنچے۔ حکیم صاحب کو جہاز میں بٹھا دیا اور یہ لوگ واپس آ گئے۔ جہاز نے ایک اُڑان ہوا میں لی۔ اس کے بعد جہاز کے کیپٹن نے یہ اعلان کیا کہ جہاز میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے، جب تک جہاز کی خرابی دور نہیں ہو جاتی یا دوسرے جہاز کا انتظام نہیں ہو جاتا، آپ لوگ لاؤنج میں تشریف رکھیں۔ حکیم صاحب بھی لاؤنج میں آ گئے اور اپنا بیگ کھول کر لکھنے پڑھنے کا کام شروع کر دیا۔ حکیم صاحب ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔ اتنے میں افطار کا وقت آ گیا۔ حکیم صاحب اپنی جیب میں کبھی پرس بھی نہیں رکھتے تھے اور جب پرس نہیں تو پیسے بھی نہیں ہوتے تھے۔ حکیم صاحب نے جیب سے ٹافی نکالی۔ اس سے روزہ کھولا اور اس کے بعد پانی پی لیا۔ صبر، شکر اور استقامت کے ساتھ بیٹھے رہے۔ جب جہاز کی فنی خرابی دور ہوگئی تو اس میں سوار ہو کر کراچی گئے اور وہاں جا کر روزہ کھولا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دین اور دنیا کی نعمتوں سے نوازا ہوا تھا، لیکن طبیعت میں انتہائی درجے کی عاجزی، انکساری اور درویشی تھی۔

ان کی درویشی کا یہ حال تھا کہ جب وہ سندھ کے گورنر بنے تو ایک پیسہ تنخواہ کا نہ لیتے تھے۔ گورنر کے عہدے کی حیثیت سے کوئی پروٹوکول نہیں لیتے تھے۔ گورنر ہونے کے باوجود اپنے مریضوں کو وقت دیتے تھے۔ سرکاری کام سے جب بھی لاہور، اسلام آباد اور پشاور وغیرہ جاتے تھے تو کبھی گورنر ہاؤس میں نہیں ٹھیرے۔ ہمیشہ اپنی مقررہ جگہ پر ٹھیرتے تھے۔

ان کے سیکرٹری نے بتایا کہ جب وہ گورنر تھے تو وہ سرکاری فائلیں دستخط کے لیے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بھیجتے تھے۔ وہ سب فائلوں پر دستخط کر دیتے تھے سوائے ایک فائل کے، جوان کی ذات کے متعلق تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ آپ گورنر سندھ ہیں اور یہ آپ کا استحقاق ہے کہ آپ ایک مرسڈیز گاڑی بغیر کسی ایکسائز ڈیوٹی کے سرکاری خرچ پر منگوا سکتے ہیں، لیکن وہ کہتے ہیں کہ میں قوم کا پیسہ ضائع نہیں کرنا چاہتا اور نہ مجھے اعلا گاڑی کی ضرورت ہے۔

وہ سچے پاکستانی تھے۔ پاکستان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اسلامی طور طریقوں سے محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہمیشہ اچکن اور پاجامہ پہن کر ایک خاص تشخص قائم کیا۔ اپنے ادارے میں حکم دیا کہ دفتری خط و کتابت اردو میں ہو، جو آج تک قائم ہے، کیوں کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔

پاکستان ۱۴- اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا تھا، لیکن رمضان شریف کی ستائیسویں شب تھی۔ ان کا اس بات پر زور تھا کہ ستائیسویں روزے کو چھٹی ہونی چاہیے، لیکن جب اس پر عمل نہیں ہوا تو انھوں نے اپنے ادارے میں ستائیسویں رمضان المبارک کی چھٹی کا اعلان کر دیا۔ ہر سال ہمدرد کے ادارے میں ستائیسویں رمضان المبارک کی چھٹی ہوتی ہے۔

عید اور بقر عید کو اپنے ملازمین کو عیدی کا سلسلہ شروع کیا، جو تا حال عمل میں ہے۔

موجودہ حکمرانوں کے لیے حکیم صاحب کی ذات ایک روشن مثال اور مشعلِ راہ ہے۔

کہاں گئے وہ عظیم لوگ جن کی وضع داریاں، درویشی اور عظیم کارنامے بھولے سے نہیں بھلائے جاتے۔ ان عظیم ہستیوں نے بادشاہی میں فقیری کی اور رہتی دنیا تک اپنا نام چھوڑ گئے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

تجسس سے بھرپور اس ناولٹ کا انجام آپ کو چونکا دے گا۔

انکشاف

م۔ص۔ایمن

رحمان پرائمری اسکول میں آج پ۔ٹی تھی۔ تمام جماعتوں کے بچے اور اساتذہ موجود تھے۔ بعض بچے اپنے ساتھ چھوٹے بہن بھائیوں کو بھی لے آئے تھے۔ تیسری کلاس کی ٹیچر، دردانہ مس نظر نہیں آرہی تھیں۔ ان کی کلاس کے بچوں کی شدید خواہش تھی کہ وہ اپنی کلاس ٹیچر کے ساتھ تصویر کھنچوائیں۔ پورے اسکول میں یہی ایک ٹیچر دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

تقریباً تمام بچے ان کی کمی شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ جو بچے کبھی ان سے پڑھ چکے تھے، وہ تو بطورِ خاص اور جو کبھی ان کے طالب علم نہیں بھی رہے، ان کی نگاہیں بھی انھیں تلاش کر رہی تھیں۔

ایک بچے سے نہ رہا گیا، اس نے ایک ٹیچر سے پوچھ ہی لیا: ''مس! وہ مس دردانہ نظر نہیں آرہیں؟''

''ہاں! وہ نہیں آئیں گی۔'' ٹیچر نے جواب دیا۔

''وہ کیوں مس؟'' بچے نے چونک کر پوچھا۔ اب تک تو اُمید تھی کہ شاید دیر سے ہی سہی وہ آتو جائیں گی، لیکن ٹیچر کے جواب سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بالکل ہی نہیں آئیں گی۔

ٹیچر نے جواب دیا: ''تم نہیں سمجھو گے، رہنے دو۔ بس اتنا جان لو کہ وہ نہیں آئیں گی۔''

''پھر بھی، وہ کیوں نہیں آئیں گی؟ کیا انھیں دعوت نہیں دی گئی؟'' بچے نے دوبارہ پوچھا۔

''دعوت تو سب کو دی گئی ہے۔ دراصل وہ......'' ٹیچر کچھ کہتے کہتے رک گئیں اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

چند لمحے بچے کو بغور دیکھنے کے بعد جملہ پورا کیا: ''تمھارے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔ تمھیں کیا پڑی ہے، اگر ایک مس دردانہ نہیں ہیں تو کیا ہوا، باقی تو سب ہیں۔''

''مس! ہماری خواہش تھی کہ مس دردانہ کے ساتھ ہماری ایک یادگار تصویر بن جاتی۔ آج کتنا اچھا موقع تھا۔'' بچہ پُر اشتیاق لہجے میں بولا۔

''ہاں! یہ تو تم نے صحیح کہا، لیکن انھوں نے خود ہی منع کر دیا تھا کہ وہ اس پارٹی میں نہیں آئیں گی۔'' ٹیچر نے کہا۔

''وجہ؟'' بچے نے اصرار کیا۔

''وجہ کچھ نہیں ہے بیٹا! اب تمھیں کیسے بتاؤں؟ کہہ دیا نا، تمھارے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔''

''آپ وجہ بتا دیں۔ مجھ میں سمجھ ہوئی تو سمجھ لوں گا، آپ سے تفصیل نہیں پوچھوں گا۔'' بچے نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ ٹیچر نے مسکراتے ہوئے اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی اور بولیں: ''یہ پارٹی مفت میں نہیں ہوتی، اس پر پیسے لگتے ہیں۔ سب نے اپنی اپنی تنخواہوں میں سے ایک ایک سو روپے دیے ہیں۔ تب یہ پارٹی ہو رہی ہے۔ مس دردانہ کے پاس سو روپے فالتو نہیں تھے، انھوں نے نہیں دیے، پھر وہ کیسے آسکتی ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟'' ٹیچر نے وجہ بتا کر پوچھا۔

''جی مس!'' بچے کو افسوس ہوا۔ اس نے سوچا کہ مجھے وجہ معلوم کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مس دردانہ نے صرف اس وجہ سے اس پارٹی میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کے پاس سو روپے نہیں تھے۔

یہ اسکول کی سالانہ پارٹی تھی۔ پانچویں جماعت میں کام یاب ہونے والے بچوں کی الوداعی پارٹی۔ اس پارٹی کے لیے ہر بچے سے دس دس روپے منگوائے جاتے تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

تمام ٹیچرز اور دوسرا اسٹاف جو اس پارٹی میں شرکت کرنا چاہتا ہو، وہ سو روپے دے کر اس پارٹی میں شرکت کرسکتا تھا۔ بچے اس تقریب کی خصوصی تیاری کرتے اور بے چینی سے اس دن کا انتظار کیا کرتے تھے۔

تقریب کے اختتام پر سب کا گروپ فوٹو بنتا تھا، جس کی بہت ساری نقول تیار کی جاتیں اور، ایک ایک کاپی تمام بچوں کو دی جاتی تھی، تاکہ بچے بڑے ہو جائیں تو بھی اسکول کے ان ساتھیوں کی اور اپنی ٹیچرز کی تصویریں دیکھ کر انھیں یاد رکھ سکیں۔

اسکول ٹیچر اپنے گھر میں خواہ آپی یا آنٹی ہی کیوں نہ کہلاتی ہو، اسکول میں وہ ''مس'' ہی کہلاتی ہے۔

مس دردانہ بھی ادھیڑ عمر کی سنجیدہ خاتون تھیں۔ اس اسکول میں ملازمت اختیار کیے انھیں زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ وہ اسکول سے تین ہزار روپے مہینا تنخواہ پاتی تھیں۔

بیماری کے سبب وہ ایک دن اسکول نہ آسکیں تو میڈم نے ان کی تنخواہ میں سے بطور جرمانہ سو روپے کاٹ لیے، جس پر مس دردانہ نے کہا بھی کہ وہ بیمار تھیں، بیماری کی اطلاع بھی بھجوادی تھی، لیکن میڈم نے کوئی بھی بات سننے سے انکار کر دیا تھا۔

اس واقعے کے بعد مس دردانہ افسردہ سی رہنے لگی تھیں۔ میڈم یا کسی دوسری ٹیچر سے غیر ضروری بات چیت ترک کر دی تھی۔ یہ بات صرف ٹیچرز کو ہی معلوم تھی کہ مس دردانہ کی تنخواہ میں سے سو روپے کاٹ لیے گئے ہیں۔ بچوں تک یہ بات نہیں پہنچی تھی۔ اسی لیے جب اس اجتماعی الوداعی پارٹی میں انھوں نے سو روپے دینے سے انکار کیا اور یہ کہا تھا کہ میرے پاس سو روپے فالتو نہیں ہیں تو دوسری ٹیچرز کو یہ بات بہت بُری لگی تھی کہ ہم بھی تو اپنی تنخواہوں میں سے سو روپے دے رہے ہیں۔

اس لیے کسی نے بھی مس دردانہ سے نہیں کہا کہ اگر وہ سو روپے نہیں دے سکتیں تو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کوئی بات نہیں، وہ پارٹی میں شرکت ضرور کریں۔

اول تو مس دردانہ کو اس اسکول میں ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ان کی دوست زیادہ ہوتیں، دوسرے وہ کسی ٹیچر سے غیر ضروری بات چیت بھی نہیں کیا کرتی تھیں، بس اپنے کام سے کام رکھتیں۔ وہ اسکول آتیں، حاضری رجسٹر میں اپنے دستخط کر کے اپنی کلاس میں چلی جاتیں اور ہاف ٹائم میں بھی اپنی کلاس کے بچوں کی کاپیاں چیک کرتیں، جب کہ دیگر اسٹاف ٹیچرز اپنی کلاس میں کم ہی نظر آتیں۔ ہاف ٹائم ختم ہو جاتا، تب بھی دفتر سے باہر نکلنے میں انھیں مزید وقت درکار ہوتا۔

امتحان ختم ہوئے۔ نتیجہ آنے میں ابھی چند دن باقی تھے، کہ مس دردانہ کو اسکول سے نکال دیا گیا۔ بچوں کو رزلٹ کی تاریخ بتا کر چھٹی دے دی گئی تھی کہ فلاں تاریخ کو آ کر نتیجہ لے جائیں۔ بچوں کی تو چھٹی ہو جاتی ہے، لیکن اس دوران ٹیچرز کو اسکول آنا پڑتا ہے، کیوں کہ انھیں بچوں کا نتیجہ، تیار کرنا ہوتا ہے۔

طریقۂ کار یہ تھا کہ گرمیوں کی سالانہ تعطیلات سے کچھ پہلے ہی نئی کلاسیں شروع ہو جاتیں، تا کہ چھٹیوں سے پہلے بستہ کھل جائے۔ بچوں کو نئی کتابیں، کچھ پڑھا کر انھیں دو ماہ کا ہوم ورک لکھوا دیا جاتا، تا کہ بچوں کا وقت ضائع نہ ہو اور وہ چھٹیوں میں بھی اپنا سبق پڑھتے اور لکھتے رہیں۔

نئی کلاسیں شروع ہوئے ہفتہ ہو چلا تھا اور مس دردانہ اسکول نہیں آ رہی تھیں۔ بچے دیگر ٹیچرز سے پوچھتے رہے، لیکن انھیں تشفی بخش جواب نہ ملا۔

آخر بچوں کو پتا چل ہی گیا کہ میڈم نے ان کی چھوٹی سی بات پر ناراض ہو کر انھیں اسکول سے نکال دیا ہے۔

بچوں نے جھولی پھیلا کر میڈم کو خوب بددعائیں دیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

میڈم کے لیے بچوں نے بد دعا کی اور وہ بد دعا قبول ہوگئی۔ تحقیقات ہوئیں، پتا چلا کہ میڈم کی اصل تعلیم کم تھی۔ انھوں نے جعلی ڈگری بنوا رکھی تھی۔ ان کی ڈگری جعلی ثابت ہوگئی تو انھیں نوکری سے نکال دیا گیا۔ بچے اس بات سے بہت خوش ہوئے تھے۔

ان کی جگہ نئی میڈم آ گئی تھیں۔

نئی میڈم کو آئے ہوئے تین چار دن ہی ہوئے تھے کہ ایک دن تیسری کلاس کے تمام بچے جلوس کی شکل میں میڈم کے کمرے میں آ گئے۔ میڈم اس وقت پرانی فائلیں کھولے بیٹھی تھیں۔

بچے ایک قطار میں آتے گئے اور دفتر بھرتا گیا۔ اتنے سارے بچوں کو اچانک اپنے سامنے پا کر میڈم بھی حیران ہو کر کرسی سے کھڑی ہوگئیں۔

''کیا بات ہے؟ آپ سب یہاں کیوں آ گئے؟ آپ کو کس نے بھیجا ہے؟'' انھوں نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

''میڈم! ہمیں کسی نے نہیں بھیجا، ہم خود آئے ہیں۔'' ایک بچے نے کہا۔

''لیکن کیوں؟ کیا کام ہے، آپ کو اور آپ کی کلاس ٹیچر کون ہیں اور وہ اس وقت کہاں ہیں؟''

''پتا نہیں وہ کہاں ہیں۔ اگر کلاس میں ہوتیں تو ہمیں یہاں نہ آنے دیتیں۔'' ایک دوسرا بچہ بولا۔

میڈم نے اس بچے کی بات میں وزن محسوس کیا۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے دوستانہ انداز میں بولیں: ''بتاؤ، مسئلہ کیا ہے؟ اپنی ٹیچر کی شکایت لائے ہو؟''

''نہیں میڈم!'' وہی بچہ بولا: ''ہمیں کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ہم آپ کے پاس ایک درخواست لائے ہیں۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''بولو...... بولو!''

''میڈم! ہماری مس ہمیں دلوا دیں۔'' بچہ کہتے کہتے روہانسا ہو گیا۔ اس کی پلکیں نم ہو گئیں۔

''کہاں ہیں تمھاری مس!'' میڈم نے بچے سے پوچھا۔

بچہ خاموش ہو گیا۔ وہ اپنے بازو سے آنکھیں صاف کرنے لگا۔ اس سے کوئی بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ دوسرا بچہ بولا: ''میڈم! ہم مس دردانہ کی بات کر رہے ہیں۔''

''مس دردانہ؟'' میڈم حیران ہو کر بولیں: ''یہ کون سی کلاس کی ٹیچر ہیں؟''

میڈم سے تمام اسٹاف کا تعارف ہو گیا تھا۔ وہ سب سے ملی تھیں، لیکن اس نام کی کسی ٹیچر سے نہیں ملی تھیں۔ یہ نام بھی، ان کے لیے نامانوس ہی تھا۔

کسی نے ان بچوں کی کلاس ٹیچر کو بتا دیا کہ وہ اپنی کلاس میں نہیں تھیں تو ان کی کلاس کے سارے بچے میڈم سے ان کی شکایت لگانے گئے ہیں۔

وہ فوراً دفتر پہنچیں، بچوں کے جواب دینے سے پہلے ہی جواب دے دیا: ''مس دردانہ کو پہلے والی میڈم نے نوکری سے نکال دیا ہے۔''

''کیوں؟ کیا ہو گیا تھا؟'' میڈم نے پوچھا۔

''بتاتی ہوں آپ کو۔'' کلاس ٹیچر بولیں اور بچوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا: ''آپ لوگ اپنی کلاس میں جائیں، میں آتی ہوں۔''

''انھیں کھڑا رہنے دیں!'' میڈم نے حکم دیا: ''پہلے مجھے پوری بات بتائیں اور ان کے سامنے ہی بتائیں!''

''میڈم! میں بتاتی ہوں، انھیں کلاس میں جانے کا کہیں۔''

''میں نے کہا ہے نا، ان کے سامنے بتاؤ۔'' میڈم نے ٹیچر کو ڈانٹ دیا: ''کوئی وجہ ہے کہ یہ سارے بچے مل کر میرے پاس آئے ہیں۔ ان کی بات میں پہلے سنوں گی۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

میڈم کی جانب سے ایسا جواب پا کر سارے بچوں کے چہرے کھل اُٹھے۔ ان سب نے مسکرا کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ ان کی خوشی میڈم نے بھی نوٹ کی۔

کلاس ٹیچر سے کوئی بات نہ بن سکی، انھوں نے بچوں کی جانب دیکھا۔

میڈم کے سوال دہرانے پر وہ بولیں: ''میڈم! مس دردانہ نے ہم سب کی بے عزتی کی تھی۔ میڈم کے حکم کی خلاف ورزی کرتی تھیں، اس لیے انھیں میڈم نے نوکری سے نکال دیا۔''

''اب تم باہر جاؤ! میں بچوں سے کچھ پوچھتی ہوں۔''

ٹیچر کو اس پر بھی اپنی بے عزتی محسوس ہوئی تھی کہ انھیں بچوں کے سامنے دفتر سے نکلنے کا کیوں کہا۔

''تمھاری کلاس کا مانیٹر کون ہے؟'' میڈم نے پوچھا۔

تقریباً سب نے ہی ایک بچے کی جانب دیکھا۔ میڈم سمجھ گئیں کہ یہی ہے۔ انھوں نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ مانیٹر قریب آیا تو میڈم نے پوچھا: ''تمھارا نام کیا ہے؟''

''ناصر...... ناصر حسن۔''

''ناصر بیٹا! مجھے بتاؤ کہ ایک کلاس ٹیچر کو نوکری سے نکال دیا گیا ہے تو اسے میں کیونکر واپس لا سکتی ہوں؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''آپ لا سکتی ہیں، اسی لیے تو آپ سے کہہ رہے ہیں۔'' ناصر بولا۔

''ناصر! آپ تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے آپ کی ٹیچر نہ ہو کوئی لولی پاپ ہو، جو میں آپ کی فرمایش پر آپ کو دلا دوں گی۔'' ان کی مسکراہٹ بدستور موجود تھی۔

''ایک میڈم اگر کسی کو نوکری سے نکال سکتی ہیں تو دوسری میڈم کسی کو نوکری دے بھی تو سکتی ہیں نا!'' بچے نے میڈم کے اختیارات بتائے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

میڈم سوچ میں پڑ گئیں: ''اچھا! تم بتاؤ مس دردانہ کو اسکول سے کیوں نکالا گیا ہے؟ تمھاری کلاس ٹیچر نے جو بات کی ہے، کیا وہ غلط ہے؟''

''ہمیں نہیں پتا کہ انھیں کیوں نکالا گیا ہے لیکن ہم سب کو مس دردانہ چاہییں۔''

ناصر بولا: ''اگر آپ انھیں دوبارہ نوکری پر رکھنے کا وعدہ کریں تو میں اسکول آؤں گا، ورنہ کل سے میں اسکول نہیں آؤں گا۔''

میڈم کی حیرانی ختم نہیں ہوئی تھی کہ سب سے آخر میں کھڑا ہوا بچہ بولا: ''میں بھی نہیں آؤں گا۔''

''میں بھی نہیں آؤں گا۔''

''میں بھی نہیں آؤں گا۔''

سب بچے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر باری باری بولتے رہے۔ میڈم نے انھیں چپ کرانے کے لیے ہاتھ اُٹھایا اور ہاتھ ہلا ہلا کر انھیں خاموش ہونے کا کہتی رہیں، لیکن جب تک سب بچوں نے اپنی اپنی دھمکی سنا نہیں دی، دفتر میں خاموشی نہ ہو سکی۔

میڈم پریشان ہو کر انھیں دیکھتی رہیں۔ جب سب کہہ چکے تو انھوں نے ناصر سے پوچھا: ''آپ کو مس دردانہ سے اتنی ہی محبت ہے کہ میں انھیں نوکری پر لگوانے کا وعدہ نہ کروں تو آپ سب کل سے اسکول نہیں آئیں گے؟''

''جی میڈم!'' سب بچے یک زبان بولے۔

''دیکھو! میں تمھارے مانیٹر سے بات کر رہی ہوں، دوسرا کوئی نہیں بولے گا۔ ٹھیک؟'' میڈم نے سب کی جانب باری باری دیکھا۔

بچے چپ ہو گئے۔

میڈم کو اپنے سوال کا جواب مل ہی گیا تھا، بولیں: ''دیکھو ناصر! میں یہاں نئی نئی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

آئی ہوں۔ مجھے نہیں پتا کہ مس دردانہ کون ہیں، لیکن آپ لوگوں کی بات سے پتا چلتا ہے، وہ جو کوئی بھی ہیں، آپ ان سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ ایسا ہے تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ انھیں میں خود ان کے گھر سے لے کر آؤں گی۔''

''ہُرا......'' بچوں نے خوش ہو کر تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ میڈم انھیں منع کرتی رہ گئیں، لیکن وہ وہیں دفتر میں ہی ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے گئے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے رہے۔

میڈم اب تو بہت ہی پریشان ہوئیں۔ انھوں نے تو انھیں ٹالنے کی نیت سے یہ بات کی تھی، لیکن ان کے رویئے سے پتا چلتا تھا کہ اگر مس دردانہ نوکری پر بحال نہ ہو سکیں تو بچے واقعی اسکول سے غیر حاضر ہو جائیں گے۔ انھیں قطعی نہیں معلوم تھا کہ مس دردانہ کا کیس کیا ہے۔ انھیں نوکری سے کیوں نکالا گیا ہے۔

انھوں نے بچوں سے کہا کہ وہ اپنی کلاس میں جائیں۔ یہ کام ایک دو دن میں نہیں ہوگا، میں سارے معاملے کی چھان بین کروں گی۔ اگر مس دردانہ بے قصور ثابت ہوئیں اور ان کی غلطی معاف کرنے کے قابل ہوئی تو میرا پکا وعدہ ہے کہ میں انھیں اپنے اسکول میں ضرور واپس لاؤں گی۔ ہمیں بھی ایسے استادوں کی ضرورت ہے۔ آپ سب بچے بدستور اسکول آتے رہیں اور ہاں! اگر ان کا کوئی ایسا جرم ہوا، جس کی سزا میں انھیں اسکول سے نکالا گیا ہے تو پھر کوئی بھی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مجرم کا ساتھ دینے والا، مجرم کی حمایت کرنے والا بھی مجرم ہی ہوتا ہے، یہ بات آپ کو سمجھ لینا چاہیے۔''

''مس دردانہ مجرم نہیں ہیں۔'' ناصر نے بُرا مناتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ میں چیک کرتی ہوں۔'' میڈم نے کہا: ''آپ سب اپنی کلاس میں جائیں۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بچے ان کی بات مان کر کلاس میں چلے گئے۔

میڈم نے فوری طور پر تمام ٹیچرز کو اپنے دفتر میں طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ مس دردانہ کو اسکول سے کیوں نکالا گیا ہے؟ زیادہ تر نے یہی جواب دیا کہ انھوں نے تمام ٹیچرز کی توہین کی تھی۔ وہ میڈم کی بات بھی نہیں مانتی تھیں، اپنی مرضی کرتی تھیں، وغیرہ وغیرہ۔

میڈم نے کہا: ''ان کی کلاس کے بچوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر کل مس دردانہ اسکول نہ آئیں تو وہ بھی نہیں آئیں گے۔ میں نے بچوں سے وعدہ کیا ہے کچھ دن کا، لیکن میرا خیال ہے کہ میں ابھی اور اسی وقت مس دردانہ کے گھر جاؤں، تاکہ ساری صورت حال واضح ہو سکے۔ کس نے دیکھا ہے مس دردانہ کا گھر؟''

پھر انھوں نے چپراسی کو ساتھ لیا اور مس دردانہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

میڈم تھوڑی ہی دیر میں مس دردانہ کو لے کر اسکول پہنچ گئی تھیں۔ ایک اسکول ٹیچر کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز تھا کہ میڈم خود چل کر ان کے گھر تک آئی تھیں اور انھیں اپنے ساتھ اپنی کار میں اسکول تک لے گئی تھیں۔

میڈم کا دفتر ٹیچرز سے بھرا ہوا تھا۔ مس دردانہ، میڈم کے سامنے ہی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ دیگر ٹیچرز بھی ساری کی ساری ان کے سامنے موجود تھیں، چند بیٹھی ہوئی تھیں اور جنھیں کرسی دستیاب نہیں تھی، وہ دائرے کی صورت کھڑی ہوئی تھیں۔

مس دردانہ کی کلاس کے بچوں کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ان کے مطالبے پر کارروائی شروع ہو چکی ہے اور اس کے نتیجے میں ان کی پیاری ٹیچر مس دردانہ اسکول پہنچ گئی ہیں اور اس وقت میڈم کے دفتر میں بیٹھی ہوئی ہیں۔

میڈم نے پوچھا: ''مس دردانہ! آپ بتائیں، آپ کو اسکول سے کیوں نکالا گیا ہے؟''

''مجھ سے کہا گیا تھا کہ اوپر سے آرڈر آیا ہے کہ ایک ٹیچر کم کر دیں۔ بجٹ فیل

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہو رہا ہے اور میں چوں کہ نئی تھی، اس لیے مجھے نکال دیا گیا۔'' مس دردانہ نے کہا: ''میں نہیں جانتی کہ مجھے کیوں نکالا گیا ہے۔ اوپر کون ہے، جس کے حکم پر یہ سب کچھ ہوا ہے۔''

''آپ کی ساتھی ٹیچرز تو کہہ رہی ہیں کہ آپ نے ان سب کی بے عزتی کی ہے، اس لیے آپ کو نوکری سے نکالا گیا ہے۔''

''بے عزتی......؟ میں نے؟ میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا!'' مس دردانہ حیران ہو کر بولیں اور گردن موڑ کر سب کی طرف باری باری دیکھا۔

میڈم نے دوسری ٹیچر سے پوچھا: ''تم اپنے الفاظ میں بتاؤ، مس دردانہ نے تم سب کی کیسے توہین کی ہے؟ میں کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتی ہوں۔''

میڈم کو آئے ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے، اس لیے ان کے مزاج سے کوئی بھی پوری طرح واقف نہیں ہوا تھا، اس لیے سب ہی چپ تھے۔ میڈم نے اپنے بالکل سامنے والی ٹیچر سے کہا: ''تم بتاؤ؟''

ٹیچر نے جواب دیا: ''میڈم! اس اسکول میں پانچویں جماعت کے بچوں کی آخری کلاس ہوتی ہے۔ ان کا آخری سال ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بچے ہم سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ شروع سے یہ ہوتا آیا ہے کہ نتیجہ نکلنے سے پہلے انھیں ایک الوداعی پارٹی دی جاتی ہے۔ اس پارٹی میں ہم سب لوگ اخراجات کے لیے ایک ایک سو روپے دیتے ہیں، جن بچوں کی آخری کلاس ہوتی ہے، ان سے پیسے نہیں لیے جاتے، کیوں کہ وہ مہمان ہوتے ہیں اور باقی بچوں سے دس دس روپے لے کر آخری سال والے بچوں کی پارٹی کی جاتی ہے۔ اس بار پارٹی کے لیے جب مس دردانہ سے میڈم نے سو روپے مانگے تو مس دردانہ نے کہا کہ میرے پاس سو روپے فالتو نہیں ہیں۔ میڈم کو یہ بات بُری لگی کہ ایک جونیئر مس نے تمام سینئر ٹیچرز کی توہین کی ہے، اس کا مطلب ہے، ہمارے سو روپے فالتو تھے، جو ہم نے دیے ہیں۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''ہوں، مس دردانہ! یہ بات ہوئی تھی؟'' میڈم نے مس دردانہ سے پوچھا۔

''جی میڈم! ہوئی تو تھی، لیکن اس طرح نہیں ہوئی تھی!'' مس دردانہ بولیں۔

''پھر کس طرح ہوئی تھی؟'' میڈم بولیں۔

مس دردانہ نے کہا: ''میں پارٹی کی تاریخ سے پہلے بیمار ہوگئی تھی۔ میں نے چھٹی کی درخواست بھی بھیج دی تھی! لیکن جس ٹیچر کے ہاتھ درخواست بھیجی تھی، وہ میڈم کو دینا بھول گئیں۔ یوں میری غیر حاضری لگادی گئی۔ تنخواہ ملی تو میڈم نے میری تنخواہ میں سے سو روپے کاٹ لیے۔ میں نے اس پر احتجاج کیا اور کہا کہ جب دوسری ٹیچرز ایک ایک ہفتہ نہیں آتیں تو ان کی حاضری کا خانہ خالی رہتا ہے۔ اگلے ہفتے آکر وہ سب پچھلے خانوں میں دستخط کرتی ہیں، تو میری غیر حاضری کیوں لگائی گئی ہے، جب کہ میں نے درخواست بھی بھیج دی تھی، میری رخصت لگانا چاہیے تھی، بس یہ بات میڈم کو بری لگی کہ میں نے ایسا کیوں کہا ہے۔''

''یہ بتاؤ کہ جب سب لوگ پارٹی کے لیے پیسے دے رہے تھے تو تم نے کہا تھا کہ میرے پاس فالتو پیسے نہیں ہیں؟'' میڈم نے پوچھا۔

''وہی بتارہی ہوں، جب مجھ سے پارٹی کے لیے پیسے مانگے گئے تو میں نے کہا تھا کہ آپ نے جو میرے سو روپے کاٹے ہیں، وہ اس پارٹی میں شامل کرلیں۔ میرے پاس اتنے فالتو نہیں ہیں کہ سو روپے پہلے کٹواؤں اور اب ایک سو روپے اور بھی دوں۔ ویسے ہی سب سے کم تنخواہ میری ہی بنتی ہے، کیوں کہ میں سب سے جونیئر تھی۔''

''یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اگر میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا تو میں بھی یہی کہتی۔ اس میں تم سب کی توہین کا پہلو کیسے نکلتا ہے؟'' میڈم نے سب کی جانب باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔

سب خاموش تھیں، چند لمحے خاموشی کے بعد ایک ٹیچر نے لب ہلائے: ''ہمیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

میڈم نے پوری بات نہیں بتائی تھی، صرف یہی بتایا تھا کہ دردانہ نے یہ کہہ کر سب کی توہین کی ہے کہ پارٹی میں دینے کے لیے میرے پاس سو روپے فالتو نہیں ہیں۔"

"اگر میری اس بات سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے تو میں آپ سب سے معافی چاہتی ہوں۔" مس دردانہ اچانک کرسی سے کھڑی ہو گئیں اور سب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔

"نہیں نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ ہمیں تو میڈم نے یہی بتایا تھا، ورنہ آپ نے یہ بات ہمارے سامنے تو نہیں کی تھی۔" ایک ٹیچر نے جلدی سے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر انھیں علاحدہ کرنے کی کوشش کی۔

میڈم نے کہا: "ٹھیک ہے مس دردانہ! میں آج بات کرتی ہوں اس اسکول کی مالکن سے، اس وقت تو ان کا فون بند ہوگا۔ ہمیں جو بات بھی کرنا ہوتی ہے، شام سات بجے کے بعد کرنے کا حکم ہے۔ ان کی طرف سے جو بھی حکم آیا، تمھیں کل بتا دیا جائے گا۔ کل تمھیں خود آنا پڑے گا۔ میں تمھاری بھرپور سفارش کروں گی۔ کوشش کروں گی کہ تم نوکری پر بحال ہو جاؤ۔"

"ٹھیک ہے میڈم! مجھے اجازت ہے؟" مس دردانہ نے پوچھا۔

"نہیں، ابھی نہیں، اپنی کلاس کے بچوں سے مل کر جاؤ!" میڈم نے کہا: "ایک بات بتاؤں! تمھاری کلاس کے سارے کے سارے بچے اکٹھے ہو کر میرے پاس آئے تھے۔ یہ ان کا مطالبہ ہے کہ ان کی مس دردانہ کو واپس لایا جائے۔ آخر کوئی تو وجہ ہے۔ تمھاری کلاس کے تمام بچے یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ اگر مس دردانہ اسکول نہ آئیں تو وہ بھی کل سے اسکول نہیں آئیں گے۔ میں چاہوں گی کہ اسی وقت تمھاری کلاس کے بچوں سے بھی پوچھ لوں کہ وہ کیوں سارے کے سارے تمھاری واپسی چاہتے ہیں؟"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

مس دردانہ خاموش بیٹھی رہیں۔ میڈم نے سب سے کہا: ''آپ سب میرے ساتھ آئیں۔ یہاں تو اتنی جگہ نہیں ہے کہ سارے بچے بھی دفتر میں سما جائیں اور ساری ٹیچرز بھی، اس لیے ہم سب ہی مس دردانہ کی کلاس میں جائیں گے اور بچوں سے سوال کریں گے۔ میرے لیے ان بچوں کی رائے اہم ہے کہ وہ ایک کلاس ٹیچر کے لیے کیسے یکجا ہوئے؟''

پھر وہ مس دردانہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولیں: ''مس دردانہ! آپ یہیں ٹھیریں۔ آپ سب سے آخر میں دفتر سے نکلیں اور اپنی کلاس کے دروازے سے ذرا دور ہو کر کھڑی ہوں، تاکہ آپ کی کلاس کا کوئی بچہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ میں چاہتی ہوں کہ بچوں کو یہ پتا نہ چلے کہ آپ بھی ان کی باتیں سن رہی ہیں۔''

تیسری جماعت میں میڈم اور ساری ٹیچرز پہنچ گئیں۔ میڈم نے مانیٹر ناصر سے کہا: ''ناصر! تمھاری مس دردانہ تو اس اسکول میں واپس نہیں آسکتیں۔ تم بتاؤ! تم کیوں چاہتے ہو کہ وہ واپس آئیں؟ اگر تم کوئی خاص وجہ بتا سکے تو شاید وہ واپس آ جائیں۔''

''میڈم! میں نے کہہ دیا ہے، اگر مس دردانہ کل سے اسکول نہ آئیں تو آج میرا بھی آخری دن ہے۔ میں تو کل سے نہیں آؤں گا۔'' اس کا لہجہ ٹھوس تھا۔ صاف پتا چلتا تھا کہ واقعی نہیں آئے گا۔

ایک دوسرا بچہ بولا: ''میں بھی نہیں آؤں گا۔''

''اچھا اچھا! بس سارے نہ شروع ہو جانا۔'' میڈم نے سوچا کہ کہیں پہلے کی طرح سب ہی باری باری کہنا نہ شروع کر دیں۔

ان کے خاموش کروانے کے باوجود ایک لڑکے نے سب کا، رکارڈ توڑ دیا، اپنا بستہ اُٹھایا، گلے میں ڈالتے ہوئے بولا: ''اگر مس دردانہ اسکول نہیں آسکتیں تو میں ابھی جا رہا ہوں۔'' اس نے میڈم کے رتبے کی ذرا برابر پروا نہیں کی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

میڈم نے جلدی سے اسے روکا۔ وہ باہر نکلتا تو سارا ڈراما خراب ہو جاتا۔ باہر مس دردانہ جو موجود تھیں۔

''بات تو سنو! میں یہی تو کہہ رہی ہوں کہ اسکول کی مالکن سے میں تم سب کے مطالبے کا ذکر کروں گی۔ انھیں بتاؤں گی کہ بچے مس دردانہ کی واپسی چاہتے ہیں۔ کیوں چاہتے ہیں، مجھے اس کا جواب چاہیے۔ مجھے اسکول کی مالکن کو بتانا پڑے گا۔'' پھر بستہ لیے تیار کھڑے بچے کو پچکارتے ہوئے بولیں: ''تم بیٹھو بیٹا! ابھی بات شروع بھی نہیں کی۔''

بچہ بیٹھ گیا تو انھوں نے ناصر سے پوچھا: ''ہاں بھئی ناصر! تم بتاؤ، تم کیوں چاہتے ہو کہ مس دردانہ واپس آئیں۔''

ناصر نے خود کچھ کہنے کی بجائے ایک لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''شوکت! کھڑے ہو جاؤ۔ تم بتاؤ؟''

تمام ٹیچرز نے دیکھا۔ یہ لڑکا شوکت، بہت بدتمیز تھا۔ کسی ٹیچر کی بھی بات نہیں مانتا تھا۔ ہر ایک سے بدتمیزی سے پیش آیا کرتا تھا۔ لڑکے اس کی شکایت لگاتے ہی رہتے تھے اور تقریباً تمام ٹیچرز سے کئی کئی بار پٹ چکا تھا۔

''میڈم! مس دردانہ کا ہمارے ساتھ ایک خاص رشتہ ہے، جو شاید کسی اور ٹیچر سے نہیں ہے۔'' شوکت نے کہنا شروع کیا: ''مانتا ہوں میں اس اسکول کا سب سے بدتمیز طالب علم تھا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ دو دفعہ فیل ہو چکا ہوں۔ تیسری کلاس میں میرا تیسرا سال ہے۔ بدقسمتی سے میں نے ساری ٹیچرز سے مار کھائی ہے، حتیٰ کہ میڈم سے بھی، لیکن مس دردانہ نے مجھے کبھی نہیں مارا۔''

''تم نے ان کے سامنے بدتمیزی ہی نہیں کی ہوگی!'' ایک ٹیچر نے کہا۔

وہ فوراً بولا: ''جب وہ نئی نئی آئی تھیں تو میں ان کے سامنے بھی بدتمیزی سے پیش آیا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

تھا۔انھوں نے بھی مجھ پر چھڑی اُٹھائی تھی۔انھوں نے مجھے یہاں......''

اس نے دائیں ہاتھ کی انگلی ہلاتے ہوئے ایک جگہ کا اشارہ کیا اور بولا: ''جہاں آپ کھڑی ہیں، یہاں بلایا تھا۔مجھ سے کہا کہ میں اپنا ہاتھ باہر نکالوں۔''

میں نے ہتھیلی سامنے کردی۔انھوں نے چھڑی اُٹھائی۔مجھ سے پوچھا: ''کیا نام ہے تمھارا؟''

میں نے بتایا تو بولیں: ''شوکت! یہ سب تمھارے ساتھی ہیں۔تم ان سب کے سامنے مجھ سے پٹو گے تو تمھیں شرم نہیں آئے گی؟''

میں نے کہا تھا: ''شرم کیوں آئے گی؟ یہ سب کوئی فرشتے ہیں۔کیا یہ نہیں پٹتے؟ سب ہی پٹتے ہیں، اپنے استادوں سے۔اگر مجھے آپ نے مارا تو اس میں شرم کیسی؟''

میری بات پر میرے سب ساتھی ہنسنے لگے تھے۔

''میڈم! پتا ہے پھر کیا ہوا؟ مس دردانہ نے چھڑی میز پر رکھ دی اور کہا: ''تمھیں تو شرم نہیں آئے گی، لیکن اتنے بڑے لڑکے کو مارتے ہوئے مجھے شرم آئے گی۔ جاؤ، بیٹھ جاؤ اپنی جگہ پر۔''

اور میڈم! اس دن مجھے واقعی شرم آئی تھی۔میں شرم سے پانی پانی ہوگیا۔اس کے بعد سے میں نے کوئی بدتمیزی نہیں۔اس کے بعد کسی سے مار نہیں کھائی۔ساری توجہ پڑھائی کی طرف لگادی ہے۔''

اپنی بات پوری کر کے شوکت بیٹھ گیا۔

''اکبر! تم بتاؤ!'' ناصر نے ایک اور لڑکے سے کہا۔

''میرا ہوم ورک مکمل نہیں تھا۔'' اکبر نے کہا: ''مس دردانہ نے پوچھا کہ ہوم ورک کیوں نہیں کیا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔مس نے مجھ سے کہا کہ تم نے اپنا سارا وقت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کھیل کود میں گزارا ہوگا۔ گھر پر ہوگے ہی نہیں، اگر گھر پر ہوتے تو ہوم ورک بھی کرتے۔

میں خاموش تھا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، پھر مس نے مجھے کلاس روم کے آخر میں فرش پر بٹھا دیا اور کہا: ''جب تک تمھارا ہوم ورک مکمل نہیں ہو جاتا، میں کسی کو کوئی سبق نہیں پڑھاؤں گی۔ یہ سب بھی تمھاری وجہ سے یونہی بیٹھے رہیں گے۔ تم اپنا ہوم ورک مکمل کرو اور مجھے بتاؤ۔ اس کے بعد آج کا سبق ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا۔ یہ پیریڈ خالی چلا جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ سب بچے برابر برابر پڑھیں۔''

یہ کہہ کر مس دردانہ کرسی پر بیٹھ گئیں۔ میں نے بستے سے اپنی کاپی نکالی اور ایک لڑکے سے کتاب لے کر ہوم ورک کرنے کا ارادہ کیا تو مس نے کہا کہ اپنی کتاب نکالو! میں نے کہا کہ مس! میرے پاس کتاب نہیں ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ کیوں نہیں ہے، کہاں گئی؟ میں نے بتایا کہ کتاب مہنگی تھی، ابا نے خرید کر نہیں دی۔ انھوں نے میرے پاس آ کر مجھے ڈانٹا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا، پھر پیار کرتے ہوئے مجھ سے میرے ابو کے کام کے بارے میں پوچھا۔ میں نے بتایا کہ وہ ایک بنگلے میں مالی کا کام کرتے ہیں تو انھوں نے مجھے اپنی جگہ پر بیٹھنے کا کہا۔ اسی وقت سلیمان انکل (چپراسی) کو بلا کر پیسے دیے۔ وہ کتاب خرید کر لائے تو وہ کتاب انھوں نے مجھے دی۔ اب ہم سب کا ہوم ورک مکمل ہوتا ہے۔''

''خرم! تم بتاؤ!'' ناصر نے ایک تیسرے لڑکے کو اشارہ کیا۔

''میڈم! میں ہمیشہ اسکول دیر سے آتا تھا۔ اسمبلی ختم ہو جاتی، سب بچے اپنی اپنی کلاس میں چلے جاتے اور میں سب سے آخر میں کلاس میں داخل ہوتا۔ مس نے مجھے بہت سمجھایا، لیکن میری سمجھ میں ان کی بات نہ آئی، میں اپنے معمول کے مطابق ہی آتا رہا۔ پھر ایک دن جب میں کلاس میں داخل ہوا تو مس نے گھڑی میں وقت دیکھا اور مجھ سے کہا: ''خرم! تم پورے بیس منٹ لیٹ آئے ہو؟''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

میں مسکرایا کہ کیا ہوا جو لیٹ ہو گیا، یہ کوئی نئی بات ہے۔

جب چھٹی کا وقت ہوا تو مس نے مجھے روک لیا۔

سب ساتھی اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ میں اور مس دردانہ اسکول میں، اپنی کلاس میں رہ گئے۔ ہماری وجہ سے چوکیدار بھی رکا رہا کہ کلاس روم بند کر کے چابیاں دفتر میں رکھ کر اسکول بند کرے۔

میں نے مس دردانہ سے بہت کہا کہ مجھے چھٹی دے دیں، میرے گھر والے پریشان ہوں گے، لیکن انھوں نے کہا: ''صبح تم بیس منٹ لیٹ آئے تھے، اب بیس منٹ بعد چھٹی ملے گی۔ تم روزانہ تمام لڑکوں کے بعد آتے ہو اور ان کے ساتھ چھٹی کرتے ہو۔ آئندہ صبح جتنی دیر سے آؤ گے، سمجھ لو کہ چھٹی بھی اتنے منٹ بعد ملے گی۔''

انھوں نے مجھ روک دیا۔

حسب معمول میں گھر نہیں پہنچا تو میری امی مجھے ڈھونڈتی ہوئی اسکول تک آ گئیں، مس دردانہ نے ان سے بھی یہی کہا کہ یہ روزانہ آتا سب سے آخر میں ہے اور جاتا سب کے ساتھ ہے۔ آئندہ یہ جتنے منٹ لیٹ آئے گا، میں وہ وقت نوٹ کر لوں گی اور اتنے منٹ بعد اس کی چھٹی ہوا کرے گی۔

میرا خیال تھا کہ میری امی مس دردانہ کو غلط کہیں گی، مجھے چھٹی دلوا دیں گی، لیکن میری امی نے کہا: ''آپ نے بالکل ٹھیک کیا ہے، میں اس سے کہتی ہی رہتی ہوں اور یہ ٹال مٹول کرتا رہتا ہے۔ اس کے لیے یہ سزا جائز ہے۔''

اور میڈم! اس کے بعد میں کبھی لیٹ نہیں ہوا اور نہ ہماری کلاس کا کوئی اور لڑکا لیٹ ہوتا ہے۔ سب وقت سے دس منٹ پہلے پہنچ جاتے ہیں۔''

''اکرم! تم......'' ناصر نے خرم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور چوتھے لڑکے سے کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اکرم کھڑا ہو کر کہنے لگا: ''میڈم! میرے پاس فیس نہیں تھی۔ میڈم نے فیس نہ لانے پر مجھے مارا تھا اور فیس جمع نہ کروانے پر نام خارج کرنے کی دھمکی بھی دے دی تھی۔ مس دردانہ نے مجھ سے پوچھا کہ تمھارے ابو کیا کام کرتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ وہ مزدوری کرتے ہیں۔ کبھی کام ملتا ہے، کبھی نہیں ملتا۔ انھوں نے ایک جانب لے جا کر مجھے فیس کے پیسے دیے، جو میں نے میڈم کو دے دیے۔ مس نے کہا تھا کہ کسی کو بتانا نہیں۔''

''شاہد......!'' ناصر نے کہا۔

شاہد ابھی کھڑا بھی نہ ہوا تھا کہ کلاس روم میں بھونچال سا آ گیا۔ مس دردانہ روتی ہوئی اور دوڑتی ہوئی کلاس روم میں داخل ہوئیں اور ایک دم میڈم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولیں: ''میڈم! مجھے بچوں کے سامنے اور شرمندہ نہ کریں میڈم! پلیز......''

بچوں نے جو اچانک مس دردانہ کو دیکھا تو میڈم کی پروا نہ کرتے ہوئے مس دردانہ کے قریب آ کر ان سے لپٹ گئے، جیسے کوئی گم شدہ بچہ اپنی ماں سے لپٹتا ہے، جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے آپس میں ملتے ہیں۔

جس بچے کی مس دردانہ تک رسائی نہ ہو سکی، اس نے مس سے لپٹے ہوئے بچے کو ہی سینے سے لگا لیا۔ جیسے چھوٹی چھوٹی کیلیں مقناطیس سے چپک جاتی ہیں۔ میڈم اور دوسری ٹیچرز دنگ تھیں۔ انھوں نے آج تک ایسا جذباتی منظر نہیں دیکھا تھا۔

میڈم نے شام کے وقت اسکول کی مالکن کو فون کر کے کہا کہ ان کے حکم سے جس ٹیچر کو برطرف کیا گیا ہے، میں نے تحقیقات کی ہیں، وہ بے قصور ہیں، نہ صرف یہ بلکہ ان کی کلاس کے بچے ان کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو انھیں ملازمت پر بحال کر دیا جائے؟''

اور میڈم کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ مالکن نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا اور نہ انھیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پتا ہے کہ کسی کو ملازمت سے برخاست کیا گیا ہے۔ تمام ٹیچرز کو تنخواہ برابر ادا کی جا رہی تھی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح میڈم نے تمام ٹیچرز کو اپنے دفتر طلب کیا اور بوا سے کہا کہ وہ مس دردانہ کی فائل نکال لیں۔

مس دردانہ کی فائل میڈم کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ دیگر ٹیچرز بھی خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔

''مس دردانہ کو گئے ہوئے کتنے مہینے ہو گئے ہیں؟'' انھوں نے فائل سے نظریں اُٹھا کر پوچھا۔

کوئی بھی کچھ نہ بولا، کیوں کہ میڈم نے کسی کا نام لے کر یہ سوال نہیں کیا تھا، انھوں نے اپنی عینک کے اوپر سے ایک ٹیچر کو دیکھا تو وہ بولیں: ''تقریباً ڈھائی مہینے ہو گئے ہیں۔ اس میں دو مہینے گرمیوں کی چھٹیوں کے بھی ہیں۔''

''کس نے کہا ہے کہ مس دردانہ کو نوکری سے نکال دیا گیا ہے؟''
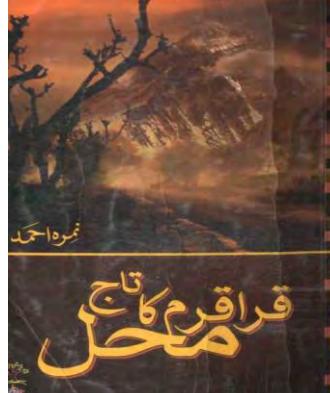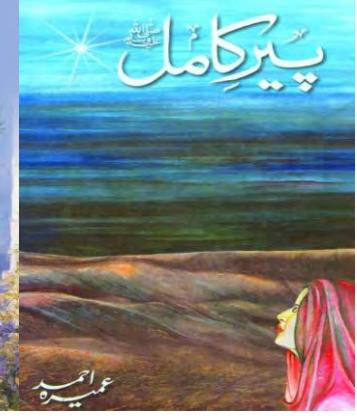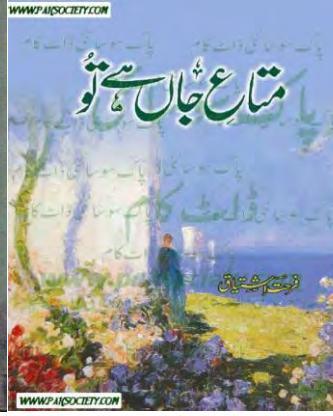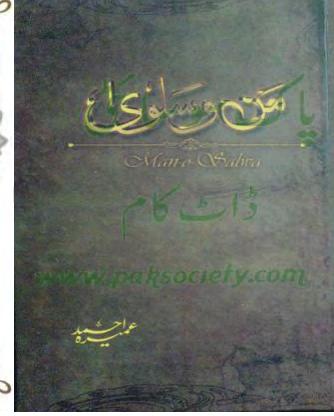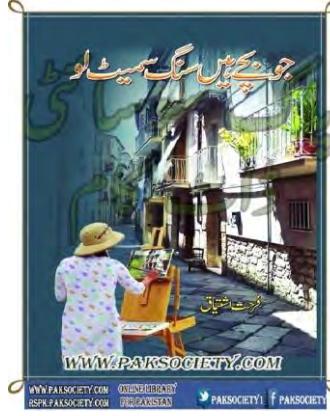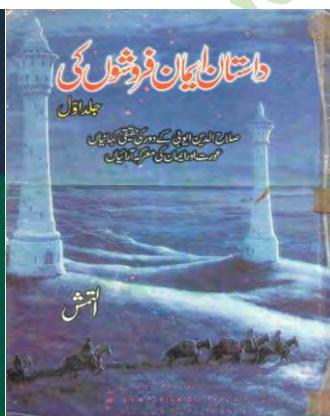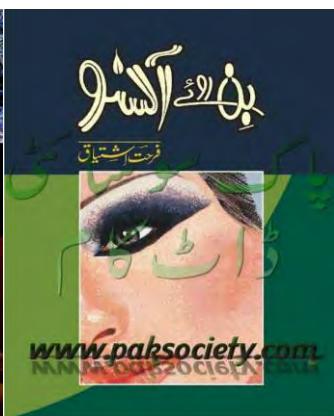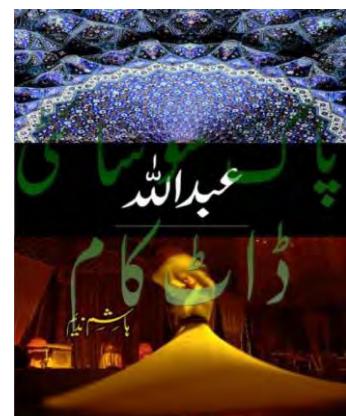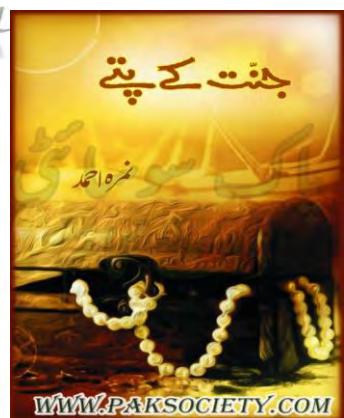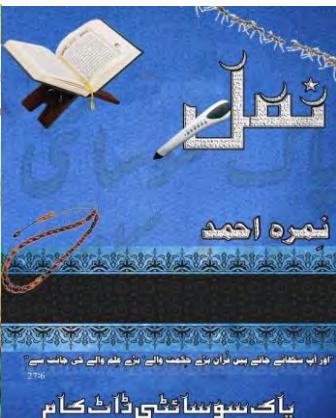
''انھیں میڈم نے خود ہی نکالا ہے اور چھٹیوں سے پہلے ہی نکالا تھا۔''

''انھیں نوکری سے نہیں نکالا گیا۔'' میڈم نے گویا دھماکا کر دیا: ''ان دو مہینوں کی تنخواہ بھی انھیں ادا کی گئی ہے۔ یہ دیکھو! یہ اتھارٹی لیٹر لگا ہوا ہے۔'' یہ کہہ کر میڈم نے فائل گھما کر جواب دینے والی ٹیچر کے سامنے کر دی۔

سب نے دیکھا، اس لیٹر پر واضح طور پر تحریر تھا کہ میں علاج کے سلسلے میں اسپتال میں داخل ہوں۔ میری تین مہینے کی رخصت منظور کی جائے اور اس دوران میری تنخواہ میڈم وصول کر کے مجھے پہنچا دیں گی۔ نیچے مس دردانہ کے جعلی دستخط بھی تھے۔

سابقہ میڈم کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ اب پتا چلا کہ اسکول سے نکالنے کے باوجود رجسٹر میں سے ان کا نام نہیں کاٹا گیا تھا، بلکہ انھیں رخصت پر ظاہر کر کے ان کی تنخواہ بھی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

http://paksociety.com

Downloaded From Paksociety.com

ہڑپ کی جا رہی تھی ۔ دو مہینے کی تنخواہ تو پرانی میڈم نے خود ہی وصول کی تھی ، یہ مہینا پورا ہوتا تو پتا نہیں کیسے اور کون وصول کرتا ؟ اس سے پہلے ہی میڈم اپنے انجام کو پہنچ گئیں ۔

مس دردانہ نے اپنی کلاس کے بچوں کو پھر سے پڑھانا شروع کر دیا تھا ۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ ان پر توجہ دیتی تھیں ۔ انھیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ بچوں نے اس کی واپسی کے لیے صدائے احتجاج بلند کی تھی ۔

دیگر ٹیچرز بھی مس دردانہ کی عظمت کی قائل ہو گئی تھیں ۔

نئی میڈم نے مس دردانہ کی ان دو مہینوں کی تنخواہ سابقہ میڈم سے وصول کر لی تھی اور ان پر جعلی ڈگری کے ساتھ ساتھ جعل سازی کے ذریعے سے اپنی ماتحت ٹیچر کی تنخواہ ہڑپ کرنے کا ایک اور مقدمہ تیار تھا ، لیکن مس دردانہ نے انھیں معاف کر دیا تھا اور کسی بھی طرح کی کارروائی سے منع کر دیا تھا ، بلکہ یہ کہا تھا کہ پہلے ہی اس بے چاری پر ایک مقدمہ چل رہا ہے ۔ اس کی تنخواہ بھی بند ہو گئی ہے ۔ اس سے آپ نے میری پچھلے دو مہینوں کی تنخواہ بھی لے لی ہے ۔ اب اسے میری وجہ سے مزید پریشان نہ کریں ۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے ۔''

ہر ادارے میں ایک دوسرے کے مخبر ضرور ہوتے ہیں ۔ کسی نے سابقہ میڈم تک یہ بات پہنچا دی تھی کہ مس دردانہ نے انھیں معاف کر دیا ہے تو وہ بہت احسان مند ہوئی تھیں ۔ ان کے دل سے گویا ایک بھاری پتھر ہٹ گیا تھا ۔

اور دوسری بات یہ ہوئی تھی کہ مس دردانہ نے گزشتہ دو مہینے کی تنخواہ لینے سے انکار کر دیا تھا ۔ ان کا کہنا تھا کہ چوں کہ اس دوران انھیں نوکری سے نکال دیا گیا تھا اور انھوں نے کوئی ڈیوٹی نہیں ادا کی ، کوئی خدمت انجام نہیں دی ، اس لیے اس تنخواہ پر ان کا کوئی حق نہیں ہے ۔ میڈم نے اور دیگر تمام ٹیچرز نے انھیں سمجھانے کی بہت کوشش کی ، لیکن

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

انھوں نے دو مہینے کی تنخواہ چھے ہزار روپے غریب اور یتیم بچوں کی مالی مدد کے لیے قائم ''پوور بوائز فنڈ'' میں دے دیے۔

جب میڈم نے کہا کہ تمھیں نوکری سے نکالا نہیں گیا۔ تمھارا نام تک رجسٹر میں موجود ہے، یہ تمھارا حق ہے تو انھوں نے یہ حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ میرا حق نہیں ہے۔ اگر میں اس دوران ڈیوٹی پر ہوتی تو ضرور لیتی۔

دیگر ٹیچرز کے لیے یہ بات بڑی عجیب سی تھی کہ الوداعی پارٹی کے لیے سو روپے نہ دینے والی مس دردانہ چھے ہزار روپے لینے سے انکار کر رہی ہیں۔ مس دردانہ کی یہ اصول پسندی تقریباً سب کا موضوع گفتگو بن گئی تھی۔

ایک دن میڈم نے مس دردانہ کو اپنے دفتر میں طلب کیا اور کہا: ''دردانہ! ایک بات تو بتاؤ! یہ سب کہہ رہی ہیں کہ جب تمھاری تنخواہ میں سے ایک سو روپے کاٹے گئے تھے تو تم نے اس پر احتجاج کیا تھا۔ اسکول کی سالانہ پارٹی کے لیے تم نے سو روپے دیتے وقت منع کر دیا تھا کہ تمہارے پاس سو روپے فالتو نہیں ہیں۔ تو پھر اب یہ چھے ہزار روپے کیوں چھوڑ رہی ہو، یہ تو ہیں ہی تمھارے؟''

مس دردانہ بولیں: ''وہ سو روپے جو ناجائز کاٹے گئے ہیں، وہ میرا حق تھا، یہ نہیں ہے۔ دو مہینے گرمیوں کی چھٹی کی تنخواہ میں بھی ضرور لیتی، اگر میں ڈیوٹی پر ہوتی۔''

''آخر دوسری ٹیچرز بھی تو دو مہینے کی گرمیوں کی چھٹیوں کی تنخواہ لیتی ہیں۔''

''وہ ان چھٹیوں میں چھٹی نہیں کرتیں، کچھ نہ کچھ کام ان سے لیا ہی جاتا ہے۔''

میڈم نے کہا: ''دیکھو! وہ وین کا ڈرائیور بھی بچوں کے ماں باپ سے ان دو مہینوں کے پیسے لیتا ہے، جو اس دوران ایک دن بھی اسکول نہیں آتا۔''

''وہ بہتر سمجھتا ہے کہ وہ اپنی روزی حلال کر رہا ہے تو ٹھیک ہی ہوگا۔ جو کام نہ کیا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جائے، اس کی اُجرت لینا میرے خیال میں حلال نہیں ہے۔''

یہ اسکول جس کا تھا، وہ مالکن پتا نہیں کہاں رہتی تھی۔ کوئی بھی اسے نہیں جانتا تھا، عام خیال یہ تھا کہ وہ کوئی معذور عورت ہوگی، جو چلنے پھرنے سے قاصر ہے اور ہے بھی کسی دوسرے شہر میں، لیکن اس کی شرط، اس کا حکم یہ تھا کہ اسے جب بھی فون کیا جائے، شام کے اوقات میں مغرب کے بعد کیا جائے۔ اس سے پتا چلتا تھا کہ وہ معذور نہیں ہے، بلکہ صبح کے اوقات میں وہ کہیں اور مصروف ہوتی ہوگی۔

کچھ بھی تھا، وہ کبھی کسی بڑی سے بڑی تقریب میں بھی سامنے نہیں آئی۔ کبھی تو ایسے انتظامات کیے جاتے، یوں لگتا کہ اس بار تو ضرور ہی آئے گی، لیکن عین وقت پر فون آجاتا کہ تقریب شروع کر دی جائے، میں نہیں آسکتی۔ اسٹاف کی تنخواہوں کے لیے کبھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی، ہمیشہ بروقت تنخواہوں کی ادائی ہو جاتی تھی۔

ایک دن حسبِ معمول پڑھاتے ہوئے کلاس روم میں ہی مس دردانہ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ انھوں نے میڈم سے کہہ کر چھٹی لے لی۔ دوسرے دن اسکول نہ آسکیں، کوئی اطلاع بھی نہ ملی۔

میڈم سمجھ گئیں کہ وہ زیادہ ہی بیمار ہوگئی ہیں، اس لیے نہیں آسکیں۔ میڈم نے ارادہ کیا کہ آج مس دردانہ کے گھر جاؤں گی۔

لیکن وہ نہ جاسکیں۔ کل پر ٹالتے ٹالتے تین چار دن گزر گئے۔ اسکول سے گھر، گھر سے اسکول کی لگی بندھی زندگی میں کسی ٹیچر کو، میڈم کو کوئی فرصت نہ تھی کہ مس دردانہ کے گھر کی طرف چکر ہی لگا لیتے۔

اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ ایک دن اچانک ہی اطلاع ملی کہ مس دردانہ کا انتقال ہوگیا ہے اور جب میڈم کو اور دوسری ٹیچرز کو پتا چلا تو انھیں دفنائے ہوئے تیسرا دن

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بھی گزر گیا تھا۔

بچوں نے سنا تو بعض بچے یوں رونے لگے، گویا ان کی ماں مر گئی ہو۔ آخر بچوں کو بھی صبر آ گیا تھا۔

میڈم اور دیگر ٹیچرز نے ارادہ کیا کہ وہ مس دردانہ کے گھر جائیں گی، لیکن یہ بھی پتا چلا کہ وہ تو کرائے کے مکان میں رہتی تھیں۔ جب بیمار ہوئیں تو ان کے بیٹے انھیں اسپتال لے گئے تھے، پھر اسپتال سے ان کی واپسی نہیں ہو سکی تھی۔ وہاں سے دوسروں کے کاندھوں پر وہ قبرستان ہی جا سکی تھیں۔

میڈم نے مس دردانہ کی جگہ دوسری ٹیچر کا تقرر کر دیا۔

ایک دن ایک صاحب اسکول آئے اور میڈم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چوکیدار انھیں میڈم کے دفتر تک لے آیا۔

وہ بولا: ''میری والدہ تو اب دنیا میں نہیں رہیں، اگر کوئی مسئلہ ہو تو آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔''

میڈم حیران ہو کر بولیں: ''میں آپ کی بات نہیں سمجھی، آپ کون ہیں اور آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

وہ بولا: ''میں میڈم دردانہ کا بیٹا ہوں۔ انھوں نے مرنے سے پہلے کہا تھا کہ اسکول کا چکر لگاتے رہا کرو۔ میں پاکستان آیا ہوا تھا، اس لیے سوچا کہ چکر لگا ہی لوں۔''

تب میڈم کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ مس دردانہ کا بیٹا ہے۔ انھوں نے اس سے افسوس کا اظہار کیا۔ دوسری ٹیچرز کو بھی بلا بھیجا، سب نے مل کر ان کے بیٹے سے تعزیت کی۔

میڈم نے کہا: ''آپ نے بہت اچھا کیا جو آ گئے۔ ہم تو مس دردانہ کے گھر گئے تھے، لیکن پتا چلا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ لوگ انھیں اسپتال لے گئے تھے اور اس کے بعد کسی کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کوئی خبر نہیں ملی۔''

''جی ہاں، میں کینیڈا میں ہوتا ہوں۔ مجھے اطلاع ملی تو میں بلا تاخیر آ گیا تھا۔ اسی لیے کہتا ہوں، کوئی بھی مسئلہ ہو تو مجھے بتا دیجیے گا۔''

''نہیں، کوئی مسئلہ نہیں ہے، ان کی جگہ مس راحیلہ آ گئی ہیں، بس مسئلہ حل ہو گیا!''

''پھر بھی کوئی بات ہو تو یہ میرا کارڈ رکھ لیجیے۔ اللہ نہ کرے کہ کوئی مسئلہ ہو، اگر ہو ہی جائے تو میں ہر طرح کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد تمام ٹیچرز کو ایک شغل ہاتھ آ گیا۔ انھوں نے اس کا دیا ہوا وزیٹنگ کارڈ پڑھا اور کھل کھلاتے ہوئے بولیں: ''مس دردانہ کے مرنے سے اس اسکول میں کوئی مسئلہ پیدا ہو تو ان کے بیٹے کو کینیڈا فون کیا جائے۔''

اس بات پر میڈم سمیت سب نے ہی قہقہہ لگایا تھا۔

''تیسری جماعت کے بچوں کو پڑھانے میں کوئی مسئلہ ہو تو دو سو روپے خرچ کر کے کینیڈا فون کیا جائے۔ یہ صاحب کینیڈا سے ہماری مدد کریں گے۔'' اس بات پر ایک اور قہقہہ گونجا۔

ایک ٹیچر نے چھنگلی اور انگوٹھے کا فون بنایا اور انگوٹھے کو کان سے لگاتے ہوئے بند مٹھی گال پر رکھتے ہوئے بولی: ''ہیلو سر! خاور آج پھر میلا یونی فارم پہن کر اسکول آیا ہے، اسے کلاس روم میں بٹھا دیا جائے یا گھر بھیج دیا جائے؟''

اس کی اس حرکت پر فلک شگاف قہقہہ گونجا تھا۔

اس بات کو پانچ مہینے گزر گئے۔ ڈیڑھ سو دن، پتا بھی نہیں چلے۔

پتا جب چلا کہ تیسرا مہینا بھی پورا ہو گیا؛ اور اسٹاف کی تنخواہ نہیں ملی۔ میڈم روزانہ بینک جاتیں، صبح شام جا کر معلوم کرتیں۔ کوئی رقم نہیں آئی، اب اسٹاف کی تنخواہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کیسے دی جائے۔ اسکول کی مالکن کو فون کرتیں تو فون بند ملتا، صبح، شام، رات، دن، جب بھی فون کریں، کوئی جواب نہیں ملتا۔

چوتھا مہینا آدھے سے زیادہ گزر گیا، تنخواہیں نہ ملنے سے سب بے چین رہنے لگے تھے۔ ٹیچرز تو ٹیوشن وغیرہ پڑھا کر اپنا خرچ نکال ہی لیتی تھیں، زیادہ مسئلہ چوکیدار، مالی، چپراسی اور بوا کا تھا، جن کا اس تنخواہ کے علاوہ کوئی ذریعۂ آمدنی نہ تھا۔

وہ بے چارے خود تو پریشان تھے ہی، بار بار میڈم کو پریشان کرتے تھے۔ وہ بھی کیا کرتے، ان کی تنخواہ کی ذمے داری تو میڈم کی ہی تھی، سب کو تنخواہ وہی دیا کرتی تھیں۔ سب خاموش خاموش رہا کرتے تھے، ہنسی مذاق نام کو بھی نہ رہا تھا۔

صبح آتے ہی میڈم چپراسی کو کہتیں کہ جاؤ دیکھو، بینک میں رقم آئی ہے کہ نہیں۔

چپراسی جاتا اور منھ لٹکائے واپس آ جاتا۔ اس کے جواب دینے سے پہلے ہی اس کی شکل دیکھ کر سب کو پتا چل جاتا کہ وہی کل والا جواب لایا ہے۔

ساری ٹیچرز دفتر میں ہی بیٹھی تھیں، ایک نے کہا: ''میڈم! اس مہینے ابھی تک مکان کا کرایہ نہیں دے سکی ہوں، اگلے مہینے ڈبل کیسے دوں گی۔''

''میرا بھی یہی حال ہے۔ بجلی گیس کے بل کی تاریخیں گزر گئی ہیں، اگلے مہینے یہ بھی ڈبل ہو جائیں گے۔''

''سب کا ایک ہی مسئلہ ہے'' تیسری ٹیچر نے کہا: ''مسئلے کا حل کیسے نکالیں! کسی دوسری جگہ نوکری کریں گے تو وہاں بھی مہینا پورا کیے بغیر تنخواہ ملنے سے رہی۔''

''اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے!'' ایک چلبلی سی ٹیچر بولی۔

''وہ کیا؟ جلدی بتاؤ!'' ایک نے بے تابی ظاہر کی۔

''مس دردانہ کے بیٹے کو کینیڈا فون کیا جائے۔'' وہ چہکتے ہوئے بولی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

افسردگی کے عالم میں بھی سب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آگئی۔

''مذاق نہیں کر رہی۔ اگر میرے پاس بیلنس ہوتا تو اب تک کب کا فون کر بھی چکی ہوتی۔''

''بیلنس ہی تو نہیں ہے کسی کے پاس۔ اب تو اُدھار بھی کوئی نہیں دیتا۔ تھوڑے تھوڑے پیسے ہر ایک جاننے والے سے لے رکھے ہیں۔ اگر پہلے معلوم ہوتا کہ یہ مہینا یوں ہی گزرے گا تو تھوڑا قرض لینے کی بجائے اتنا لے لیتے کہ مہینا تو کم سے کم آرام سے گزرتا۔ آج چار دن سے پیدل آ جا رہی ہوں، بس کے کرائے کے بھی پیسے نہیں ہیں۔'' ایک نے کہا۔

''ایک کام کرتے ہیں۔ شغل ہی ہو جائے گا۔'' وہی چلبلی ٹیچر بولی۔ وہ ہر ایک سے مذاق کیا کرتی تھی اور روتے ہوئے کو بھی ہنسا دیتی تھی۔

سب اس کی شکل دیکھنے لگے تھے۔ وہ چہکتے ہوئے بولی: ''یوں کرتے ہیں، مس دردانہ کے بیٹے کو فون کرتے ہیں۔ کینیڈا میں تو ہوتا ہی ہے، اسی سے کہتے ہیں کہ ہمیں تین مہینے سے تنخواہ نہیں ملی، کچھ کیجیے۔''

''دماغ خراب ہے تمھارا!'' میڈم نے کہا: ''وہ کیا کرے گا؟''

''میڈم! اس نے تین چار بار کہا تھا کہ کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بتائیں۔ مجھ سے ڈسکس کریں۔ اپنا فون نمبر وہ یونہی نہیں دے کر گیا۔ کوشش کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟''

''باؤلی ہوئی ہو؟'' میڈم نے مضحکہ اُڑایا۔

''آپ یوں کریں، اس کا نمبر مجھے دے دیں۔ میں اس سے بات کروں گی۔ اگر اس نے آئیں بائیں شائیں کی تو منہ پر جواب دوں گی کہ یہاں تو کہہ گئے تھے کہ کوئی مسئلہ ہوا تو مجھ سے ڈسکس کریں، اب اس سے بڑا مسئلہ بھی ہوگا؟''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''چھوڑو! ایسے موقع پر لوگ تسلی دینے کے لیے کہا ہی کرتے ہیں۔ کینیڈا فون کرنا اتنا آسان نہیں ہے، تمھاری کافی رقم لگ جائے گی۔'' میڈم نے سمجھایا۔

''میڈم! میں جھوٹے آدمی کو اس کے گھر تک چھوڑ کر آتی ہوں۔ میرا نام نیلم ہے، نیلم!'' وہ بولی: ''میں اسے ضرور فون کروں گی۔ اسے نانی یاد آجائے گی، جب اسے ہم سب کی تنخواہ دینا پڑی تو......''

''ضدمت کرو! ان جھوٹے لوگوں کے ساتھ سر ٹکرانے سے اپنا ہی سر ٹوٹتا ہے۔'' میڈم نے کہا۔

نیلم سب سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی: آپ سب لوگ چندہ کر کے مجھے دس دس روپے دیں۔ میں اپنے موبائل میں بیلنس ڈالوں گی۔ کینیڈا بات کروں گی۔ بات بن گئی تو ٹھیک، نہ بنی تو سب کے دس دس روپے گئے، منظور؟'' اس نے سب سے پوچھا۔

''نامنظور!'' ایک نے کہا تو سب نے ایک آواز ہو کر کہا: ''نامنظور!''

''دوسری تجویز!'' نیلم بولی: ''میں خود بیلنس ڈالتی ہوں اپنے پیسوں سے۔ بات نہ بنی تو میں اس کینیڈین کو اتنی سناؤں گی کہ سارا بیلنس ختم کر دوں گی۔ یہ نقصان میرا ہوگا۔ میں کسی سے کچھ نہیں لوں گی۔ اگر مسئلہ حل ہو گیا تو میں حق رکھتی ہوں کہ تم سب مجھے دو دو سو روپے دو گی، منظور؟''

''ٹھیک ہے، میں دوں گی تمھیں دو سو روپے۔'' ایک نے کہا۔

''نہیں، سب کہیں، تب بات بنے گی، کیوں کہ نقصان ہوا تو مجھ اکیلی کا ہوگا اور فائدہ ہوا تو سب کا ہوگا۔ اس لیے سب دو دو سو روپے دینے کا وعدہ کریں تو میں ابھی فون کرتی ہوں اسے۔ میرے پاس ہیں اتنے پیسے!''

ساری ٹیچرز آپس میں صلاح مشورے کرنے لگیں۔ انھیں یقین تھا کہ ایک

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

غریب ٹیچر کا بیٹا لاکھوں روپے نہیں دے سکتا۔ سب نے ہامی بھر لی کہ اگر کام بن گیا تو نیلم کو دو دو سو روپے دیں گی۔

نیلم نے چپراسی کو دو سو روپے دے کر بھیجا اور اپنے نیٹ ورک کا کارڈ منگوایا۔ اسی وقت لوڈ کیا۔ میڈم سے مس دردانہ کے بیٹے کا کارڈ لیا اور سب کے سامنے کال ملائی۔

اس نے اسپیکر آن کر دیا تھا، تاکہ سب سنیں۔ گھنٹی بجتی رہی، بجتی رہی۔ کوئی جواب نہ ملا۔

اس نے پھر کوشش کی، نتیجہ وہی رہا۔

اس نے تیسری بار ڈائل کرنے کی کوشش کی تو انگریزی میں جواب ملا: ''آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال مصروف ہے۔''

سب ٹیچرز ہنسنے لگیں۔ ایک نے کہا: ''دوں! دو سو روپے دوں؟ ارے! یہ سب ایسے ہی ہوتے ہیں، پہلے فون آن نہیں کرتے، پھر مصروف کر دیتے ہیں۔''

''ٹھیرو، کہیں نمبر ملانے میں غلطی نہ ہوگئی ہو؟'' نیلم بولی اور اس کے وزیٹنگ کارڈ سے اپنے موبائل کا نمبر ملانے لگی۔ اچانک اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے دیکھا تو اسی نمبر سے کال بیک ہو رہی تھی۔ اس نے آن کرتے ہوئے اسپیکر بھی آن کر دیا۔

فون کرنے والے نے کہا: ''ہیلو!''

''جی! کون بول رہا ہے؟''

''آپ کس سے بات کرنا چاہتی ہیں؟''

''جی! یہ کوئی ......'' اس نے جلدی سے وزیٹنگ کارڈ سیدھا کر کے اس پر نام پڑھا: ''ذاکر رحمٰن صاحب ہوتے ہیں، ان سے بات کرنا تھی۔''

''جی میں ذاکر بول رہا ہوں۔ فرمایئے، کیا کام ہے؟''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''آپ وہی ہیں نا، جو پچھلے دنوں پاکستان آئے تھے؟''

''جی جی بالکل! میں ہی آیا تھا۔ آپ کون ہیں؟''

''آپ ہمارے اسکول بھی آئے تھے؟''

''اچھا اچھا! سمجھ گیا۔ بالکل بالکل! میں میڈم دردانہ کا بیٹا ہوں۔ حکم کیجیے، کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

اس نے کہا اور ان سب کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ پلکیں جھپکنا بھول گئیں، سانس باہر کی باہر اور اندر کی اندر ہی اٹک گئی تھی۔ کچھ اُمید بندھ چلی تھی۔

''آپ نے فرمایا تھا نا کہ کوئی مسئلہ ہو تو مجھ سے بات کیجیے گا؟''

''جی بالکل کہا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ فرمایئے، کیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے؟''

''مسئلہ یہ ہے کہ......'' نیلم جھجکتے ہوئے بولی: ''ہمیں تین مہینے سے تنخواہ نہیں ملی۔''

''سوری...... ریئلی سوری۔'' اس نے معذرت بھرے لہجے میں کہا: ''تو آپ نے یاد کیوں نہیں کرایا؟ امی ہوتی تھیں تو مجھے ہر مہینے کی چوبیس تاریخ کو ہی یاد کرا دیا کرتی تھیں اور میں اسی دن رقم ٹرانسفر کر دیا کرتا تھا۔''

شرمندگی میں ڈوبی اس کی آواز اُبھری تو سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ نیلم سے بھی کوئی بات بن نہ پڑی۔

''صبح ہوتے ہی میں رقم بھجوا دوں گا۔ دیکھیے، میں مصروف رہتا ہوں۔ ہر مہینے چوبیس پچیس تاریخ کو مجھے یاد کرا دیا کیجیے، جب آپ کے ہاں شام کے سات بجیں۔ پاکستان سے کینیڈا کا فرق تیرہ گھنٹے کا ہے۔ آپ کے ہاں شام کے سات بجتے ہیں تو ہمارے ہاں صبح کے چھے بجتے ہیں۔ آپ کا دن ختم ہوتا ہے تو ہماری صبح شروع ہوتی ہے۔ اس وقت ہمارے ہاں آدھی رات ہے۔ میں سویا ہوا تھا۔ میں آپ سے بہت بہت معافی چاہتا ہوں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پلیز، مجھے معاف کر دیجیے گا۔ آیندہ ایسی کوتاہی نہیں ہوگی اور کوئی حکم میرے لیے؟''

''جی شکریہ!'' نیلم اتنا ہی کہہ سکی۔

''اور، ہاں، آپ سب ڈبل تنخواہ لے لیجیے گا، مجھے پتا ہے، آپ سب پریشان ہو گئے ہوں گے۔'' اس نے ایک اور آسانی کر دی اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''تیر نشانے پر لگ گیا!'' سب ایک دوسرے سے لپٹ گئی تھیں۔

''تمھیں یقین تھا کہ کام بن جائے گا؟'' ایک نے مس نیلم سے پوچھا۔

''خاک یقین تھا۔ میں نے تو مذاق کیا تھا، یہ سوچ کر کہ اس نے کوئی اور بات کی تو سارا بیلنس ختم کر دوں گی اسے ڈانٹ پلانے میں۔'' نیلم بولی۔

''بہر حال ہمیں اب تمھیں پیسے تو نہیں دینے پڑیں گے نا!'' ایک بولی۔

''واہ! کیوں نہیں دو گی؟ وعدہ کیا ہے، پورا تو کرنا پڑے گا۔'' نیلم بولی۔

''بھئی، فون تو اس نے کیا ہے، تمھاری کال تو اس نے مس کر دی تھی۔''

''کچھ بھی ہے، ہمت بھی تو میں نے کی ہے نا۔ بیلنس خرچ ہونے کی بات تھوڑی ہوئی تھی، کام بننے کی بات ہوئی ہے۔''

''نہیں بھئی، میں تو نہیں دوں گی۔'' ایک اور ٹیچر نے کہا۔

''کنجوسو! تمھیں ڈبل ڈبل تنخواہ دلوا دی ہے اور تم دو سو روپے کے لیے مر رہی ہو۔ میرا دل بڑا ہے۔ سب کو معاف کرتی ہوں۔ تم میں تو مردوں والی بات ہی نہیں ہے۔'' اس نے کہا تو وہ پھر ہنسنے لگیں، سب خوش ہو گئی تھیں۔ جن چہروں پر تھوڑی دیر پہلے بارہ بج رہے تھے، وہاں اب خوشی تھی۔ ان کے قہقہوں سے پابندی ختم ہو گئی تھی۔ نوٹ ملنے کی اُمید ہو چلی تھی۔

''تم فکر نہ کرو نیلم! میں تمھیں دو ہزار روپے دوں گی۔ یہ تمھارا انعام ہو گا۔'' میڈم نے سنجیدگی سے کہا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک اچھا، لیکن مہنگا مذاق تھا۔ مجھے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

تو ایک فیصد بھی اُمید نہیں تھی کہ یوں ہو جائے گا، لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ تمھاری ہمت اور جرأت سے ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ اب یہ اگلے مہینے پتا چلے گا کہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہوا ہے یا اسی مہینے کے لیے۔''

''ہمیشہ کے لیے میڈم! ہمیشہ کے لیے۔'' نیلم جلدی سے بولی: ''اس نے کہا تھا نا کہ ہر مہینے کی چوبیس تاریخ کو مجھے یاد دلا دیا کریں۔''

''ارے ہاں، یاد آیا۔'' میڈم بولیں: ''وہ کہہ رہا تھا کہ امی تو مجھے ہر مہینے کی چوبیس تاریخ کو یاد دلا دیا کرتی تھیں۔'' پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں: ''اور مالکن کی طرف سے مجھے بھی یہی ہدایت ملی تھی کہ میں چوبیس تاریخ کو شام سات بجے فون کر کے انھیں تنخواہ کا یاد دلایا کروں۔ میں نے دن میں فون کرنے کی کوشش کی بھی، لیکن اس وقت فون بند ہوتا تھا۔''

''ٹھیرو، ایک منٹ ٹھیرو!'' کچھ یاد آتے ہی اچانک میڈم اپنی کرسی سے اُٹھیں، لپک کر الماری تک پہنچیں۔ الماری کے پٹ کھولے، بجلی کے بل، ٹیلے فون کے بل نکالے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انھیں دیکھتی رہیں۔

''مجھے شک ہوا تھا۔'' ان کی آواز گلے میں پھنس گئی تھی، آگے وہ کچھ نہ بول سکیں۔

تمام ٹیچرز ان کے قریب ہو گئیں۔ ان سے بل لے کر دیکھا۔

میڈم نے اپنی شہادت کی انگلی سے بل کے اس حصے کی طرف اشارہ کر دیا، جہاں مالک مکان کا نام لکھا ہوتا ہے۔ بجلی اور ٹیلے فون کے بلوں پر اسکول کی مالکہ کا نام لکھا ہوا تھا، ''دردانہ رحمان''

اسی وقت بچوں کو چھٹی دے دی گئی، جس بچے نے مس دردانہ کی قبر دیکھ رکھی تھی، اس بچے کو ساتھ لیا اور تمام ٹیچرز اس عظیم عورت کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے پہنچ گئیں۔ جہاں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

وہ پہلے دن مس دردانہ کی میت پر کسی وجہ سے نہیں پہنچ سکی تھیں، جب کہ ان کا بیٹا کینیڈا سے پاکستان پہنچ گیا تھا۔

اپنے ساتھ زیادتی کرنے والی میڈم کو معاف کر دینے والی عورت، بچوں کو اپنی جیب سے کتابیں خرید کر دینے والی عورت، بچوں کی اسکول کی فیس اپنی جیب سے ادا کرنے والی عورت، منوں مٹی تلے دفن تھی۔

انھیں یہ یقین کرنے میں قطعی دیر نہیں ہوئی کہ میڈم نے مس دردانہ کو نوکری سے نہیں نکالا تھا، بلکہ میڈم دردانہ رحمان نے اس بے ایمان تعلیم فروش میڈم کو تعلیمی منظرنامے سے یوں اُکھاڑ پھینکا تھا کہ وہ اہلِ علم سے بات کرنا تو درکنار، زندگی بھران کے سامنے بیٹھنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔

آج انھیں اندازہ ہو رہا تھا کہ اسکول کی مالکن ہونے کے باوجود وہ سو روپے پر بحث کیوں کرتی تھیں، تاکہ اپنی اصول پسندی کے ساتھ ساتھ خود کو وہ دوسروں کے مقابلے میں کمتر ثابت کر سکیں۔

وہ جانتی تھیں کہ ادارے کی سربراہ بن کر وہ بچوں کو تعلیم نہیں دے سکتیں، ہاں صرف حکم چلا سکتی تھیں، اس لیے انھوں نے حکم چلانے کے لیے بھی ایک میڈم مقرر کر دی تھی اور خود بھی اسی میڈم کی ماتحت تھیں۔ اس سے تین ہزار روپے تنخواہ لیتی تھیں۔ تیسری جماعت کے بچوں کو پڑھاتی تھیں، اس اسکول کی مالک تھیں اور سارے اخراجات ان کا بیٹا اُٹھاتا تھا، غریب بچوں سے برائے نام فیس لی جاتی تھی۔ اس فیس کی رقم سے بمشکل اسٹیشنری کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔

یہ عظیم عورت جب مرگئی تو اس کی ساتھی ٹیچرز نے اس پر بھی مذاق اُڑایا تھا۔

اور جب تنخواہ رکی تو ان کا بیٹا یاد آیا، وہ بھی مذاق کا نشانہ بنانے کے لیے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

سب کو ڈبل تنخواہیں ادا کر دی گئیں۔ تمام ٹیچرز خوش تھیں، اپنی اپنی تنخواہوں کو بار بار گن رہی تھیں۔

میڈم نے دو ہزار روپے نکال کر نیلم کی جانب بڑھائے اور کہا: ''نیلم! یہ لو تمھارا انعام۔''

نیلم نے دو ہزار روپے لینے کے بجائے میڈم سے کہا: ''انھیں میز پر رکھ دیجیے۔'' آج وہ چلبلی سی لڑکی خلاف معمول سنجیدہ سنجیدہ سی لگ رہی تھی۔

میڈم نے پیسے میز پر رکھ دیے۔ ہزار ہزار روپے کے دو کرارے نوٹ میز پر پڑے تھے۔

نیلم نے ان دو ہزار روپوں پر ہزار روپے کا ایک نوٹ اور رکھا۔ سب ٹیچرز اسے دیکھ رہی تھیں۔

''میڈم! میری خواہش ہے کہ اسکول میں قرآن خوانی کا اہتمام کروایا جائے اور اس کا ثواب میڈم وردانہ رحمان کی روح کو بخشا جائے۔ میرا خیال ہے کہ بریانی کی ایک دیگ تین ہزار روپے کی آجائے گی۔ کم پڑ جائیں تو اور دے دوں گی۔'' اس نے پلکوں پر ڈھلکتی نمی کو اپنے دوپٹے کے پلو سے خشک کیا۔

تمام ٹیچرز نے ان نوٹوں پر اپنی اپنی طرف سے ہزار ہزار روپے کے نوٹ رکھنے شروع کر دیے تھے۔

یہ خاموش خراج عقیدت تھا، اس عظیم عورت کے لیے جس نے اپنی جائداد، اسکول کی اتنی بڑی عمارت تعلیم کے لیے وقف کر دی تھی۔

''علم بکھیرنے والی عظیم عورت! تیری عظمت کو سلام''

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

آدم خور شیرنی

کرنل جم کاربٹ

برصغیر کے مشہور انگریز شکاریوں میں کرنل جم کاربٹ کا نام نمایاں ہے۔ جم کاربٹ کا تعلق ہندستان کے صوبے یوپی کے ایک مقام نینی تال سے تھا۔ انھوں نے جنگلی حیات، خاص طور پر شیروں کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا اور بے شمار آدم خور شیر شکار بھی کیے۔ دوسرے لوگ شکار تو بہت کرتے ہیں، لیکن ان کے بارے میں تفصیلات بہت کم شکاری لکھتے ہیں۔ جم کاربٹ نے کئی کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں میں سنسنی خیزی، مہم جوئی کے ساتھ ساتھ معلومات بھی ملیں گی۔ جم کاربٹ نے کئی آدم خور شیروں اور تیندووں کا شکار کر کے دیہاتیوں کی زندگی کو تحفظ دیا۔ آدم خور درندوں کے یہ واقعات پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہاں جم کاربٹ کے ایک شکار کا سنسنی خیز واقعہ دیا جا رہا ہے۔

کرنل جم کاربٹ نے ہمالیہ کی ترائی میں آدم خور چیتوں کا پیچھا کرتے ہوئے کئی بار اپنی جان خطرے میں ڈالی۔ جب بھی کوئی آدم خور جنگل کے کسی حصے میں آزاد گھومنے لگتا تھا تو دیہاتی پریشان ہو کر کرنل جم کاربٹ کو بلواتے تھے اور وہ فوراً وہاں پہنچ جاتے تھے، مگر یہ مشہور شکاری صرف اسی وقت گولی چلاتا تھا، جب اس کو یقین ہو جاتا تھا کہ اس درندے نے آدمیوں کی جانیں لے لی ہیں۔ آیئے، خود جم کاربٹ کی زبانی ان کے ایک شکار کا واقعہ سنیے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہندستان کے شمال وسطی حصے میں نیپال کی سرحد کے قریب ایک آٹھ ہزار فیٹ بلند پہاڑ ہے۔ اس کی لمبائی بارہ سے لے کر پندرہ میل تک ہے۔ پہاڑ کا مغربی سرا اونچا اُٹھتا چلا گیا ہے اور اسی سرے کے کنارے مکتیشر نام کا چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں سے برف پوش ہمالیہ کا منظر بڑی اچھی طرح دکھائی دیتا ہے۔ گاؤں کے چاروں طرف جو جنگل ہے، اس میں ایک شیرنی رہنے لگی تھی۔ یہاں وہ ہرن اور سانبھر وغیرہ کا شکار کرکے بڑے مزے سے رہتی تھی، مگر ایک دن وہ ایک خار پشت سے اُلجھ پڑی۔ اس لڑائی میں اس کی ایک آنکھ جاتی رہی اور تقریباً پچاس خار اس کی اگلی داہنی ٹانگ میں پیوست ہو گئے۔ چناں چہ جس وقت وہ زخمی حالت میں بھوکی پیاسی گھاس میں پڑی اپنے زخم چاٹ رہی تھی، ایک عورت اُدھر سے گزری۔ عورت اپنے جانوروں کے لیے گھاس کاٹنے آئی تھی۔ شیرنی نے ایک ہی وار میں عورت کا کام تمام کر دیا اور عورت کو وہیں چھوڑ کر لنگڑاتی ہوئی ایک گرے ہوئے درخت کے کھوکھلے تنے میں پناہ لینے لگی۔ دو دن بعد ایک آدمی اسی درخت سے لکڑی کاٹنے آیا۔ شیرنی نے اس کو بھی مار ڈالا۔ ایک دن بعد اس نے تیسرے آدمی کو مار ڈالا۔ اس طرح وہ مستقل طور پر آدم خور بن گئی۔

اس شیرنی نے جب آدمیوں کو ہلاک کرنا شروع کیا تو مجھے اس کی اطلاع مل گئی۔ مکتیشر میں اور بھی بہت سے شکاری موجود تھے، لہٰذا میں نے مداخلت کرنا مناسب نہ سمجھا، مگر جب شیرنی نے چوبیس آدمیوں کو ہلاک کر دیا تو حکومت نے مجھ سے مدد طلب کی۔ اس وقت تک علاقے کے ہر آدمی کی جان خطرے میں پڑ چکی تھی۔ دن میں بھی لوگ باہر نکلتے ہوئے ڈرتے تھے اور شام ہوتے ہی اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

رہتے تھے۔ میرا کام آسان نہ تھا۔ ایک تو اس وقت تک میرا آدم خور شیروں سے بہت کم سابقہ پڑا تھا، دوسرے مجھے اس علاقے کے بارے میں معلومات نہ تھیں، جہاں شیرنی چھپی ہوئی تھی۔ میرے ایک دوست نے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ان کا نام تھا بدری شاہ۔ وہ مکتشیر کے قریب رہتے تھے۔ میں نے طے کیا کہ میں ان کے پاس جاؤں گا اور ان کی مدد قبول کرلوں گا۔ چناں چہ میں ایک ملازم اور دو آمیوں کو لے کر نینی تال سے پیدل روانہ ہو گیا، جہاں میرا گھر تھا۔ دس میل کا راستہ طے کرنے کے بعد میں ڈاک بنگلے پہنچ گیا۔ دوسرے دن صبح اپنے آدمیوں کو سامان لے کر آنے کی ہدایت دے کر میں نے ایک دو نالی بندوق اُٹھالی اور پہاڑی پر چڑھ کر مکتشیر کی جانب چل پڑا۔ چوں کہ ابھی بالکل سویرا تھا، لہٰذا بدری شاہ کے پاس جانے سے پہلے میں نے آس پاس کے دوسرے دیہاتوں کا بھی جائزہ لے لیا۔ جب میں واپس ہو رہا تھا تو مجھے ایک آٹھ برس کی لڑکی مل گئی۔ اس کا بیل اسے پریشان کر رہا تھا۔ اس لڑکی کا نام پتلی تھا۔ وہ اپنے بیل کو مکتشیر کی جانب لے جانا چاہتی تھی، مگر بیل مخالف سمت جانا چاہتا تھا۔ بہر حال پتلی اس کی رسی پکڑے آگے آگے چلی اور میں اس کو پیچھے سے ہنکاتا گیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد میں نے کہا: ''تم لوگ کلوا کو کہیں چُرا کر تو نہیں لے جا رہے ہو؟'' لڑکی نے بیل کو کلوا کے نام سے پکارا تھا اور یہ میں نے سن لیا تھا۔

''نہیں۔'' وہ ناراض ہو کر بولی۔

میں نے پوچھا: ''تو یہ بیل کس کا ہے؟''

وہ بولی: ''میرے باپ کا۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''تم اسے کہاں لے جا رہی ہو؟''

''اپنے چچا کے ہاں، ہل چلانے کے لیے۔ ان کے پاس ایک ہی بیل رہ گیا ہے، پہلے دو تھے۔''

میں نے پوچھا: ''دوسرا کہاں گیا؟''

''شیرنی نے کل اسے مار ڈالا۔'' لڑکی بولی۔ میرے لیے یہ بالکل نئی خبر تھی۔

تلی نے پوچھا: ''کیا تم شیرنی کو مارنے آئے ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر تم ادھر کیوں جا رہے ہو؟''

''اس لیے کہ ہم کلوا کو تمھارے چچا کے پاس لے جا رہے ہیں۔'' میرے اس جواب سے وہ مطمئن ہو گئی اور ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔ میں نے کہا: ''کیا تم جانتی نہیں کہ شیرنی آدم خور ہے؟''

وہ بولی: ''ہاں، جانتی ہوں۔ وہ تو میری سہیلی کُنتی کے باپ کو کھا گئی اور نہ جانے کتنے آدمیوں کو مار چکی ہے۔''

''پھر تمھارے باپ نے تم کو کلوا کے ساتھ کیوں بھیجا؟ وہ خود کیوں نہیں آیا؟''

''کیوں کہ اس کو زور کا بخار ہے۔''

تو یہ بات تھی، جس کی وجہ سے اس چھوٹی سی لڑکی کو یہ خطرناک کام دے دیا گیا تھا۔ اس راستے پر تو بڑے آدمی بھی جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ میں نے واپسی میں لڑکی سے پوچھا: ''شیرنی نے بیل کو کس جگہ مارا ہے؟''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

لڑکی مجھے وہ جگہ دکھانے پر راضی ہوگئی۔ میں نے پوچھا: ''بیل پر جب حملہ ہوا تو کیا وہ اکیلا تھا؟''

''نہیں، وہ دوسرے جانوروں کے ساتھ چر رہا تھا۔''

میں باتیں کرتا جا رہا تھا، مگر چاروں طرف دیکھتا بھی جا رہا تھا، کیوں کہ جس پتلی سی پگڈنڈی پر ہم جا رہے تھے، اس کے کنارے گھنا جنگل تھا، جس میں شیرنی چھپ سکتی تھی۔ ہم لوگ تھوڑی دور گئے تھے کہ ہمیں وہ پگڈنڈی مل گئی، جس پر مویشی چرتے رہتے تھے۔ یہاں پر پتلی رک گئی اور اس نے بتایا کہ اسی سڑک پر بیل مارا گیا تھا۔ پتلی کو اس کے گھر پہنچا کر میں اسی سڑک سے واپس آ گیا۔ میں تقریباً ایک چوتھائی میل چلا ہوں گا کہ وہ جگہ مل گئی، جہاں سے مویشی گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ فاصلے پر زمین پر ایسے نشانات بنے ہوئے تھے، جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہاں کوئی چیز گھسیٹی گئی ہے۔ اس نشان کے سہارے میں چند گز آگے بڑھا تو مجھے وہ بیل مل گیا۔ اس کا تھوڑا حصہ کھایا جا چکا تھا۔ بیل ایک ندی کے کنارے تقریباً بیس فیٹ کی بلندی پر پڑا ہوا تھا، جس پر بیٹھ کر میں شیرنی کو مارنے کی اُمید کر سکتا تھا۔ اس رات چاند نکلنے کا امکان نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اندھیرا ہونے کے بعد شیرنی واپس آئے گی۔ لہٰذا مرے ہوئے بیل کے جس قدر نزدیک رہوں گا، اسی قدر نشانہ لینے میں آسانی ہوگی۔ اب دن کے دو بج چکے تھے۔ لہٰذا اتنا وقت تھا کہ میں اپنے دوست بدری سے مل لوں اور اس کے ساتھ ایک پیالی چاے پی لوں۔ جب میں پہنچا تو بدری مجھے اپنے مہمان خانے میں لے گیا۔ میں نے اسے اس بیل اور اس درخت کے بارے میں بتایا۔ چاے پینے کے بعد اس جگہ واپس آ گیا۔ بدری میرے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ساتھ آیا اور دو آدمی مچان بنانے کا سامان لے کر آئے، مگر جب انھوں نے اس درخت کو دیکھا تو انھوں نے مجھے وہاں بیٹھنے سے منع کیا، مگر میں اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

جنگل میں ریچھ بھی تھے۔ اگر انھوں نے مرے ہوئے بیل کی بو سونگھ لی تو پھر شیرنی کے ہلاک ہونے کا موقع مجھے نہیں ملے گا، کیوں کہ ہمالیہ کے ریچھ شیر سے نہیں ڈرتے۔ وہ شیر کے مارے ہوئے شکار کو چُرا لے جاتے ہیں۔

میں درخت پر چڑھ گیا۔ چاروں طرف گلاب کی جھاڑیاں تھیں۔ ان کے کانٹے میرے جسم میں چبھ رہے تھے۔ بدری نے میری رائفل مجھے دے دی۔ اس کے بعد وہ اور اس کے آدمی صبح آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ اب میرا منھ پہاڑ کی طرف تھا اور ندی میرے پیچھے۔ اگر کوئی جانور اوپر سے آتا تو وہ مجھے آسانی سے دیکھ لیتا، لیکن شیرنی نیچے سے آتی، جیسا کہ مجھ کو اُمید تھی تو وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ بیل بالکل سفید تھا۔ وہ مجھ سے تقریباً پندرہ فیٹ کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ میں چار بجے سہ پہر کو درخت پر بیٹھ گیا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد ایک ہرن ندی کے پاس نیچے دو سو گز کے فاصلے پر شور مچانے لگا۔ شیرنی چل پڑی تھی۔ ہرن نے اس کو دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے وہ ساکت کھڑا شور مچا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ہرن آگے بڑھ گیا اور اس کی آواز مدھم ہو گئی۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ شیرنی جب بیل کے قریب پہنچ گئی تو وہ چپکی بیٹھ گئی۔ اب وہ کچھ دیر تک جائزہ لیتی رہے گی کہ کہیں آدمی تو قریب نہیں ہے۔ وقت گزرتا گیا۔ شام ہو گئی۔ اندھیرا چھا گیا۔ بیل اب بھی مجھے دکھائی دے رہا تھا، مگر ایک سفید دھبے کی طرح، اتنے میں ندی کے بالائی حصے میں ایک

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

لکڑی چٹخنے کی آواز سنائی دی۔ پیروں کی چاپ میری جانب بڑھنے لگی اور پھر بالکل میرے پیچھے آ کر رک گئی۔ ایک دو منٹ تک بالکل سناٹا رہا۔ پھر شیرنی میرے درخت کے نیچے سوکھے ہوئے پتوں پر لیٹ گئی۔ آخر وہ جب مرے ہوئے بیل کی جانب بڑھی تو رات کا اندھیرا چھا چکا تھا۔ مجھے کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ مجھے اب گولی چلانے کے لیے صرف اپنے کانوں پر بھروسا کرنا تھا۔ بیل کے پاس پہنچ کر شیرنی اس پر غرانے لگی۔ ہمالیہ کی ترائی میں خاص طور پر گرمیوں میں مرے ہوئے جانور پر بھیڑیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔
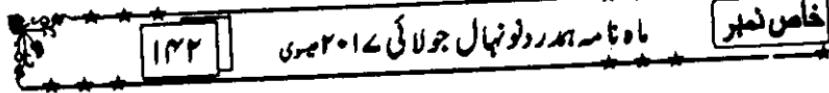
شیرنی نے بیل کو کھانے سے پہلے اسے وہاں سے کھسکایا نہیں تھا۔ لہٰذا مجھے یہ اندازہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ جلدی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے رائفل اُٹھالی اور اپنی کہنیوں کو گھٹنوں پر ٹکا کر احتیاط سے اس آواز پر نشانہ لیا، جو شیرنی چباتے ہوئے نکال رہی تھی۔ میں آواز پر کان لگائے ہوئے تھا۔ جب مطمئن ہو گیا تو گولی چلا دی۔ شیرنی نے دو چھلانگیں ماریں اور بیس فیٹ بلند کنارے پر پہنچ گئی۔ وہاں چوٹی پر سطح ہموار تھی۔ سوکھے پتوں پر جب شیرنی گزری تو میں نے وہ آواز سن لی۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

اس خاموشی کا مطلب تھا کہ شیرنی ہموار سطح پر پہنچنے کے بعد مر گئی ہے یا پھر زخمی ہی نہیں ہوئی۔ میں دو تین منٹ تک آواز پر کان لگائے رہا۔ چوں کہ کوئی آواز سنائی نہ دی، اس لیے میں نے رائفل نیچی کر لی۔ اس حرکت کے ساتھ ہی کنارے پر سے غرانے کی آواز آئی۔ لہٰذا شیرنی زخمی نہیں ہوئی تھی اور اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔

میں درخت پر جس جگہ بیٹھا ہوا تھا، وہ تقریباً دس فیٹ کی بلندی ہو گی۔ مجھ سے کچھ دور غالباً بیس فیٹ کے فاصلے پر ایک آدم خور شیرنی غرا رہی تھی۔ اس حالت میں کافی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

وقت گزر گیا۔ شیرنی وہیں تھی کہ بارش شروع ہوگئی۔ میں بھیگ کر چوہا ہوگیا۔ شیرنی تو بارش شروع ہوتے ہی چل دی ہوگی۔ بارش گیارہ بجے شروع ہوئی اور چار بجے صبح ختم ہوئی۔ پھر تیز ہوا چلنے لگی۔ پہلے تو میں سردی سے کانپ رہا تھا، مگر اب میں منجمد ہوگیا۔

سورج نکلنے ہی والا تھا کہ بدری ایک آدمی کے ساتھ چاے لے کر آ گیا۔ اس نے مجھ سے رائفل لی اور میں درخت سے پھسل کر نیچے آیا تو دو آدمیوں نے مجھے تھام لیا، کیوں کہ میری ٹانگیں بالکل شل ہو چکی تھیں۔ میں زمین پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا اور چاے پینے لگا۔ لوگ میری ٹانگوں کی مالش کرتے رہے، تاکہ خون گردش کرنے لگے۔ جب میں چلنے کے قابل ہوا تو ہم لوگ بدری کے گھر چلے گئے۔ آگ کے سامنے کپڑے سکھاتے ہوئے میں نے بدری سے اس جنگل کے بارے میں پوچھا جس میں شیرنی چلی گئی تھی۔ ہم نے واپسی میں اس کے پیروں کے نشانات دیکھے تھے۔ بدری نے بتایا کہ یہ راستہ ایک گہری ندی تک چلا جاتا ہے، جو ایک ڈھلوان پہاڑ کے پاس سے گزرتی ہے۔ بدری کا خیال تھا کہ شیرنی دن بھر اسی ندی کے کنارے پڑی رہے گی۔ یہ جگہ ہانکا کرانے کے لیے بہترین معلوم ہوئی۔ بدری نے اپنے مالی گوبند سنگھ کو بلا کر سمجھا دیا کہ کیا کرنا ہے۔ گوبند نے کہا کہ وہ دوپہر تک تیس آدمیوں کو اکٹھا کر سکتا ہے۔ میں نے اپنی رائفل صاف کی اور بدری کے ساتھ ناشتا کیا۔ دوپہر کو گوبندا اپنے آدمی لے آیا۔ یہ طے کیا کہ میں ایک گھنٹے پہلے شیرنی کو ندی کے کنارے تلاش کروں گا۔ اگر شیرنی کو نشانہ نہ بنا سکا تو پھر میں ندی کے نزدیک کھلی ہوئی جگہ پر ٹھیر جاؤں گا۔ گوبندا اپنے آدمیوں کو دو ٹکڑیوں میں بانٹ دے گا۔

ایک گھنٹے بعد دونوں ٹکڑیاں ندی کی جانب سے شیرنی کو ہنکانے کی کوشش کریں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

گی۔ یہ لوگ شور وغل مچائیں گے۔

میں اس راستے پر چل پڑا، جس پر شیرنی گئی تھی۔ یہ راستہ گھنے جنگل پر جا کر ختم ہو گیا۔ جنگل میں گھس کر میں کئی گز اندر چلا گیا۔ اس طرح میں ندی کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں سے نیچے ڈھلوان تھی اور اس کے بعد ندی تھی۔ میں نیچے دیکھنے لگا تو مجھے اپنے نزدیک مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دی۔ ایک مری ہوئی گائے جو شاید ایک ہفتے قبل شکار ہوئی تھی، پڑی ہوئی تھی۔ اس کی گردن پر جو نشانات تھے، ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے شیر نے مارا ہے۔ نہ جانے کیوں میں نے گائے کو نیچے لڑھکا دیا۔ وہ ندی کے کنارے ایک گڑھے میں جا گری۔ میرے بائیں جانب وہ کھلی ہوئی جگہ تھی، جس کے بارے میں بدری نے بتایا تھا۔ یہ جگہ اس گڑھے سے تقریباً تین سو گز کے فاصلے پر تھی، مگر یہ جگہ ایسی تھی کہ میں وہاں سے پہاڑی کا وہ حصہ نہیں دیکھ سکتا تھا، جہاں سے شیرنی کو ہنکایا جانے والا تھا۔ شیرنی میرے دیکھے بغیر کسی جگہ سے بھی نکل سکتی تھی، مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

دور آدمیوں کا شور مجھے سنائی دیا۔ شیرنی کو ہنکایا جا رہا تھا۔ آخر ہنکانے والے میرے دائیں جانب آ گئے۔ وہ جب میری سطح پر آ گئے تو میں نے ان سے رُک جانے کو کہا اور انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ یہ لوگ بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ پیروں میں سے کانٹے نکالنے لگے۔ گوبند مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ باتیں کرتے کرتے وہ ایک بار رُک گیا۔ میں نے دیکھا کہ گوبند میرے پیچھے حیرت سے کچھ دیکھ رہا ہے۔ اب جو میں گھوما تو کیا دیکھتا ہوں کہ شیرنی خراماں خراماں چلی آ رہی ہے۔ وہ تقریباً چار سو گز کے فاصلے پر تھی اور ہماری طرف آ رہی تھی۔ ہم لوگ جو حرکت کرتے، وہ شیرنی دیکھ سکتی تھی۔ لہٰذا میں اس کو دیکھنے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ آخر جب وہ جھاڑیوں میں چلی گئی تو میں نے آگے بڑھنے اور نشانہ لینے کا فیصلہ کیا۔ آدمیوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کر کے میں دوڑ کر آگے بڑھنے لگا۔ میں پہاڑی کے کنارے ایک بڑی سی جھاڑی کے پاس پہنچ گیا، جس کے درمیان ایک سرنگ سی تھی۔ میں جھک کر اس سرنگ کو پار کرنے لگا تو میری ٹوپی گر پڑی۔ میں دوڑتا ہوا اس گڑھے کے قریب پہنچ گیا جس میں، میں نے گائے گرائی تھی۔ اچانک ایک ہڈی کے چٹخنے کی آواز سنائی دی۔

شیرنی مجھ سے پہلے اس گڑھے تک پہنچ گئی تھی اور اپنے پرانے شکار کو پا کر اپنا پیٹ بھرنے لگی تھی۔ گزشتہ رات میری وجہ سے وہ بھوکی رہ گئی تھی۔ گڑھے کا بالائی حصہ جہاں پر شیرنی کھا رہی تھی، جھاڑ جھنکار سے اٹا پڑا تھا۔ وہ حصہ جہاں میں کھڑا تھا، وہاں جھاڑیاں نہیں تھیں۔ شیرنی اگر شکار کو چھوڑ کر میری طرف کھلی جگہ پر آتی تو میں اس پر گولی چلا سکتا تھا، لیکن اگر وہ پہاڑ پر چڑھ جاتی تو پھر میں اسے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کے اوپر پہاڑی کی جانب پتھر پھینک کر اس کو کھلی ہوئی جگہ ہنکانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے اپنے پیچھے کچھ آواز سنائی دی۔ مڑ کر جو میں نے دیکھا تو گوبند میرے پیچھے میری ٹوپی ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ ہمارے قریب پہاڑی میں ایک خول تھا۔ میں نے منھ پر اُنگلی رکھ کر گوبند کو اس خول میں دھکیل دیا۔ وہ اُکڑوں بیٹھ گیا، مگر پریشان ہو رہا تھا، کیوں کہ چند ہی گز کے فاصلے پر شیرنی ہڈیاں چبا رہی تھی اور اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

جب میں ندی کے کنارے نشانہ لینے کے لیے تیار ہو گیا تو شیرنی نے کھانا چھوڑ دیا۔ بڑی دیر تک سناٹا چھایا رہا اور پھر وہ مجھے دکھائی دینے لگی۔ وہ پہاڑی پر اس جگہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

چڑھ رہی تھی، جہاں چند چھوٹے چھوٹے درختوں کا جھنڈ تھا۔ شیرنی جب ان درختوں میں سے گزری تو مجھے اس کے جسم کا کچھ حصہ دکھائی دیا۔ اس اُمید پر کہ میری گولی درختوں سے بچ کر شیرنی کو لگ جائے گی۔ میں نے جلدی سے گولی چلا دی۔ گولی چلتے ہی شیرنی پلٹی اور تیزی سے پہاڑی سے نیچے اُترنے لگی۔ اس نے گڑھے کو پار کیا اور اس تپلی سی پگڈنڈی پر بھاگنے لگی جو میرے اور ندی کے درمیان تھی۔ میں انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ دو گز کے فاصلے پر آ گئی۔ پھر میں جھک گیا اور میں نے اپنی دوسری گولی شیرنی کی گردن پر چلا دی۔ گولی لگنے کی وجہ سے وہ میرے بائیں کندھے پر حملہ نہ کر سکی اور اپنی تیزی میں پچاس فیٹ نیچے ندی میں جا گری۔ میں نے کنارے پر جا کر دیکھا۔ شیرنی مری ہوئی پڑی تھی۔ میں نے گوبند کو نکلنے کا اشارہ کیا۔ وہ ابھی تک اسی خول میں بیٹھا تھا۔ شیرنی کو دیکھ کر اس نے ہنکانے والوں کو آواز دی: ''شیرنی مرگئی، شیرنی مرگئی۔''

بس پھر کیا تھا۔ ہنکانے والوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔

بدری نے اپنے گھر میں یہ شور سن لیا اور اس خوش خبری کو عام کرنے کے لیے اس نے اپنی شاٹ گن سے دس گولیاں چلا دیں۔ ان گولیوں کی آواز ملکیشر اور آس پاس کے دیہاتوں میں سنی گئی۔ چناں چہ ذرا ہی دیر میں لوگ ندی کے کنارے اِکھٹے ہونے لگے۔ لوگوں نے شیرنی کو پانی میں سے نکالا اور درخت کی ایک شاخ پر اس کو لٹکا کر بدری کے باغ میں لے گئے۔ یہاں اسے سوکھی ہوئی گھاس پر لٹا دیا گیا تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں۔

میں چاے پینے کے لیے مہمان خانے میں چلا گیا۔

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

خدا کی قدرت

حکیم خاں حکیم

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
ہرا ہوا ہے جنگل اور بَن
مہک رہا ہے آنگن آنگن
دل کو بھائیں شوخ نظارے
دیکھ خدا کی قدرت پیارے

بادل آتے اور جاتے ہیں
پربت پربت لہراتے ہیں
دریا شور مچاتے ہیں
ڈوب گئے سب ندی کنارے
دیکھ خدا کی قدرت پیارے

دھوپ ڈھلی اور سورج ڈوبا
پھیل گیا ہے ہر سُو اندھیرا
دور اُفق پر چندا نکلا
جگمگ جگمگ چمکے تارے
دیکھ خدا کی قدرت پیارے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ساحلی جنگلات

ڈاکٹر سہیل برکاتی

پاکستان کو اللہ نے جہاں اور بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے، وہاں ۵۲ میل لمبے ساحل کی شکل میں ایک بیش بہا خزانہ بھی دیا ہے۔ سمندر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں مسلمانوں کو سمندر اور اس سے متعلق علوم کی طرف متوجہ کیا۔ سمندر سے غذا اور استعمال کی دوسری چیزیں حاصل کرنے کی طرف راغب کیا۔ عربوں نے قرآن سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے جہاز رانی کے فن میں خوب ترقی کی۔

جغرافیائی لحاظ سے پاکستان منطقہ حارہ (دنیا کا وہ خطہ جہاں سورج کی شعاعیں سیدھی پڑنے سے زیادہ گرمی ہوتی ہے) میں واقع ہے۔ دنیا کے اس حصے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ ایسے جنگلات پائے جاتے ہیں جن کے نشو و نما کے لیے سمندری پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو ''کرنا کے جنگلات'' (MANGROVES) کہا جاتا ہے۔ جس طرح سمندر کے ساحل پر پانی کبھی آگے جاتا ہے اور کبھی پیچھے چلا جاتا ہے، اسی طرح یہ جنگلات پانی میں ڈوبتے اور اُبھرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ یہ جنگلات خالص سمندری پانی کے مقابلے میں اس علاقے میں زیادہ ہوتے ہیں، جہاں بارش کا پانی یا شہر کے ندی نالوں کے راستے سے آنے والا پانی سمندر میں آ کر گرتے ہیں اور پانی کی نمکینیت کو کم کرتے ہیں۔ کرنا کے جنگلات شمالی اور جنوبی نصف کرہ میں ۳۲ درجہ عرض البلد تک پھیلے ہوئے ہیں۔ براعظم آسٹریلیا میں یہ جنگلات

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

البتہ ۳۸ درجہ عرض البلد تک جاتے ہیں۔

پاکستان کے دوصوبوں سندھ اور بلوچستان کی سرحدیں سمندر سے ملتی ہیں، لیکن کرنا کے جنگلات زیادہ تر سندھ کے ساحل پر واقع ہیں۔ ایک سروے کے مطابق یہ جنگلات ۴۸۶، ۲۴۹ ہیکٹر پر پھیلے ہوئے ہیں۔ بلوچستان میں یہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کرنا کے جنگلات میں مختلف اقسام کے درخت پائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں یوں تو آٹھ قسم کے درخت ملے ہیں، لیکن جو قسم کثرت سے نظر آتی ہے اس کا نباتاتی نام (AVICENNIA MARINA) ہے۔ مقامی لوگ اسے تیمر (TIMER) کہتے ہیں۔ کرنا کے جنگلات ابتدا ہی سے انسان کی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ خاص طور پر ساحل سمندر کے قریب رہنے والے لوگ ان پر مکمل انحصار کرتے ہیں۔ آگ جلانے اور گھر بنانے کے لیے لکڑی، مویشیوں کے لیے چارا، کھانے کے لیے سمندری جانور (جھینگا، مچھلی وغیرہ) اس کے علاوہ مختلف بیماریوں کا علاج بھی ان درختوں سے کیا جاتا تھا۔ سمندر میں شکار پر جانے کے لیے کشتیاں بھی ان درختوں کی لکڑیوں سے بنتی تھیں۔

کرنا کے جنگلات کی اصل اہمیت اس میں آباد بے شمار قسم کے حیوانات اور نباتات سے ہے، جن کی وجہ سے یہ علاقہ نہایت زرخیز بن گیا ہے۔ درختوں کے پتے جب نیچے گرتے ہیں تو خُردبینی جراثیم ان کو نہایت قیمتی غذا میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ندی نالوں کے ذریعے سے آنے والے غیر نامیاتی اجزا یہاں پہنچ کر نامیاتی (وہ جس میں بڑھنے کی صلاحیت ہو) مرکبات میں تبدیل ہو جاتے ہیں، جن سے اس علاقے کی غذائی اہمیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جھینگے، مچھلیاں اور دوسرے اہم سمندری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جانور اس علاقے میں خاص طور سے خوراک حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ سمندری جھینگے اور مچھلیاں دوسرے ملکوں کو برآمد کر کے ہم کثیر تعداد میں زرمبادلہ حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح یہ جنگلات ہمارے ملک کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

کرنا کے جنگلات کو موجودہ دور میں ایک اور اہم کام میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی سمندری جانوروں کی آبی کاشت کے لیے۔ آبی کاشت کا مطلب ہے کہ جانوروں کو مطلوبہ مقدار اور موسم میں حاصل کرنے کے لیے مصنوعی طریقے سے پالنا اور نشوونما کرنا۔ کرنا کے جنگلات اس مقصد کے لیے بہت مفید پائے گئے ہیں، کیوں کہ ایک تو یہ سمندر کے قریب ہوتے ہیں، اس لیے سمندر کے پانی کو آسانی سے تالابوں میں لایا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تالاب بنانے کے لیے تمام چیزیں کرنا کے جنگلات میں مل جاتی ہیں۔ پھر علاقے کی زرخیزی کی وجہ سے جانوروں کی نشوونما کا عمل بھی تیز ہوتا ہے۔ اس وقت دنیا کے کئی ملکوں میں بحری جانوروں کی آبی کاشت ہو رہی ہے۔ ان میں مچھلیوں، جھینگوں، صدفی حیوانوں، کیکڑوں اور بحری نباتات کی کئی قسمیں شامل ہیں۔

ابتدائی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ۱۲۰ قسم کے غیر فقری حیوان پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق حیواناتِ صدفیہ (MOLLUSCS) سے ہے، جیسے سیپیاں وغیرہ۔ دوسرے نمبر پر قشریہ آتے ہیں۔ کچھ جانور ایسے بھی پائے جاتے ہیں، جو کرنا کے درختوں میں ہی رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ درخت میں داخل ہو جائیں تو ساری زندگی وہیں گزار دیتے ہیں۔ یہ درخت میں مستقل آگے بڑھتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے جسم کی لمبائی میں بھی اضافہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کرتے رہتے ہیں۔ یہ جانور درختوں کے لیے نقصان دہ ہیں، کیوں کہ درختوں کو اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ ان کو ''بحری دیمک'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔

کرنا کے جنگلات کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ یہ سمندری جھینگوں کی پرورش کے لیے بہت ضروری ہیں۔ جنوب مشرقی ایشیا کے کئی ممالک میں کرنا کے علاقے کو جھینگوں کی کاشت کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ فلپائن میں ۱۷۲۰۰۰ ہیکٹر علاقہ جھینگوں کی پرورش کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ ہماری تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ معاشی اہمیت کے جھینگوں کی کئی قسمیں کرنا اور اس کے قریب کے کم گہرائی والے علاقوں میں زندگی کا کچھ حصّہ گزارتی ہیں۔ یہاں انھیں اچھی غذا کے ساتھ موسم کی شدت اور سمندر کی تیز موجوں سے تحفظ بھی ملتا ہے۔

سمندر کے ساحلی علاقوں میں واقع کرنا کے جنگلات سے جو بحری حیوانات غذا کے طور پر کھانے کے لیے نکالے جاتے ہیں، ان میں جھینگوں اور مچھلیوں کے علاوہ کیکڑے اور صدفی جانور (سیپیاں) بھی شامل ہیں۔ کیکڑوں کا سوپ کراچی کے بعض ہوٹلوں میں ملتا ہے اور بہت مزے دار ہوتا ہے۔ اسی طرح سیپیوں کی تین قسمیں بھی لوگ بہت شوق سے کھاتے ہیں، البتہ ہمارے ہاں ان کا رواج نہیں ہے۔

یہ کرنا کے جنگلات سے متعلق چند خاص باتیں تھیں، جو آپ نے پڑھی ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کرنا کے جنگلات کسی ملک کی معیشت کے لیے کتنے اہم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان جنگلات کی خصوصی نگہداشت، منصوبہ بندی اور ان میں کثافت کی روک تھام کے لیے اقدامات کی ضرورت ہے، تاکہ ان سے اچھی طرح فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

سچی گواہی

ثمینہ پروین

چمن گل کو اللہ نے عقاب جیسی نگاہ عطا کی تھی۔ وہ ملک کی سرحد کے قریب پہاڑی علاقے میں رہنے والے ایک قبیلے کا سب سے اچھا نشانے باز تھا۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا تھا۔ بھاگتے ہوئے چوہے کی دُم پر گولی چلانا ہو یا اُڑتی ہوئی مکھی کو دس میٹر دور سے نشانہ بنانا ہو، یہ سب چمن گل کے لیے معمولی بات تھی۔

یہ چمن گل کے لڑکپن کا واقعہ ہے۔ بدر امیر، چمن گل کا بہت گہرا دوست تھا۔ چمن گل کا نشانہ اس وقت بھی اپنے برابر کے لڑکوں سے زیادہ عمدہ تھا۔ وہ نشانے بازی کے مقابلوں میں بہت کم کارتوس ضائع کرتا تھا۔ اس کے قبیلے میں کارتوس کسی ہیرے سے زیادہ قیمتی سمجھے جاتے تھے۔ چمن گل کے پاس ایک بہترین قسم کی رائفل تھی، جو اسے ایک کھائی میں پڑی ملی تھی۔ شاید پولیس مقابلے میں بھاگتے ہوئے کسی مجرم سے گر گئی تھی۔ یہ رائفل اسے سب سے زیادہ پسند تھی۔ وہ اسے دن رات اپنے پاس ہی رکھتا تھا۔ اگر کبھی گھر میں بھول بھی جاتا تو اسے ایسا لگتا جیسے وہ کپڑے پہننا بھول گیا ہو۔ وہ رائفل اس کے جسم کا حصہ بن گئی تھی۔ وہ اکثر اسے صاف کر کے چمکاتا رہتا تھا۔ وہ ان چیزوں پر بھی نشانہ لگانے کی مشق کرتا، جنھیں دوسرے لڑکے ناممکن سمجھتے تھے۔ وہ اس وقت تک مشق جاری رکھتا، جب تک صحیح نشانہ نہیں لگ جاتا۔

ایک روز اس کے قبیلے کی ایک جھونپڑی میں چوری ہو گئی۔ جھونپڑی ایک بوڑھے کی تھی، جس نے اپنی جمع پونجی مٹی کی ایک ہنڈیا میں ڈال کر زمین میں دبا دی تھی۔ بوڑھے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

نے قبیلے کے سردار سے شکایت کر دی۔ قبیلے کی روایت کے مطابق چوری کرنا، قتل کرنے سے بھی بڑا جرم تھا اور چور کی سزا صرف موت تھی۔

قبیلے کا سردار انصاف پسند آدمی تھا۔ اس نے سب لوگوں کو گھروں سے باہر نکال کر ایک میدان میں جمع کیا اور چند بڑی عمر کے لوگوں کے ساتھ ہر گھر کی تلاشی لینے کا فیصلہ کیا۔ چوری کا شبہ چمن گل کے دوست بدر امیر پر کیا جا رہا تھا، اس لیے سب سے پہلے اس کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ گھر میں ایک چارپائی کے نیچے تازہ کھدی ہوئی مٹی کے نشان نظر آ رہے تھے۔ ہنڈیا برآمد ہو گئی تھی، لیکن اس میں سے آدھی رقم غائب تھی۔

چوری کا ثبوت مل گیا تھا۔ چمن گل کو یہ بات پتا چلی تو اسے بہت غصہ آیا، کیوں کہ جس وقت چوری ہوئی، اس وقت چمن گل اور بدر امیر وہاں سے بہت دور جنگل میں شکار کر رہے تھے۔ اگر وہ چوری کرتا بھی تو رقم ایسی جگہ کیوں چھپاتا، جہاں سے سب کو آسانی سے مل جاتی۔ بدر امیر کا گواہ صرف چمن گل ہی تھا۔

قبیلے کے ایک نوجوان فضل رحیم سے بدر امیر کی دشمنی ہو گئی تھی۔ اسی نے بوڑھے کی جھونپڑی سے رقم چرا کر بدر امیر کے گھر میں چھپائی تھی، تاکہ چوری کا الزام بدر امیر پر لگے اور اسے موت کی سزا ہو جائے۔ فضل رحیم قبیلے کا ایک بدفطرت آدمی تھا، جس کی زبان بہت تیز چلتی تھی۔ چمن گل کو معلوم تھا کہ اس کا دوست بدر امیر بے گناہ ہے۔ فضل رحیم، سردار سے جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ ایسا چرب زبان تھا کہ کئی جھوٹے گواہ بھی لے آیا تھا، جن میں اس کے ملازم بھی شامل تھے۔ گواہوں کو رشوت دے کر راضی کیا گیا تھا۔ ایک نے کہا کہ میں نے بدر امیر کو ایک پوٹلی لے جاتے دیکھا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے بدر امیر کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اپنے سامنے گڑھا کھود کر اس میں کچھ دباتے دیکھا ہے۔

فضل رحیم اور اس کے گواہوں نے سردار اور دوسرے بزرگوں کے سامنے بدر امیر کے خلاف بیان دیا تو چمن گل کو اپنے دوست کی موت سامنے نظر آنے لگی۔ سردار نے سزا سنانے سے پہلے سب لوگوں سے پوچھا کہ کوئی مجرم کے حق میں گواہی دینا چاہتا ہے؟ صرف چمن گل ہی اپنے دوست کی بے گناہی کا گواہ تھا۔ جس رات چوری ہوئی، اس رات وہ دونوں ساتھ تھے، لیکن اتنے سارے گواہوں کے درمیان وہ اکیلا تھا اور فضل رحیم کی طرح اس کی زبان بھی نہیں چلتی تھی، اسے تو بس گولیاں چلانی آتی تھیں۔

چمن گل نے سردار کے پاؤں پکڑ لیے۔ بہت یقین دلایا کہ بدر امیر بے گناہ ہے، وہ اس رات کو میرے ساتھ ہرن کا شکار کر رہا تھا۔ سردار پر اس کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سردار نے کہا: ''تم اپنے دوست کی جان بچانے کے لیے جھوٹی گواہی دے رہے ہو۔'' پھر سردار اس کی نشانے بازی کا مذاق اُڑاتے ہوئے پوچھا: ''کیا تم سو گز دور زمین پر گڑی سوئی کا نشانہ لے سکتے ہو؟''

اس نے ہاں کہا تو سردار زور زور سے ہنسنے لگا۔ اسے شیخی باز اور جھوٹا قرار دیتے ہوئے کہا: ''سنو، تم نے اپنے نشانے کی جو شیخی بگھاری ہے، اس پر کوئی بھی یقین نہیں کرے گا۔ اس طرح تو تم خود اپنی زبان سے اپنے جھوتے ہونے کا اقرار کر رہے ہو، ہم کیسے تمھاری گواہی پر یقین کرلیں کہ چوری کی رات بدر امیر تمھارے ساتھ شکار کھیل رہا تھا۔ اگر تم اپنے نشانے کے بارے میں جھوٹ بول سکتے ہو تو اپنے دوست کو بچانے کے لیے بھی جھوٹ بول سکتے ہو۔''

یہ سن کر چمن گل غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے تیز آواز میں کہا: ''میں نے اپنے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

نشانے اور اپنے دوست سے بارے میں جو کچھ کہا ہے، وہ سچ ہے۔'' پھر اس نے زمین پر پڑا ایک سفید پتھر اُٹھایا جو مرغی کے انڈے سے بھی چھوٹا تھا۔ اس نے وہ پتھر سب کو دکھاتے ہوئے پوچھا: ''کیا کوئی شخص چار سو گز کے فاصلے سے اس پتھر کا نشانہ لے سکتا ہے؟''

یہ سن سب ہنسنے لگے۔ چار سو گز کے فاصلے سے تو یہ پتھر صاف نظر بھی نہیں آ سکتا۔ اپنی نشانہ بازی کا مذاق بنتے دیکھ کر اسے جوش آ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا: ''ہاں، میں بڑی آسانی سے صرف ایک گولی سے اس کا نشانہ لے سکتا ہوں۔''

مجمع پر دوبارہ ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ ان سب کا تعلق ایسے قبیلے سے تھا جو پیدا ہوتے ہی بندوق سنبھال لیتے ہیں۔ ان سب کا خیال تھا کہ چمن گل جوش میں آ کر وہ اپنے ہوش کھو بیٹھا ہے۔ چمن گل نے چیخ کر سردار سے کہا کہ اس کا امتحان لے لیا جائے۔

سردار نے ہاتھ اُٹھا کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بلند آواز میں کہا: ''بدر امیر کے خلاف دس آدمیوں نے گواہی دی ہے، لہٰذا اس کا چور ہونا ثابت ہوتا ہے، مگر چمن گل قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس کا دوست بے گناہ ہے۔ چمن گل اپنے نشانے کے بارے میں بھی ایسی باتیں کرتا ہے، جن پر کوئی یقین نہیں کر سکتا۔ یا تو چمن گل قبیلے کا سب سے جھوٹا نوجوان ہے یا پھر سب سے زیادہ سچا۔ مجھے تو وہ نشانے باز کے بجائے شیخی باز لگ رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا جھوٹ سب کے سامنے کھولا جائے، تاکہ آئندہ کوئی شخص جھوٹی گواہی دینے کی ہمت نہ کر سکے۔ میں نے ایک ترکیب سوچی ہے۔ اگر یہ سچا ہے تو اس کی سچائی اور بدر امیر کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی اور یہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ سب کے سامنے کھل جائے گا اور اس کے دوست کو پوری سزا بھی مل جائے گی۔ کل بدر امیر کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

گاؤں سے باہر لکڑی کے کھمبے سے اس طرح باندھا جائے گا کہ وہ ذرا بھی حرکت نہ کر سکے، پھر اس کے سر پر یہ پتھر رکھا جائے گا۔ چمن گل چار سو گز کے فاصلے سے اس کا نشانہ لے گا۔ اگر چمن گل نے اپنے دوست کے سر پر رکھا ہوا پتھر ایک ہی گولی میں اس طرح اُڑا دیا کہ بدر امیر کو ذرا بھی خراش نہ آئے تو میں خدا کی طرف سے اسے بدر امیر کی بے گناہی سمجھوں گا۔ اسے اسی وقت رہا کر دیا جائے گا، لیکن اگر چمن گل کا نشانہ خطا ہو گیا تو فیصلے کے مطابق سزا دی جائے گی۔ اگر چمن گل کی گولی اس کے دوست کو جا لگی اور وہ اس سے مر گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ خدا نے خود مجرم کو سزا دے کر انصاف کر دیا ہے۔ چمن گل تم نے میرا حکم سن لیا؟ کیا تم اس امتحان کے لیے تیار ہو؟''

اگر چمن گل انکار کرتا تو اسے جھوٹا قرار دیا جاتا اور اس کا دوست مارا جاتا۔ چناں چہ اس نے رضامندی کا اظہار کر دیا۔ اس طرح اپنے دوست کو بچانے کا ایک موقع تو مل رہا تھا۔ رات بھر وہ اپنی بندوق صاف کرتا رہا اور دعا کرتا رہا کہ خدا ایک بے گناہ کی حفاظت کرے۔

صبح جب سورج روشن ہو گیا تو سردار کے آدمی چمن گل کو گاؤں سے باہر میدان میں لے گئے، جہاں اس کے نشانے اور اس کے دوست کی بے گناہی کا امتحان ہونے والا تھا۔ بدر امیر کو زمین میں گڑے لکڑی کے ایک کھمبے سے اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ بالکل حرکت نہ کر سکے۔ سردار نے خود اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر پتھر جما کر رکھا تھا۔ چمن گل چار سو گز دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ سردار، گاؤں کے دوسرے بزرگ، فضل رحیم اور اس کے ساتھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ پہلے چمن گل کا ارادہ تھا کہ نشانہ لے کر فوراً گولی چلا دے گا، لیکن جب وقت آیا تو اس کا دل اتنی زور سے دھڑکنے لگا کہ اس کے ہاتھ بھی ہلنے لگے۔ سفید پتھر اس کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

نظروں کے سامنے اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ پسینا سر سے بہ کر اس کی آنکھوں میں جانے لگا۔ اس نے بندوق کی نال نیچے کر دی۔ فضل رحیم اور اس کے ساتھیوں نے قہقہہ لگایا۔ ان کے خیال میں چمن گل ڈر گیا ہے۔ واقعی وہ کچھ خوف زدہ تو تھا، لیکن اپنی کیفیت سب پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سردار سے کہا: ''کیا وہ اسے کچھ رعایت دے سکتا ہے؟''

''کیا چاہتے ہو؟'' سردار نے پوچھا۔

''میں تماشا دیکھنے والوں کو شرمندہ کرنا چاہتا ہوں، وہ سمجھتے ہیں کہ چار سو گز کے فاصلے سے میں اس چھوٹے سے پتھر کا نشانہ نہیں لے سکتا۔ میں مزید سو گز پیچھے جانا چاہتا ہوں، تاکہ انھیں بتاؤں کہ میرا نشانہ کتنا سچا ہے۔''

سردار اس پر فوراً راضی ہو گیا۔ چمن گل پیچھے ہٹا اور ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں پہنچ گیا۔ وہاں سے اس نے بدرامیر کے سر پر رکھے پتھر کو دیکھنے کی کوشش کی تو اسے ایک چھوٹا سا سفید دھبا نظر آیا۔ چمن گل نے رائفل کی نال ایک بار پھر نیچے کر دی۔

فضل رحیم اور اس کے ساتھی ٹھٹھے لگانے لگے۔ ان میں سے کچھ نے دونوں ہاتھ گول کر کے منھ پر رکھے اور پوچھا: ''چمن گل! گولی چلانے سے ڈر لگتا ہے کیا؟''

چمن گل نے غصے سے زمین پر تھوکا اور بولا: ''فاصلہ اب بھی کم ہے، اتنے کم فاصلے سے نشانہ لگانا میری توہین ہے۔'' پھر اس نے سردار سے کہا: ''اگر وہ اجازت دے تو میں پہاڑی کی چوٹی سے اپنے نشانے کی سچائی ثابت کروں؟''

سردار بھی ان سب کے ساتھ ہنس رہا تھا، اس نے فوراً اجازت دے دی۔

پہاڑی چھوٹی تھی، لیکن اس پر چڑھنا دشوار تھا۔ چمن گل کسی نہ کسی طرح پہاڑی کی چوٹی پر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پہنچ گیا۔ یہ اس کے لیے آخری موقع تھا۔ وہ جگہ بنا کر پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ بندوق کا دستہ مضبوطی کے ساتھ کندھے سے لگا لیا۔ اب پورا میدان اس کے سامنے تھا۔ اس نے نشانہ لیتے ہوئے بندوق کی لبلبی پر دباؤ بڑھایا، پھر سانس روک کر گولی چلا دی۔

بندوق کی نال کا رُخ بدرامیر کی طرف نہیں تھا، بلکہ دور کھڑے فضل رحیم کی طرف تھا۔ گولی اس کی ٹانگ میں لگی تھی۔ فضل رحیم کا بھائی اس کی طرف بڑھا تو دوسری گولی اس کے بازو میں لگی۔ تیسری گولی سے ان دونوں کے باپ کی ٹوپی اُڑ کر دور جا گری۔ مزید دو گولیوں سے دو جھوٹے گواہ بھی زخمی ہو چکے تھے۔ میدان میں پناہ لینے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ دور دور تک نہ کوئی درخت تھا نہ کوئی جھاڑی تھی۔ چمن گل چاہتا تو سب جھوٹوں کو جان سے مار سکتا تھا، مگر وہ صرف اپنے نشانے کی سچائی ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ چھٹی گولی سردار کے کان کے قریب سے گزر گئی تھی۔ چمن گل نے چلا کر سردار سے پوچھا:

''سردار! اب کیا کہتے ہو؟ کیا یہ لوگ میری نشانے بازی سے مطمئن ہیں؟''

سردار کے ساتھ سب نے ہاتھ اُٹھا کر کہا: ''بدرامیر بے گناہ ہے۔ خدا کے واسطے اور گولیاں مت چلانا۔ ایسا نہ ہو کہ نشانہ خطا ہو جائے اور کسی کی جان چلی جائے۔''

گولیوں کی زبان سردار سمیت سب کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ انھیں یقین آ گیا تھا کہ چمن گل کا نشانہ پکا ہے، ورنہ وہ کم از کم فضل رحیم کو تو مار ہی دیتا۔ اس کا نشانہ بھی سچا اور اس کی گواہی بھی سچی ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کابوس کا شکار

خلیل جبار

نبیل کھیتوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ اچانک اسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکا۔ نبیل نے جیسے ہی پلٹ کر دیکھا، اس کی چیخ نکل گئی۔ دو لمبے لمبے سینگوں اور خوف ناک شکل والے آدمی اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ ان کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ ابھی وہ بھاگنے کا ہی سوچ رہا تھا کہ ان دونوں نے نبیل کو پکڑ لیا۔

ایک بولا: ''ہم سے بچ کر کہاں جاؤ گے!''

''آج ہم تمھارا گلا گھونٹ دیں گے۔'' دوسرا بولا اور اس نے نبیل کی گردن پر ہاتھ رکھا۔

نبیل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا، پھر وہ چیخنے لگا اور وہ دونوں زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔

ان میں سے ایک بولا: ''شور کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہاں دور دور تک کوئی نہیں ہے، جو تمھیں ہم سے بچا سکے۔''

دوسرے نے کہا: ''ہم جنات ہیں اور اب تمھارا خون پییں گے۔''

دونوں نے نبیل کو بازوؤں میں جکڑ لیا اور اس کے منھ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

''نبیل بیٹے! کیا ہوا؟'' امی جان نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے نبیل! کیوں چیخ رہے ہو؟'' ابا جان نے اس کے بیدار ہونے پر پوچھا۔

''امی! وہ...... دونوں جن میرا خون پینا چاہتے ہیں۔'' نبیل نے بستر پر اُٹھ کر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بیٹھتے ہوئے بتایا۔

''جن...... یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے!'' امی جان نے حیرت سے کہا۔

''میرا خیال ہے، یہ آج پھر خواب میں ڈر گیا ہے۔'' ابا جان نے کہا۔

''خواب میں انسان ایک دن ڈرتا ہے، دو دن ڈرتا ہے، روز روز نہیں ڈرتا۔ مجھے لگتا ہے اس پر کسی آسیب کا سایہ ہے، جو آئے دن نبیل کو خواب میں ڈراتا ہے۔'' امی جان نے پریشان ہو کر کہا۔

''پھر کیا کریں؟'' ابا جان نے پوچھا۔

''کسی عامل کو لے کر آئیں۔ وہی آسیب کو بھگائے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں کل ہی کسی عامل سے بات کرتا ہوں، تاکہ اس آسیب سے نبیل کی جان چھوٹ جائے۔''

''اب تم سو جاؤ، صبح دیکھیں گے۔'' امی جان نے بیٹے سے کہا۔

نبیل امی، ابو کے جانے کے بعد چارپائی پر لیٹ گیا، مگر خاصی دیر تک اس کے ذہن پر خواب کا اثر رہا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آسیب اس کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ آئے دن اسے خواب سے ڈرا رہے تھے۔ اس نے آخر ان کا کیا بگاڑا ہے۔ انھی سوچوں میں گم نبیل کو ایسی نیند آئی کہ پھر صبح ہی اس کی آنکھ کھلی۔

صبح چھٹی تھی۔ نبیل ناشتا کر کے باہر جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے ابا جان ایک عامل کو لے آئے۔ بابا کے سر کے لمبے لمبے بال تھے۔ لمبا کرتا اور دھوتی پہنے ہوئے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

تھا۔ سر پر لمبی سفید ٹوپی تھی۔ ہاتھوں کی انگلیوں میں مختلف قسم کی انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں۔ بابا نے گھر میں داخل ہوتے ہی چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

"ہوں...... خطرناک، بہت خطرناک قسم کے خبیث آسیب نے اس گھر میں بسیرا کر لیا ہے۔"

"بابا! وہ ہمارے بچے کو تنگ کر رہا ہے۔"

"ابھی آسیب بچے کو تنگ کر رہا ہے، پھر وہ پورے گھر کے افراد کو تنگ کرے گا۔ تم لوگوں نے اچھا کیا، جو مجھے بلا لیا ہے۔ میں اس آسیب کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ پھر اِدھر کا رُخ نہیں کرے گا۔ بچے کو میرے پاس لاؤ" بابا نے کہا۔

"نبیل! آ جاؤ، بابا آ گئے ہیں۔" ابا جان نے نبیل کو اپنے پاس بلایا۔

"نبیل بیٹے! تم زمین پر سیدھے لیٹ جاؤ۔" بابا بولے۔

نبیل نے بابا کی بات پر عمل کیا اور سیدھا لیٹ گیا۔ بابا نے منھ ہی منھ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے سرہانے کئی اگربتیاں بھی جلا دیں، جس کا دھواں سیدھا نبیل کی ناک کے ذریعے سے دماغ میں گھس گیا۔ اس نے گھبرا کر جیسے ہی اُٹھنا چاہا۔ بابا نے اسے اُٹھنے سے منع کر دیا اور گھر والوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "دیکھ لو، آسیب پریشان ہو گیا اور وہ لڑکے کو کسی طرح یہاں سے بھگانا چاہتا ہے، تاکہ میرا عمل رائیگاں جائے، مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

"بابا......" نبیل نے انھیں اُٹھنے کی اصل وجہ بتانا چاہی۔

"خبردار! تم کچھ مت بولنا، ورنہ میرا عمل خراب ہو جائے گا۔" بابا سختی سے بولے۔

بابا نے اگربتی کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی جلانا شروع کر دیں، جس سے نبیل کا دم

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

گھٹنے لگا۔ نبیل اُٹھ کر بھاگ جانا چاہتا تھا، مگر بابا نے زبردستی اسے پکڑ رکھا تھا۔

"مجھے پتا ہے، تم میرے عمل سے گھبرا گئے ہو، مگر میں تمھیں اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ دوں گا۔" بابا نے کہا۔

"مجھے چھوڑ دو، میرا دم گھٹ رہا ہے۔" نبیل نے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔

"میں تمھارا پیچھا چھوڑ دوں گا، تم اس بچے کا پیچھا چھوڑ دو۔"

نبیل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس موقع پر کیا کہے۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے آواز کو خوف ناک بناتے ہوئے کہا: "ہاں، ہم چھوڑ دیں گے۔ ابھی جا رہے ہیں۔ تم بھی اپنی منحوس صورت لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''میری صورت منحوس ہے۔'' یہ کہہ کر عامل نے نبیل کا گلا پکڑ لیا۔

''نہیں...... نہیں ...... ہم منحوس ہیں۔'' نبیل نے کہا۔

''کب اس کا پیچھا چھوڑو گے؟''

''ابھی اور اسی وقت۔''

''ٹھیک ہے، جاؤ دفع ہو جاؤ۔'' بابا نے نبیل کا گلا چھوڑ دیا۔

گلے پر ہاتھ ہٹنے سے اس کا گلا ٹھیک ہو گیا تھا، مگر دھواں مسلسل دماغ پر چڑھنے سے اس کا سر چکرا رہا تھا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' اچانک نبیل کے ماموں اپنے دوست ڈاکٹر نوید کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔

بابا نے کہا: ''اس بچے پر خطرناک قسم کا آسیب ہے۔ اسے ہم نے وقتی طور پر نکال بھگایا ہے، مگر وہ پھر یہاں آ جائے گا۔ میں ایک نقش بنا کر دوں گا۔ اسے گھر میں لگا لینا، پھر کبھی یہ آسیب تمھیں تنگ نہیں کرے گا۔''

''یہ کیسے پتا چلا ہے کہ اس پر آسیب ہے؟'' ڈاکٹر نوید نے پوچھا۔

بابا نے کہا: ''اس بچے کو سوتے میں ڈراؤنے خواب آتے ہیں اور یہ سونے میں چیختا ہے۔''

''یہ بڑے خطرناک قسم کا آسیب لگتا ہے، واقعی اس کا علاج بہت ضروری ہے۔'' ڈاکٹر نوید نے حیرت کا اظہار کیا۔

بابا نے کہا: ''ہاں، اس آسیب کا علاج بہت ضروری ہے، ورنہ یہ آسیب سارے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

گھر کو تنگ کرے گا''

''اس آسیب کا علاج شہر میں بہت اچھا ہوتا ہے۔'' ماموں نے کہا۔

''کیا واقعی شہر میں علاج ہوتا ہے؟'' ابا جان چونکے۔

''ہاں، شہر میں اب آسیب کا علاج بہت اچھا ہونے لگا ہے۔'' ڈاکٹر نوید نے کہا۔

''میں ایسا نقش دوں گا کہ بچے کو شہر لے جانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔'' بابا نے کہا۔

بابا اپنا نذرانہ لے کر چلا گیا۔

''نبیل کی طبیعت ہفتے دس دن میں ٹھیک ہو جاتی ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ اسے شہر میرے اسپتال میں لے آنا۔ وہاں ایسے مریضوں کا علاج بہت اچھا ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر نوید نے بتایا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''ٹھیک ہے، ہم ایسا ہی کریں گے۔'' ابا جان نے کہا۔

عامل ہر دوسرے دن آتا اور نبیل پر دَم کر کے چلا جاتا۔ نبیل کی طبیعت سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی۔ ابا جان کو مجبوراً نبیل کو ماموں کے پاس شہر بھیجنا پڑا، جہاں نبیل پندرہ دن گزار کر واپس گاؤں آ گیا۔ ڈاکٹر نوید نے اسے کھانے کو کچھ دوائیاں بھی دی تھیں، جنھیں نبیل نے باقاعدگی سے کھایا۔ اب اسے آسیب راتوں میں تنگ نہیں کر رہے تھے۔ دواؤں کا کورس مکمل ہونے پر نبیل ٹھیک ہو گیا اور وہ پُرسکون نیند سونے لگا تھا۔

دو ماہ گزر جانے پر نبیل کے ماموں گاؤں آئے۔ ابا جان نے ڈاکٹر کی تعریف کرتے ہوئے کہا: ''ہم نے سنا تھا کہ ڈاکٹر جسمانی امراض کا علاج کرتے ہیں۔ تمھارے ڈاکٹر دوست تو آسیب کا بھی علاج کرتے ہیں۔ بابا سے جو آسیب قابو میں نہیں آ رہا تھا، اس پر ڈاکٹر صاحب نے قابو پا لیا۔''

''نبیل پر آسیب کا اثر نہیں تھا۔'' ماموں نے بتایا۔

''پھر کیا تھا؟'' امی جان چونکیں۔

''نبیل کو 'کابوس' نامی بیماری تھی۔ اس بیماری میں انسان سوتے میں ڈر جاتا ہے اور ڈر کر چلّانے لگتا ہے۔ میں اور میرا دوست ڈاکٹر نوید اس وقت یہ بات کرتے تو شاید آپ لوگ ہماری بات کا یقین نہ کرتے۔ اب اس کا علاج ہو گیا، اس لیے اب آپ میری بات کا یقین کر لیں گے۔'' ماموں نے کہا۔

''تم نے واقعی کمال کر دیا ہے، ورنہ ہم بابا کے چکر میں پڑے رہتے اور نبیل کا علاج نہ ہو پاتا۔'' امی جان نے خوش ہوتے ہوئے اپنے بھائی سے کہا۔

یہ سن کر ابا جان بھی مسکرا دیے۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

محمد احمد تاجور

کہتے ہیں کہ کسی گاؤں سے تھوڑے فاصلے پر ایک بہت گھنا جنگل تھا، جو میلوں میل رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس میں بھانت بھانت کے بے شمار جانور رہتے تھے، لیکن ان میں ایک بھی آدم خور درندہ نہیں تھا۔ اسی جنگل کے شروع میں ایک جھونپڑی تھی، جس میں ایک لکڑ ہارا اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہ ہر روز صبح سویرے اُٹھتا، ناشتا کرتا اور اپنے گدھے کو لے کر جنگل میں چلا جاتا۔ درختوں کی سوکھی شاخوں کو کاٹتا اور پھر انھیں گدھے پر لاد کر قریبی قصبے کے بازار میں جا کر بیچ دیتا۔ چوں کہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جنگل میں کبھی کوئی آدم خور درندہ نہیں دیکھا گیا تھا، اس لیے لکڑ ہارے کا کام اطمینان سے چل رہا تھا۔

مگر ایک دن کچھ ایسا ہوا کہ خوف کے مارے اس کے پورے جسم میں ایک تھرتھری سی چھوٹ گئی۔ لکڑیاں کاٹنے کے بعد وہ تھوڑی دیر آرام کرنے کی نیت سے ایک گھنے درخت کے نیچے آ کر لیٹ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اسے ایک خوف ناک دہاڑ سنائی دی۔ لکڑ ہارے کو ایسا لگا، جیسے زمین ہلنے لگی اور پورا جنگل کانپنے لگا ہو۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے دیکھا تو اسے جھاڑیوں سے ایک بہت بڑا چیتا نکل کر اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ خوف کے مارے لکڑ ہارے کا پورا بدن کانپنے لگا۔ اب بچنے کی کوئی صورت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

نہیں رہ گئی تھی۔ نہ تو وہ بھاگ سکتا تھا اور نہ درخت پر چڑھ کر اپنی جان بچا سکتا تھا، کیوں کہ اس نے سن رکھا تھا کہ چیتے درختوں پر بھی آسانی سے چڑھ جاتے ہیں۔

اس نے سچے دل سے اللہ کو یاد کیا اور آنکھیں بند کر کے اپنے آخری انجام کا انتظار کرنے لگا۔ چیتا آرام سے چلتا ہوا اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ جب تھوڑی دیر تک کچھ نہ ہوا تو لکڑہارے نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھول دیں۔ چیتا بڑے دوستانہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

''تھک گئے ہو؟'' چیتے نے بڑی نرمی سے کسی آدمی کی طرح پوچھا۔

لکڑ ہارا حیرت سے اُچھل پڑا۔ کیا کوئی چیتا کسی آدمی کی طرح بات کر سکتا ہے۔ نہیں، یہ جانور نہیں کوئی بھوت ہے یا پھر جن ہوگا۔ لکڑ ہارے نے سوچا۔

لکڑ ہارے نے قدرے خوف زدہ آواز میں کہا: ''نہیں بھائی! تھکا ہوا تو نہیں ہوں، بس یونہی ذرا کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گیا تھا۔''

''ٹھیک ہے، تم آرام کرو۔ میں تمھارے لیے لکڑیاں جمع کرتا ہوں۔''

چیتے نے دوستانہ لہجے میں کہا اور پھر اپنے کام میں جٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب لکڑ ہارا قصبے کی طرف جا رہا تھا تو اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات گردش کر رہے تھے کہ یہ چیتا کہاں سے آیا ہے، پہلے کہاں تھا، اتنی عمر ہونے کو آئی، لیکن میں نے کبھی نہیں سنا کہ اس جنگل میں چیتا بھی پایا جاتا ہے اور پھر آدمیوں کی طرح روانی سے باتیں کر رہا تھا۔ خیر، مجھے کیا! اس نے مجھے کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا، بلکہ میری مدد ہی کی ہے۔ بہتر ہے کہ میں اس راز کو راز ہی رہنے دوں، ورنہ گاؤں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

والے اس کہانی کو سن کر میرا مذاق اُڑانا شروع کر دیں گے کہ لو، اور سنو، جنگل میں ایک ایک چیتا آ گیا ہے، جو آدمیوں طرح باتیں کرتا ہے۔ واہ، کیا مزے کی کہانی بنائی ہے بھائی نے۔

دوسرے دن چیتا اسی درخت کے نیچے پہلے سے موجود تھا اور پھر یہ دوستی اسی طرح آگے بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک مہینا گزر گیا۔ عین ممکن تھا کہ یہ دوستی یونہی جاری رہتی، مگر لکڑہارے کی سادہ لوحی کی وجہ سے اس میں ایک ڈرامائی موڑ آ گیا۔

ایک دن اسی درخت کے نیچے جہاں سے دوستی کا سفر شروع ہوا تھا، لکڑہارا اپنی سوچوں میں گم بیٹھا تھا کہ چیتا آیا اور اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ چیتے نے اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا، ورنہ وہ دو تین قدم کے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا۔

اچانک انتہائی غلیظ اور نا قابلِ برداشت بد بو کا ایک بھپکا سا اُٹھا اور لکڑہارے کے وجود پر چھا گیا۔ اسے ایک زبردست اُبکائی سی آئی، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح برداشت کر گیا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے چیتے کے سر کو جھٹک کر اُٹھنے کی کوشش کی تو یہ بات اسے بُری لگ سکتی ہے، جس کا نتیجہ خوش گوار تو ہرگز نہیں نکل سکتا تھا، لہٰذا وہ قیامت کے ان لمحات کو برداشت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ خود قدرت کو اس پر رحم آ گیا اور چیتا خود ہی اُٹھ کر تھوڑے فاصلے پر جا کر بیٹھ گیا۔ لکڑہارے کو ایسا لگا، جیسے ایک قیامت تھی جو اسے چھوتی ہوئی گزر گئی ہو۔

ایسی غلیظ بد بو! الٰہی توبہ، الٰہی توبہ۔ لکڑہارے نے دل میں کہا۔

چیتے نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا: ''اچھا دوست! ایک بات بتاؤ کہ تم

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟''

لکڑ ہارے کو اچھا موقع ملا تھا کہ وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے چیتے کے دل میں مزید جگہ بنا لیتا اور اس نے ایسا کیا بھی، لیکن اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے آخر میں ایک ایسی بات کہہ گیا جو اسے ہرگز نہیں کہنی چاہیے تھی۔

''پیارے دوست!'' لکڑ ہارے نے کہنا شروع کیا: ''میں تمھارے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا کروں۔ تم جوان ہو، خوب صورت ہو، طاقت ور ہو اور اس جنگل کے بے تاج بادشاہ ہو۔ سب جانور تم سے ڈرتے ہیں، لیکن تم خود کسی سے نہیں ڈرتے۔''

''واقعی دوست! کیا واقعی؟'' چیتے کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا: ''تم سچ کہہ رہے ہو!''

''بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ میں بھلا جھوٹ کیوں بولوں گا۔'' لکڑ ہارے نے کہا: ''تمھارے بال ریشم کی طرح نرم اور چمکیلے ہیں اور جسم پر پڑی ہوئی دھاریاں تو اتنی خوب صورت ہیں کہ ان کی تعریف نہیں ہو سکتی۔''

''شکریہ دوست! بہت بہت شکریہ۔'' چیتا خوشی سے سرشار لہجے میں بولا: ''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔''

''مگر دوست! بُرا نہ ماننا۔ اتنی خوبیوں کے ساتھ تمھارے اندر ایک خرابی بھی ہے۔'' لکڑ ہارے نے اب وہ بات کہہ دی، جو اسے ہرگز نہیں کہنی چاہیے تھی۔

''تمھارے جسم سے ایسی کراہت آمیز بدبو نکلتی ہے کہ آدمی کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ یقین جانو، اگر ایسی بدبو میرے جسم سے اُٹھنے لگے تو میرے بیوی بچے مجھے گھر میں نہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

گھسنے دیں۔‘‘

چیتے کا چمکتا ہوا چہرہ بجھ کر رہ گیا۔ چہرے کے تاثرات بدل گئے اور آنکھوں سے غیض و غضب ٹپکنے لگا۔ اس نے کھڑے ہو کر ایک زبردست دہاڑ ماری کہ پورا جنگل گونج گیا۔

’’سنو لکڑ ہارے! فوراً اپنی لکڑیاں سنبھالو اور میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔‘‘ چیتے نے غرا کر کہا: ’’اور آئندہ کبھی اس جنگل میں قدم نہ رکھنا۔ تم دوستی کے لائق نہیں ہو۔ ایک سچا دوست دوسرے دوست کی صرف خوبیاں اور اچھائیاں نظر میں رکھتا ہے۔ خرابیوں سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اگر تم میرے جسم سے اُٹھنے والی بدبو کا ذکر نہ کرتے اور اپنے دوست کا دل دکھانے سے باز رہتے تو تمھارا کیا نقصان ہوتا۔ یہ بدبو قدرت نے مجھے بخشی ہے، لہٰذا میں اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ اس میں قدرت کی کیا مصلحت ہے، یہ میں نہیں جانتا۔ پہلی ملاقات میں تمھیں چیر پھاڑ کر کھا جانے کی بجائے میں نے تمھیں دوست بنانے کو ترجیح دی اور تمھاری مدد کرتا رہا، لیکن اس کے بدلے تم نے مجھے اپنی نظروں میں ذلیل کر دیا۔ یاد رکھو لکڑ ہارے! ہتھیار کا زخم وقت کے ساتھ ساتھ بھر جاتا ہے اور نشان بھی مٹ جاتا ہے، لیکن زبان جو زخم لگاتی ہے، وہ کبھی نہیں بھرتا۔ زبان کا وار زندگی بھر اذیت دیتا رہتا ہے۔ خیر جو ہوا سو ہوا، آج سے ہماری دوستی ختم ہوئی۔ خیال رکھنا کہ آئندہ کبھی ہمارا آمنا سامنا نہ ہو۔‘‘

اتنا کہہ کر چیتا شاہانہ چال چلتا ہوا جھاڑیوں میں گم ہو گیا۔

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

قرآن مجید کی دو اہم سورتیں

سورۂ یٰسین قرآن مجید کی ۳۶ ویں سورت ہے۔ یہ مکی سورت ہے جو قرآن مجید کے ۲۲ ویں پارے کے آخر میں اور ۲۳ ویں پارے کے شروع میں ہے۔ اس سورت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن مجید کا دل سورۂ یٰسین ہے۔''

اس سورت میں قیامت، حشر اور دیگر مضامین تفصیل سے آئے ہیں۔

ایک اور اہم سورت سورۂ رحمٰن قرآن مجید کی ۵۵ ویں سورت ہے۔ یہ بھی مکی ہے، جو ۲۷ ویں پارے میں ہے۔ اس میں انسانوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی ایک اور مخلوق ''جن'' سے بھی خطاب کیا گیا ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو ۳۱ بار جتایا ہے:

(ترجمہ) ''تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔'' اس میں سزا اور جزا کا نظام واضح انداز میں سمجھایا گیا ہے اور نیک لوگوں کے بارے میں آخرت کے بے شمار انعامات بیان کیے گئے ہیں۔

سیاسی مُشیر

تحریکِ پاکستان کے رہنما نواب صدیق علی خاں، پاکستان کے چار وزرائے اعظم کے سیاسی مُشیر (پولیٹیکل سیکرٹری) رہے۔ نواب صدیق علی خاں ۱۹۰۰ء میں ناگپور (بھارت)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com
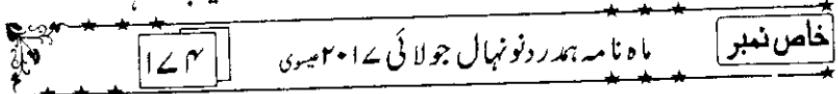
میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے تحریکِ پاکستان میں بھر پور حصہ لیا۔ آزادی کے بعد پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں کے سیاسی مُشیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین پھر محمد علی بوگرہ اور پھر حسین شہید سہروردی کے بھی مُشیر رہے۔ ان کا انتقال ۹ جنوری ۱۹۷۴ء کو کراچی میں ہوا۔

ادیب اور سول سرونٹ (بیوروکریٹ) قدرت اللہ شہاب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ دو گورنر جنرل اور دو صدور (صدر کی جمع) کے مشیر (سیکرٹری) مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں وہ گورنر جنرل ملک غلام محمد کے سیکرٹری بنے۔ اس کے بعد وہ اسکندر مرزا کے بھی سیکرٹری رہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان جمہوریہ بنا تو گورنر جنرل کا عہدہ صدر میں تبدیل ہو گیا اور آخری گورنر جنرل اسکندر مرزا، ملک کے پہلے صدر قرار پائے۔ وہ صدر اسکندر مرزا کے بعد محمد ایوب خاں کے بھی سیکرٹری رہے۔ اس طرح انھیں دو گورنر اور دو صدور کے سیکرٹری رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے۔ ''شہاب نامہ'' ان کی مشہور آپ بیتی ہے۔ قدرت اللہ شہاب ۱۹۱۷ء میں گلگت میں پیدا ہوئے۔ ان کا انتقال ۲۴ جولائی ۱۹۸۶ء کو ہوا۔

اولمپک گیمز

اولمپک کھیل ہر چار سال بعد منعقد ہوتے ہیں۔ موجودہ اولمپک کھیلوں کا آغاز ۱۸۹۶ء میں یونان سے ہوا۔ اس کا میزبان ہر بار نیا ملک بنتا ہے۔ اس کھیل کا دورانیہ عموماً دو ہفتے رہتا ہے۔

سب سے طویل دورانیے کے اولمپک کھیل ۱۹۰۰ء میں فرانس کے شہر پیرس میں منعقد ہوئے۔ ان کا دورانیہ پانچ مہینے اور آٹھ دن تھا۔

سب سے کم عرصے جاری رہنے والے کھیل ۱۸۹۶ء میں یونان میں منعقد ہوئے۔ یہ کھیل صرف ۱۰- دن جاری رہے۔ اس کھیل کا آغاز مشعل جلا کر کیا جاتا ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

دو براعظموں میں

ترکی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دو براعظموں میں واقع ہے۔ ترکی کا شہر استنبول آبنائے باسفورس کے دونوں جانب (یعنی ایشیا اور یورپ) آباد ہے۔ اس شہر کا پرانا نام قسطنطنیہ تھا۔ اسے ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو سلطان محمد فاتح نے فتح کیا تھا۔ توپ کاپی میوزیم اور نیلی مسجد یہاں کے قابلِ دید مقامات ہیں۔ مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مزار بھی اسی شہر میں واقع ہے۔

اسی طرح مصر وہ دوسرا ملک ہے جو دو براعظموں میں واقع ہے۔ اس کا کچھ حصہ ایشیا اور باقی حصہ افریقا میں واقع ہے۔ مصر ایک تاریخی ملک ہے۔ یہاں کبھی فرعونوں کی حکومت تھی۔ ایک فرعون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کرتے ہوئے اپنی فوج سمیت دریائے نیل میں غرق ہوا۔ آج اُسی فرعون کی ممی (مسالا لگا کر محفوظ کی ہوئی لاش) انسانوں کی عبرت کے لیے عجائب گھر میں موجود ہے۔ یہاں کے اہرام کا شمار قدیم عجائبات میں ہوتا ہے۔ قاہرہ اس کا دارالحکومت ہے۔

پینگوئن / پینگولین

پینگوئن (PENGUIN) پانی اور خشکی کا ایسا جانور ہے، جس کے سیاہ اور سفید پَر نما بازو ہوتے ہیں۔ دیکھنے میں یہ پرندہ لگتا ہے، مگر اس کے بازو اسے تیرنے میں مدد دیتے ہیں، ان سے وہ اُڑ نہیں سکتا۔ یہ نہایت سرد علاقوں جیسے انٹارکٹیکا میں پایا جاتا ہے۔ یہ سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے۔ اس کے پیر جھلی دار ہوتے ہیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اسی سے ملتے جلتے نام کا ایک جانور پینگولین (PANGOLIN) ہے جو درمیانے قد کا جانور ہے۔ اس کی لمبائی تین سے چار فیٹ تک ہوتی ہے۔ اس کی ٹانگیں چھوٹی اور دُم لمبی ہوتی ہے۔ اس کی زبان بھی لمبی اور لیس دار ہوتی ہے۔ اس کی خوراک چیونٹیاں ہیں۔ اس کے منھ میں دانت نہیں ہوتے۔ یہ درخت پر آسانی سے چڑھ سکتا ہے۔ خطرے کے وقت یہ اپنا سر سینے میں چھپا کر خود کو گول گیند کی طرح کر لیتا ہے۔ یہ جنوب مشرقی ایشیا، انڈونیشیا اور افریقا کے کچھ حصوں میں پایا جاتا ہے۔

یورینیئم / یورینیئم سٹی

یورینیئم (URANIUM) ایک بھاری سفید دھاتی عنصر کا نام ہے، جس سے تابکار شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔ یہ بڑی کارآمد اور مہنگی دھات ہے۔ اسے ایٹمی توانائی کا اہم ترین عنصر سمجھا جاتا ہے۔ اسے ایٹم بم بنانے کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اس کا ایٹمی نمبر ۹۲ ہے۔

کینیڈا میں جھیل اتھابسکا (ATHA BISCA) کے کنارے آباد ایک شہر کا نام بھی یورینیئم سٹی ہے۔ یہ شہر سطح سمندر سے ۲۳۰ فیٹ بلند ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کہ یہاں یورینیئم کی کان دریافت ہوئی تھی، جس سے بڑی مقدار میں یورینیئم نکلی۔ ۲۰۰۲ء میں یورینیئم کی کان بند ہونے کے بعد اب یہ شہر تقریباً ویران ہو گیا ہے۔

زبر - پیش

بُرید (ب پر پیش) فارسی زبان میں یہ لفظ کاٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بَرید (ب پر زبر) عربی زبان میں قاصد، پیغامبر یا ڈاک کو کہا جاتا ہے۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

موٹو شکاری

محمد ذوالقرنین خان

پورے علاقے میں موٹو شکاری کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ لوگ دور دور سے ملنے کے لیے اس کے گھر کا رُخ کر رہے تھے۔ اس نے نوکیلی لکڑی کے ذریعے سے ایک خوف ناک آدم خور شیر کو مار ڈالا تھا۔ موٹو شکاری اس وقت سب کی نگاہوں کا مرکز تھا۔ ہر کوئی جاننا چاہتا تھا کہ اس نے تن تنہا کیسے ایک طاقت ور اور خوں خوار شیر کو ایک لکڑی سے مار ڈالا۔

وہ بیسیوں بار یہ بتا چکا تھا کہ وہ مچان پر موجود تھا۔ بارش کی وجہ سے اس کی بندوق گیلی ہو کر بے کار ہو چکی تھی۔ وہ درخت سے نیچے اُترا، تاکہ گاؤں سے کوئی دوسری بندوق لا سکے۔ جیسے ہی اس کے قدم زمین سے لگے، اسی وقت اس نے دور سے شیر کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ شیر نے اس پر چھلانگ لگائی۔ اس نے پھرتی سے اسے ہوا میں ہی تھام لیا اور پوری قوت سے درخت سے دے مارا۔ شیر ادھ موا ہو کر ایک طرف گر گیا۔ شاید اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے قریب پڑی ایک نوکیلی لکڑی اُٹھائی اور شیر کی جانب بڑھا۔ جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچا۔ شیر نے اُچک کر اس کی ایک ٹانگ کو اپنے بھیانک جبڑوں میں جکڑ لیا۔ اس نے زور سے اس کے سر پر لکڑی ماری، جس سے اس کا منھ کھل گیا۔ اپنی ٹانگ ہٹا کر اس نے وہ لکڑی اس کے منھ میں گھسیڑ دی۔ اس قصے سے لوگوں کا جی ہی نہیں بھرتا تھا۔ ہر ایک کی خواہش تھی وہ موٹو شکاری کے منھ سے یہ کہانی سنے۔
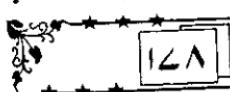
شیر کے شکار کو دو مہینے گزر گئے تھے اور لوگوں کی آمد بھی کم ہو چکی تھی۔ موٹو شکاری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اس دن اپنے گھر میں بیٹھا مسواک کر رہا تھا، جب چند لوگ اس سے ملنے آئے۔ انھوں نے اسے بتایا کہ ساتھ والے گاؤں میں ایک شیر نے دو انسانوں کو مار ڈالا ہے۔ یہ سن کر موٹو شکاری پریشان نظر آنے لگا۔ اس نے انھیں بتایا کہ وہ ضرور ان کی مدد کرتا، مگر شیر کے ساتھ لڑتے ہوئے اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اب بھی لنگڑا کر چلتا ہے، مگر وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھے۔ گاؤں کے لوگ بھی اسے مجبور کر رہے تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہامی بھرنی پڑی۔

اس کی بیوی بھی یہ باتیں سن رہی تھی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے سامان سمیٹا اور راتوں رات موٹو شکاری کو لے کر اپنے ماں باپ کی طرف چل دی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ موٹو شکاری دوبارہ جان خطرے میں ڈالے۔ اس نے کہا بھی تھا کہ لوگوں کو سچی بات بتائے، مگر موٹو شکاری نہ مانا۔ وہ جانتا تھا، اگر اس نے ایسا کیا تو بہت جگ ہنسائی ہوگی۔ لوگ مذاق اڑائیں گے۔ جب کبھی اسے وہ دن یاد آتا، جب مشہور ہونے کی خواہش لیے وہ شیر کے شکار کو نکلا تھا تو خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ اسے آج بھی یقین نہیں آتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔

موٹو شکاری کا اصل نام اجمل تھا۔ وہ بچپن سے بہت موٹا تھا۔ اسے کھانے میں گوشت بہت پسند تھا۔ اس شوق کے ہاتھوں وہ شکاری بن گیا۔ وہ کبھی جنگل میں پرندوں کا شکار کھیلتا، کبھی دریا سے مچھلیاں پکڑ لاتا۔ مزے لے لے کر انھیں کھاتا۔ وہ علاقے بھر میں موٹو شکاری کے نام سے مشہور تھا۔

اسے باقاعدہ شکاری تب تسلیم کیا گیا، جب اس نے ہرن کا شکار کیا تھا۔ وہ اب

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جنگل میں دور دور نکل جاتا اور بڑے جانوروں کا شکار کرتا۔ اس کا نشانہ بہت پکا تھا۔ ایک دن جب وہ جنگل میں تھا تو اسے شیر کی دہاڑ سنائی دی۔ موٹو شکاری نے اس جانب دیکھا جہاں سے یہ آواز آئی تھی۔ پھر وہ پلٹ کر بے تحاشا بھاگا۔ اپنے مٹاپے کے باوجود وہ کسی پھرتیلے انسان کی طرح بھاگ رہا تھا۔

وہ آدم خور شیر تھا۔ اس نے دس کے قریب انسانوں کو اپنا لقمہ بنا ڈالا تھا۔ گاؤں والے گھروں تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک دن وہ سب اِکٹھا ہو کر موٹو شکاری کے گھر آ پہنچے۔ وہ ان کی بات سن کر حیران ہو گیا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ اس شیر کا شکار کرے۔

ایک بوڑھے نے اسے بتایا، شیر کا شکار بہت آسان ہے۔ اسے ایک اونچے درخت پر مچان بنا کر دی جائے گی۔ وہ درخت پر چڑھ کر بیٹھ جائے۔ جیسے ہی شیر نظر آئے۔ اسے اپنی بندوق سے نشانہ بنا دے۔ وہ اسی لیے اس کے پاس آئے تھے کہ اس کا نشانہ بہت اچھا تھا۔

موٹو شکاری اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے سوچا، مشہور ہونے کا یہ ایک نادر موقع ہے۔ گاؤں والوں نے مچان تو بنا دیا، مگر ۱۴۰ کلو وزنی موٹو شکاری کو درخت پر چڑھانا ایک مسئلہ بن گیا۔ کتنے دنوں تک ان کے کندھے درد کرتے رہے۔ یہ سوچ کر ہی ان کا دل سہما جاتا تھا کہ اب اسے اُتارنا بھی ہے۔ موٹو شکاری درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس کھانے کے لیے وافر غذا تھی۔ وہ بندوق ہاتھ میں لیے شیر کا منتظر تھا۔ ہر آہٹ پر وہ چونک جاتا۔ رات سر پر آ گئی اور شیر نہیں آیا۔ اس نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔ اب اسے نیند آنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کے خراٹوں سے جنگل گونج رہا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

رات کے کسی پہر بادلوں نے آسمان کو گھیر لیا اور بارش شروع ہوگئی۔ وہ ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اسے شیر کے غرّانے کی آواز آئی۔ اسی وقت بجلی کوندی اور موٹو شکاری کو وہ دکھائی دے گیا۔ شیر اس کی موجودگی سے باخبر ہو چکا تھا۔ اس نے دو تین دفعہ درخت پر چڑھنے کی کوشش کی، مگر وہاں پھسلن ہونے کی وجہ سے وہ چڑھ نہیں پایا۔ موٹو شکاری پر کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔ اس کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے یہاں وہاں بندوق کو ٹٹولا تو وہ دھک سے رہ گیا۔ بندوق وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کی کھانے کی پوٹلی بھی غائب تھی۔ وہ وہیں دُبک کر بیٹھ گیا۔

صبح کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ بندوق اور کھانے کی پوٹلی نیچے زمین پر پڑی ہے۔ بارش رُکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اسے زوروں کی بھوک لگی ہوئی تھی۔ گاؤں والے تو جیسے اسے بھول گئے تھے۔ دوپہر تک اس نے انتظار کیا۔ اب اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا کہ درخت سے اپنی مدد آپ کے تحت اُتر کر گاؤں کی طرف چل دے۔ اس نے اردگرد نظر دوڑا کر اپنا اطمینان کر لیا۔ شیر اسے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ ہمت کر کے نیچے اُترنے لگا۔ وہ جانتا تھا، اتنی اونچائی سے اگر گرے گا تو اس کی ایک ہڈی بھی سلامت نہیں رہے گی، اس لیے وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ اس کی احتیاط کسی کام نہ آئی۔ اس کا پاؤں پھسل گیا۔ جس شاخ کو اُس نے تھاما ہوا تھا، وہ ایک زوردار آواز سے ٹوٹی۔ موٹو شکاری ایک دھماکے سے نیچے جا گرا۔

اسی وقت شیر کی دہاڑ سنائی دی۔ وہ لنگڑاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ ببر شیر اس سے چند فیٹ کی دوری پر پڑا تڑپ رہا تھا، جو چند لمحوں بعد بالکل ساکت ہو گیا۔ دراصل موٹو شکاری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

نیچے بیٹھے شیر پر اس طرح گرا تھا کہ موٹو جس ٹہنی کو پکڑے ہوئے تھا، اس ٹہنی کی نوک شیر کے کھلے ہوئے منھ میں اندر تک گھس گئی تھی ۔ شیر شاید اس وقت بے خبر سو رہا تھا۔ شیر کی سانس چل رہی تھی ۔ وہ مرا نہیں تھا، صرف بے ہوش تھا۔ موٹو نے جلدی سے بندوق اُٹھائی، مگر کیچڑ نے اسے ناکارہ کر دیا تھا۔ شیر کو ہوش آ رہا تھا۔ موٹو نے ہمت کر کے ایک موٹی نوکیلی لکڑی اُٹھائی اور شیر کے سر پر برسانی شروع کر دی۔ شیر دوبارہ بے ہوش ہو گیا اور پٹتے پٹتے آخر مر گیا۔

گاؤں والوں کے لیے وہ منظر حیران کن تھا۔ موٹو شکاری کیچڑ میں لت پت ایک جانب درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ سامنے ایک موٹا تازہ شیر مرا پڑا تھا۔ اب اگر وہ کسی کو یہ بتاتا کہ شیر کیسے مرا ہے تو اس کا مذاق بن جاتا، اس لیے اس نے ایک جھوٹی کہانی گھڑ لی تھی، جو اب اس کے لیے مصیبت بن گئی تھی۔ ☆

تحریر بھیجنے والے نونہال یاد رکھیں

☆ اپنی کہانی یا مضمون صاف صاف لکھیں اور اس کے پہلے صفحے پر اپنا نام اور اپنے شہر یا گاؤں کا نام بھی صاف لکھیں۔ تحریر کے آخر میں اپنا نام پورا پتا اور فون نمبر بھی لکھیں۔ تحریر کے ہر صفحے پر نمبر بھی ضرور لکھا کریں۔

☆ بہت سے نونہال معلومات افزا اور بلاعنوان کہانی کے کوپن ایک ہی صفحے پر چپکا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک کوپن ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ معلومات افزا کے صرف جوابات لکھا کریں۔ پورے سوالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

لکھی ہوئی نیکی

اُمِ عادل

کسی بستی میں کبیر نامی ایک لڑکا رہتا تھا۔ وہ بچپن سے ہی نہایت شریر تھا۔ اس کی ماں ایک نیک عورت تھی۔ وہ ہمیشہ اسے دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور پڑوسیوں کو تنگ نہ کرنے کی تلقین کرتی، مگر وہ ماں کی نصیحتیں ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا۔ اس کی شرارتیں تھیں کہ بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کے ساتھ ساتھ انجان لوگوں کو بھی تنگ کرنے سے نہیں چوکتا تھا۔ ہر کوئی کبیر کی حرکتوں سے تنگ آیا ہوا تھا۔ اپنی انھی حرکتوں کی وجہ سے وہ کئی بار لوگوں کے ہاتھ پٹ بھی چکا تھا۔

کبیر کی ماں کی خواہش تھی کہ کبیر تعلیم حاصل کرے، اسی لیے ماں نے کئی بار اسے اسکول میں داخل کروایا، مگر شرارتوں اور اساتذہ کے ساتھ بدتمیزیوں کی وجہ سے اسکول سے نکال دیا گیا۔ کبیر میں ایک انوکھی بات تھی کہ وہ جب کوئی شرارت کرتا یا کسی کو تنگ کر کے بہت خوش ہوتا تو اپنے پاس موجود ایک کاپی میں یادگار کے طور پر اپنی شرارت کو ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں لکھ لیتا۔ رفتہ رفتہ کبیر کی پوری کاپی شرارتوں کی داستان سے بھر گئی۔

ایک دن بہت عجیب واقعہ ہوا۔ ایک اجنبی راہ گیر سڑک کے کنارے اپنا زخمی پاؤں پکڑے بیٹھا تھا۔ مسافر کے پاؤں سے تیزی سے خون بہ رہا تھا۔ مسافر تکلیف سے دُہرا ہو رہا تھا۔ اتفاق سے کبیر سودا لینے گھر سے بازار جا رہا تھا۔ زخمی راہ گیر نے کبیر کو پکار کر کہا: ''نوجوان! کیا تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو؟''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

عادت کے مطابق تو کبیر کو زخمی مسافر کو خوب پریشان کر کے خوش ہونا چاہیے تھا، مگر اجنبی مسافر کے التجا میں کیسا درد تھا کہ کبیر کے دل میں ہمدردی سی پیدا ہوئی۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی تو اسے سڑک کنارے ایک میڈیکل اسٹور نظر آیا۔ کبیر جلدی سے وہاں پہنچا، اس نے زخم پر باندھنے والی پٹی خریدی اور خون کو صاف کر کے زخم پر باندھ دی۔ کبیر کو مسافر پیاسا بھی لگ رہا تھا۔ وہ بھاگ کر قریب ہی کھڑے شربت والے سے ٹھنڈا میٹھا شربت لے آیا اور زخمی مسافر کو دیا، جسے زخمی مسافر نے شکریے کے ساتھ قبول کر کے جلدی سے پی لیا۔

مسافر کبیر کو دعائیں دیتے ہوئے کہنے لگا: ''تم کتنے اچھے اور ہمدرد لڑکے ہو۔ میری دعا ہے کہ پڑھ لکھ کر تم بہت بڑے آدمی بنو اور خدا کی مخلوق کی اسی طرح مدد کر کے ڈھیروں نیکیاں اور دعائیں سمیٹو۔ تمھارے والدین خوش قسمت انسان ہیں۔''

کبیر کے کانوں کو یہ تعریفی الفاظ بہت بھلے لگ رہے تھے، جسے سن کر اسے سکون مل رہا تھا۔ اس نے سوچا، اس سے قبل تو لوگوں نے مجھے ہمیشہ ہی بُرا کہا ہے۔ پھر دل سے آواز آئی: ''اس سے پہلے تم نے ہمیشہ دوسروں کو تنگ ہی کیا ہے تو اس کے بدلے میں بُرا بھلا اور گالیاں ہی سننے کو ملتی تھیں۔''

آج اس اجنبی مسافر کے اچھے الفاظ اور دعائیں اسے عجیب طرح کا سکون و مسرت دے رہی تھیں۔ اس نے سوچا کہ کاش میں بچپن ہی سے لوگوں کو تنگ کرنے کے بجائے ان کے ساتھ ہمدردی اور محبت سے پیش آتا تو آج نہ صرف مجھے ڈھیر ساری نیکیاں ملتیں، بلکہ بہت سے اچھے لوگ میرے دوست ہوتے۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے وہ مخلص دوستوں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

سے محروم رہا ہے۔

اس نے اپنے خیالات سے نکل کر اجنبی مسافر سے پوچھا: ''جناب! آپ کا پاؤں کیسے زخمی ہوا؟''

مسافر نے بتایا: ''میں بہت دور کے ایک دیہات سے پیدل آرہا ہوں۔ چلتے چلتے پہلے میرا جوتا پھٹ گیا۔ اسے پھینک کر میں ننگے پاؤں چلنے لگا۔ چلتے چلتے میرے پاؤں میں کانچ کا بڑا سا ٹکڑا چبھ گیا۔ کانچ کے ٹکڑے کو نکالا تو میرے پاؤں سے تیزی سے خون بہنے لگا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں کہ تم غیبی مدد کی صورت میں آ گئے، اللہ تمھیں اس نیکی کے بدلے ڈھیروں جزائے خیر دے۔''

''محترم! اگر آپ کچھ دیر آرام کرنا چاہیں تو میرے گھر چلیں، نزدیک ہی ہے۔'' کبیر نے مسافر سے ہمدردی کرتے ہوئے اسے اپنے گھر چلنے کی دعوت دی۔

''نہیں بیٹا! تمھاری ہمدردی کی وجہ سے اب میں بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ اب میں آگے کا سفر اختیار کروں گا، کیوں کہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے مجھے گھر پہنچنا ہے۔''

''ٹھیک ہے، لیکن چپل نہ ہونے کی وجہ سے کہیں آپ کے پاؤں میں کہیں کوئی اور چیز نہ لگ جائے، اس لیے آپ میری یہ چپل پہن لیں۔ میں جلدی میں اپنے ابو کی چپل پہن آیا تھا۔ میرا گھر بھی نزدیک ہے۔ میں گھر جا کر دوسری چپل پہن لوں گا۔'' کبیر نے اپنی چپل اُتار کر اجنبی مسافر کو دیتے ہوئے کہا۔

مسافر نے کبیر کی دی ہوئی چپل پہن لی اور ایک بار پھر شکریہ ادا کیا، دعائیں دیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اور لنگڑاتا ہوا اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔

آج پہلی مرتبہ کبیر ایک انجانی سی خوشی سمیٹ کر جب گھر پہنچا اور اپنی ماں کو اجنبی مسافر والا پورا واقعہ تفصیل سے سنایا۔ اس سے پہلے بھی کبیر ہمیشہ لوگوں کو ستا کر بہت خوش ہوتا تھا۔ اسے کبھی اپنی خراب حرکت پر شرمندگی نہ ہوتی تھی۔ ماں نیکی کا ایک کام کرنے پر کبیر کے چہرے پر ایک نئی خوشی دیکھ رہی تھی۔ ماں اپنے بیٹے میں ہونے والی تبدیلی پر دل ہی دل میں اللہ کی شکر گزار ہوئی، کیوں کہ اس کی ماں ہمیشہ سے چاہتی تھی کہ میرا بیٹا دوسروں کو تنگ کرنا اور ستانا چھوڑ کر ان کے کام آئے۔

ماں نے کہا: ''بیٹا! ایسا کرو، آج تم نے جو بھلائی کا کام کیا ہے، اسے بھی اپنی اسی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کاپی میں تحریر کرڈالو، جس میں تم اپنی شرارتیں لکھا کرتے ہو۔''

ماں کے کہنے پر کبیر فوراً کاپی نکال لایا۔ تمام صفحے اُلٹ پلٹ کر دیکھے تو کاپی میں لکھنے کے لیے کوئی صفحہ خالی نہیں بچا تھا، جہاں کبیر آج کا واقعہ دو لائنوں میں ہی تحریر کرسکتا۔ اس نے ماں کو بتایا: ''ماں! کاپی پوری بھر چکی ہے۔ افسوس اس میں آج کا واقعہ تحریر کرنے کی بالکل گنجائش نہیں۔''

ماں نے کاپی کو بغور دیکھا پھر مشورہ دیا: ''بیٹا! جو حاشیے والی جگہ خالی ہے، آج کا واقعہ اس جگہ لکھ ڈالو۔''

کبیر نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر بعد ماں نے کہا: ''بیٹا! میں کچھ دیر کے لیے تمھارے ماموں جان کے گھر جارہی ہوں، دروازہ بند کرلو۔''

ماں کے جانے کے بعد کبیر دروازہ بند کر کے بستر پر لیٹ گیا اور کاپی کو اپنے سینے پر رکھ کر ایک انوکھی خوشی محسوس کرتے کرتے نیند کی وادی میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر سونے کے بعد جب کبیر بیدار ہوا بستر سے اُٹھا تو اس کے سینے پر رکھی کاپی نہ صرف زمین پر گر گئی، بلکہ کھل بھی گئی۔ کبیر کاپی اُٹھانے کو جھکا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا کہ وہ کاپی جس میں سونے سے پہلے کچھ بھی تحریر کرنے کے لیے جگہ نہیں تھی، سامنے کھلے صفحے بالکل سادہ اور صاف تھے۔ کبیر نے جلدی سے تمام کاپی کے صفحے اُلٹ پلٹ کر دیکھے، پوری کاپی بالکل صاف تھی، جیسے نئی ہو اور اس پر کبھی کچھ تحریر ہی نہ کیا گیا ہو۔ کبیر کھڑا حیرت سے سوچ رہا تھا کہ بھلا پکی سیاہی سے لکھی تحریر خود بخود کیسے مٹ سکتی ہے۔ وہ حیرت سے صفحے پلٹتے ہوئے پہلے صفحے پر آیا تو اس کی حیرت کی انتہا ہوگئی کہ پہلے صفحے پر حاشیے میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

صرف آج کی تحریر کردہ نیکی ہی درج تھی اور اس سے نیچے ایک اور تحریر خوب صورت الفاظ میں چمک رہی تھی: ''اللہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور نیکی کو ہمیشہ زندہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہے۔''

کبیر نے بار بار یہ الفاظ پڑھے۔ اسی وقت ماں بھی گھر آ گئی۔ اس نے حیرت سے تمام واقعہ اپنی ماں کو بتایا۔ ماں نے بھی تحریر کے خوب صورت الفاظ دیکھ کر کبیر کو اس کے تمام پچھلے گناہ اور غلطیاں معاف ہو جانے کی خوش خبری سنائی۔ کبیر کی آنکھوں سے ندامت اور خوشی کے آنسوؤں کا چشمہ بہ نکلا۔

☆☆☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

لاش کا پھول

دنیا کا سب سے بڑا اور کم یاب بدبودار پھول "ٹیٹان اروم"، جس کی لمبائی تقریباً ساات فیٹ ہے، امریکا کی ریاست شکاگو کے نباتاتی باغ میں کِھل گیا ہے۔ سیّاح اسے دیکھنے کے لیے جوق در جوق جمع ہو رہے ہیں، لیکن آپ کو یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ یہ صرف ایک دن کے لیے کِھلتا ہے۔ شکاگو میں اس قسم کے دو حیرت انگیز پھول کھلے ہیں۔ یہ پھول پہلے صرف انڈونیشیا کے شہر "سماترا" میں ہی کھلتا تھا، مگر اب اس کے بیج دوسرے ملکوں کو پہنچائے جا رہے ہیں، تاکہ یہ عجیب پھول دنیا کے بیشتر افراد دیکھ سکیں۔ یہ پھول سخت بدبودار ہوتا ہے، اس لیے چھوٹے کیڑے اور پتنگے اس کی طرف لپکتے ہیں۔ دل چسپ بات یہ کہ بیج کو مٹی میں ڈالنے کے بعد پودا ایک دو سال میں اُگ جاتا ہے، لیکن پھول دس سال میں کِھلتا ہے۔ اس کے بیج کی کڑی حفاظت کی جاتی ہے کہ یہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس کا پودا ۴۰ برس تک قائم رہتا ہے، اس کے بعد یہ مُردہ ہو جاتا ہے۔

اس کی بدبو کی وجہ سے اسے "لاش کا پھول" بھی کہتے ہیں۔ جب یہ پوری طرح سے کِھل جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی حیوان مرگیا ہے جس کی وجہ سے اس قدر بدبو پھیل رہی ہے۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بلاعنوان انعامی کہانی

محمد اقبال شمس

انسپکٹر دانش اپنے موبائل فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھے کہ اچانک ان کے دفتر میں ایک شخص تیزی سے داخل ہوا۔ اس کی عمر لگ بھگ ستر سال کے قریب تھی۔ آنے والے کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ انسپکٹر دانش کو موبائل فون پر بات کرتے ہوئے دیکھ کر بولے: ''یہ دیکھو، قوم کے محافظ موبائل فون پر پیکج میں مصروف ہیں۔ جرائم کیا خاک روکیں گے۔''

یہ سن کر انسپکٹر نے ایک چبھتی نگاہ ان پر ڈالی اور اپنا موبائل فون بند کرتے ہوئے پوچھا: ''آپ کی تعریف؟''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''جمعہ خان نام ہے میرا۔''

''دیکھیں خان صاحب! آپ تھانے میں اتنا شور کیوں مچا رہے ہیں، کیا ہوا؟''

''کیا ہوا؟ ارے، چار ڈاکو میرے گھر سے آسانی سے سارا سامان لوٹ کر چلے گئے، جیسے میں برسوں سے ان ہی کے لیے جمع کر رہا تھا۔''

''کیا آپ ان کو پہچانتے ہیں؟'' انسپکٹر نے سوال کیا۔

وہ بولے: ''جی جی بالکل، واردات سے پہلے انھوں نے اپنے اپنے شناختی کارڈ میرے پاس جمع کرائے تھے۔ ارے، مجھے کیا معلوم کون تھے۔ منھ تو نقاب سے چھپائے ہوئے تھے۔''

انسپکٹر بولے: ''دیکھیں، تحمل رکھیے۔ آپ ایسا کریں، برابر والے کمرے میں جا کر رپورٹ لکھوا دیں۔''

''ارے رپورٹ میں نے پہلے ہی لکھوا دی ہے۔ بس آپ کارروائی شروع کریں۔''

''دیکھیں، کارروائی میں کچھ وقت لگتا ہے۔''

''ہاں کارروائی میں وقت لگتا ہے اور مجرموں کو وقت مل جاتا ہے فرار ہونے کا۔''

''ہم مجرموں کو فرار نہیں ہونے دیں گے، ہم پر بھروسا کیجیے۔ آپ گھر جائیں اور ہم آپ کے لکھائے ہوئے پتے پر فوراً آتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان صاحب باہر کی طرف چلے گئے۔

ان کے جاتے ہی انسپکٹر نے اپنے اسسٹنٹ کو بلوایا۔ وہ فوراً حاضر ہوا۔ انسپکٹر اس سے بولے: ''اکرم! فوراً موبائل نکالو، پھر وہ ہی چاروں چور کسی کی تجوری خالی کر گئے۔ یہ ان کی تیسری واردات ہے۔''

اکرم بولا: ''ٹھیک ہے سر! میں ابھی پولیس پارٹی تیار کرتا ہوں۔ یہ بتایئے کہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com
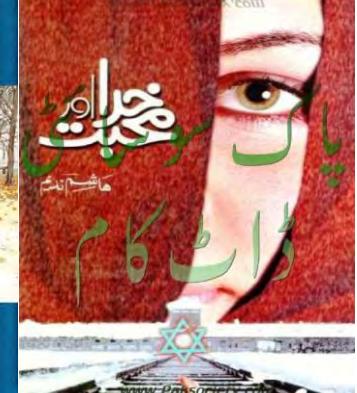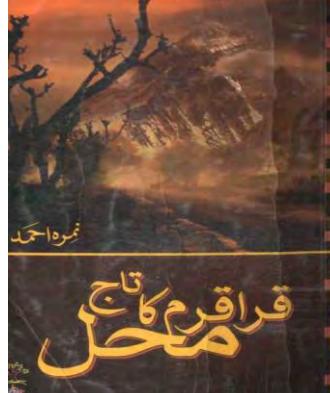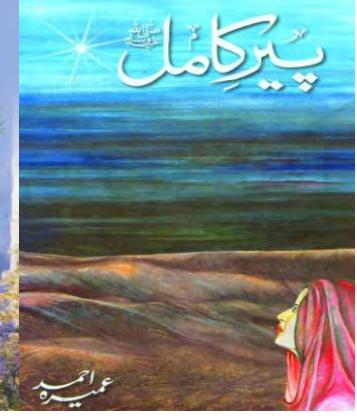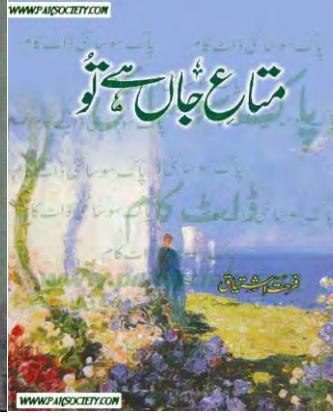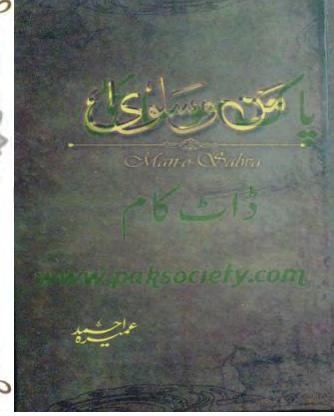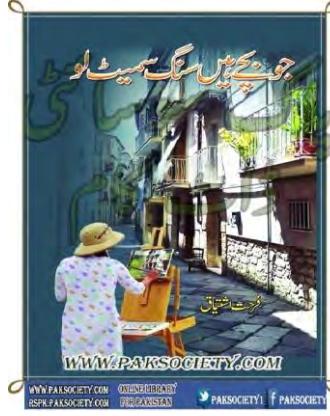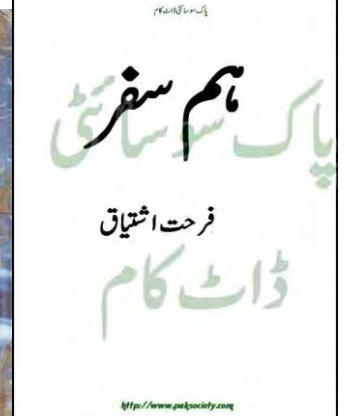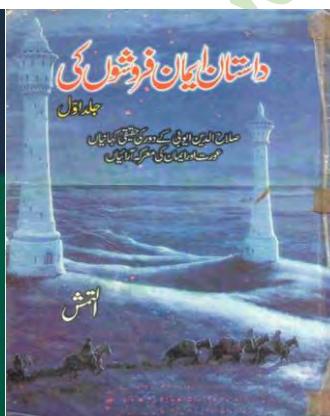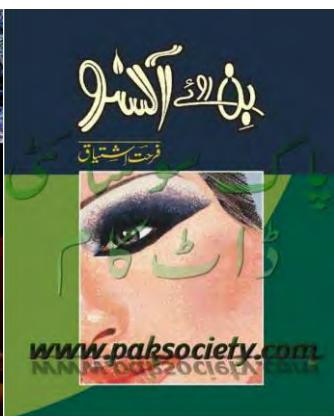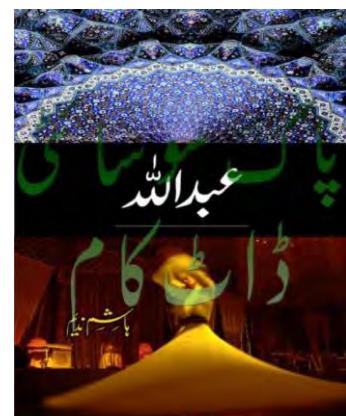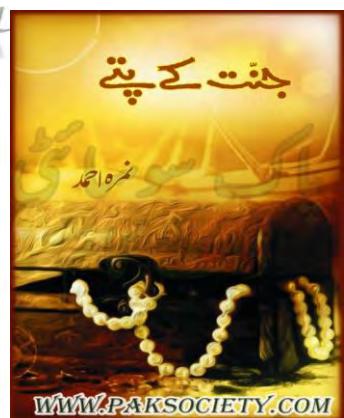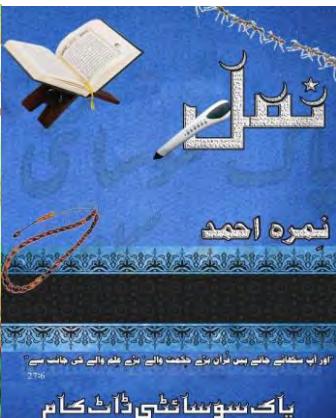
سراغ رسانی کے لیے ٹونی کتے کو بھی ساتھ لے چلیں۔''

''نہیں، اسے تو رہنے دو۔ ہر وقت تو اسے نزلہ رہتا ہے۔ سونگھ خاک پائے گا۔ لگتا ہے، اسے بھی سفارش پر بھرتی کیا ہے۔ اس کی جگہ کسی اور کتے کو بھی نہیں رکھ رہے ہیں۔''

تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی پولیس پارٹی کے ساتھ جمعہ خان کے گھر کے باہر کھڑے تھے۔ ابھی وہ موبائل سے اُترے ہی تھے کہ اچانک انسپکٹر کی نظر ایک جگہ جا کر ٹھیر گئی۔ وہ کچھ دیر کچھ سوچتے رہے۔ پھر وہ گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ سب سے پہلے انھوں نے جائے واردات کا معائنہ کیا۔ اچانک ان کی نظر زمین پر کسی چیز پر گئی۔ وہ اس چیز کے قریب جا کر نہایت ہی غور سے اسے دیکھنے لگے۔

......☆......☆......

وہ کمرا قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ تھوڑی خاموشی ہوئی تو ایک آواز اُبھری: ''اب

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

Downloaded From Paksociety.com

زیادہ دانت نہ نکالو اور مال برابر برابر تقسیم کرو۔''

ان میں سے ایک بولا: ''ارے، ہم اس وجہ سے ہنس رہے ہیں کہ ہماری واردات کا طریقہ کار ایسا انوکھا ہے کہ پولیس چکرا کر رہ گئی ہے اور وہ ہمیں کیا پکڑے گی۔ وہ تو ہمارے پاؤں کی دھول کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔'' کمرا ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اُٹھا۔

......☆......☆......

انسپکٹر دانش کو اس طرح جھکے ہوئے کسی چیز کو دیکھتے ہوئے اکرم بولا: ''سر! یہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟''

انھوں نے کہا: ''مجرموں کے پاؤں کی دھول۔''

''کیا مطلب؟'' اکرم نے پوچھا۔

انھوں نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ دیکھو!''

''سر! یہ تو سیمنٹ اور بجری کا نشان لگتا ہے۔'' اکرم نے کہا۔

''ہاں! اور یہی مجرم کا پتا دے گا۔''

''سر! بھلا اس نشان سے مجرم کا سراغ کیسے لگ پائے گا۔''

انسپکٹر دانش مسکرائے اور کہا: ''بعض اوقات چھوٹی چھوٹی معمولی چیزیں بہت اہم ہو جاتی ہیں۔''

انھوں نے وہ ذرات محفوظ کیے اور پھر باہر کی طرف آ گئے اور چوکیدار سے مخاطب ہوئے: ''ہاں بھئی، جب واردات ہو رہی تھی تو اس وقت تم موبائل فون پر گیم کھیلنے میں مصروف تھے یا پھر فیس بک پر لگے ہوئے تھے؟''

چوکیدار دیہاتی لہجے میں بولا: ''نہیں صاحب! ہمارے پاس تو سادہ سا موبائل

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہے اور صاحب! ہم اپنی نوکری نہایت ایمان داری سے کرتا ہوں۔''

''تو پھر گھر میں واردات کیسے ہوگئی، جو تمھیں خبر بھی نہ ہوئی؟''

''صاحب! میں تو خود حیران ہوں۔ میری موجودگی میں نہ کوئی آیا اور نہ کوئی گیا۔''

انسپکٹر بولے: ''سچ سچ بتاؤ، کہیں ایسا تو نہیں کہ تم بھی ملزمان سے ملے ہو؟'' یہ کہہ کر وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگے۔

وہ بولا: ''کیسی بات کرتے ہیں صاحب! ہم نے آج تک اپنے بچوں کو حرام کا نوالا نہیں کھلایا ہے، ہمیشہ اپنی محنت سے روزی کمائی ہے۔''

انسپکٹر نے اکرم سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا: ''مجھے نہیں لگتا کہ یہ مجرم سے ملا ہوا ہو۔''

پھر وہ گھر سے باہر آگئے۔ باہر آکر وہ پھر اسی جگہ کو دیکھنے لگے، جسے وہ آتے وقت دیکھ رہے تھے۔

......☆......☆......

ایک زیرِ تعمیر عمارت میں کام تیزی سے جاری تھا۔ سب مزدور اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ اچانک ایک کار وہاں آکر رکی۔ اس میں سے سوٹ بوٹ میں ملبوس ایک شخص اُترا اور اس عمارت میں داخل ہوا۔ اسے اس طرح اندر آتے ہوئے دیکھ کر فوراً ایک شخص ان کے پاس آیا: ''جی فرمایئے، کس سے ملنا ہے؟''

''میرا نام سیٹھ ساجد ہے۔ مجھے یہاں کے ٹھیکے دار سے ملنا ہے۔''

''جی فرمایئے، میرا نام رحمان ہے اور میں ہی ٹھیکے دار ہوں۔''

وہ بولے: ''مجھے آپ کے کام میں بڑی صفائی نظر آرہی ہے۔ آپ کے مزدور بڑی محنت سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔''

وہ بولا: ''شکریہ۔ ویسے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''دراصل مجھے بھی اپنی چار منزلہ عمارت تعمیر کروانی ہے۔ کیا آپ کے پاس وقت ہے؟''

''جی بالکل، مگر اس عمارت کے بعد میرا ایک اور پراجیکٹ ہے۔ مراد منزل پر، اس کے بعد ہی میں آپ کو کوئی جواب دے سکوں گا۔''

''کیا میں اندر سے معائنہ کر سکتا ہوں؟''

''جی، بالکل شوق سے۔''

سیٹھ صاحب نے اچھی طرح اس کا معائنہ کیا اور پھر ٹھیکے دار سے اس کا فون نمبر لے کر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔

......☆......☆......

صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ اچانک انسپکٹر دانش کا موبائل فون بج اُٹھا۔ وہ نیند سے بیدار ہوئے۔ فون ان کے اسسٹنٹ اکرم کا تھا: ''ارے، کیا صبح ہی صبح فون کر کے جگا دیا!'' وہ جمائی لیتے ہوئے بولے۔

اکرم نے کہا: ''سر! پھر وہی چار چور ایک کے گھر کی تجوری صاف کر گئے۔ آپ کے کہنے کے مطابق میں نے آپ کو فوراً اطلاع کر دی ہے۔''

''واردات کہاں ہوئی ہے۔''

''مراد منزل پر۔''

''مراد منزل!'' یہ سن کر انھوں نے فوراً مسہری سے چھلانگ لگائی اور اکرم کو فوراً پولیس پارٹی تیار کرنے کا کہہ کر خود تیزی سے تیار ہونے لگے۔

پولیس وین جائے وقوع پر پہنچ گئی تھی۔

''سر! یہ گھر ہے۔'' اکرم نے ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

انسپکٹر دانش نے کہا: ''لیکن سب سے پہلے ہمیں یہاں چھاپہ مارنا ہے۔'' وہ اس گھر کے برابر میں اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

''لیکن سر! یہ تو کوئی زیرِ تعمیر عمارت ہے، بھلا یہاں چھاپہ مارنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''میں جیسا کہہ رہا ہوں، ویسا کرو۔'' وہ چیختے ہوئے بولے۔

اکرم فوراً اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس عمارت میں داخل ہوا۔ پولیس چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ عمارت خالی تھی۔ اچانک ایک کمرے سے انھیں سرگوشی کرنے کی آواز آئی۔ وہ فوراً اس میں داخل ہوئے تو وہاں چار افراد موجود تھے۔ ان میں سے ایک بولا: ''ارے صاحب! اس کھنڈر میں آپ کس کی تلاش میں آئے ہیں؟''

اسی دوران ایک زوردار تماچا اس کے گال پر پڑا۔ تماچا انسپکٹر دانش نے مارا تھا۔

''بکواس بند کرو۔ تمھارا کھیل ختم ہو گیا ہے۔ مال کہاں چھپایا ہوا ہے؟'' انسپکٹر دانش دہاڑے۔

''سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں! ہم تو مزدور لوگ ہیں۔ مزدوری کرتے ہیں۔'' ان میں سے ایک بولا۔

''ہاں، مزدوری کرتے ہو اور ساتھ میں وارداتیں بھی کرتے ہو۔''

''اکرم! فوراً یہاں کی تلاشی لو۔'' تھوڑی ہی دیر میں وہاں سے سامان برآمد ہو گیا۔ ان چاروں نے بھاگنے کی کوشش کی، مگر وہ ناکام رہے۔

اکرم بولا: ''سر! آپ کو کیسے معلوم چلا کہ مجرم اس زیرِ تعمیر عمارت میں کام کرنے والے یہ مزدور ہیں۔''

انھوں نے بتایا: ''ان کا کھیل مجھے اس وقت سمجھ میں آ گیا تھا، جب انھوں نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جمعہ خان کے گھر واردات کی۔ اس سے پہلے بھی جو وارداتیں ہوئی تھیں، ان میں ایک بات مشترک تھی کہ اس گھر کے برابر عمارت زیرِ تعمیر تھی اور پھر مجھے ان کے گھر سے سیمنٹ اور بجری کے ذرات ملے، جس سے مجھے شک ہوا کہ مجرم ضرور مزدوروں کے روپ میں ہیں۔ پھر میں سیٹھ ساجد کے روپ میں اس عمارت کا جائزہ لینے گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اس عمارت سے آسانی سے جمعہ خان کے گھر کو داجا سکتا ہے۔ دراصل ان کا طریقہ کار یہی تھا کہ یہ زیرِ تعمیر عمارت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے آسانی سے برابر والے گھر میں کود کر واردات کر کے دوبارہ یہاں آ جاتے تھے۔ اس طرح یہ قانون کی نظروں سے چھپ جاتے تھے، مگر یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ مجرم چاہے کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو اور اس کی یہ سوچ ہو کہ قانون کبھی اس کے پاؤں کی دھول کو بھی نہیں پہنچ سکتا تو یہ اس کی بھول ہے۔ یہی پاؤں کی دھول اسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا کر ہی رہتی ہے۔''

ان چاروں کے سر جھکے ہوئے تھے۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے تھے۔

☆☆☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۲۲۱ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- جولائی ۲۰۱۷ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

زبانیں

ارسلان اللہ خان

آؤ تم کو اک نئی سوغات دوں
کچھ زبانوں کی بھی معلومات دوں

فارسی ہوتی ہے ایرانی زباں
اس کو کہتے ہیں بہت شیریں بیاں

ہے زباں سندھی بہت گرچہ قدیم
اس کو سیکھو تو ہو جاؤ فہیم

سیکھنا پشتو کا مشکل ہے ضرور
سیکھ لو گے تم، تو آئے گا سُرور

اور پنجابی میں ہے بے حد مٹھاس
یہ زباں ہر ایک کو آتی ہے راس

ہے بلوچی دوستو! پیاری زبان
لطف سے بھرپور ہے اس کا بیاں

ہے بہت پیاری مگر اردو زباں
اس زباں کا کوئی ثانی ہے کہاں

ویسے انگریزی بہت ہی خوب ہے
یہ زباں ہر ایک کو مطلوب ہے

ہاں مگر اونچا ہے عربی کا مقام
اس میں اُترا ہے مرے رب کا کلام

ارسلاںؔ کیسی بھی ہو کوئی زباں
ہے جھلکتا اس میں فطرت کا نشاں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

شہزادہ اور ابابیل

شکیل صدیقی

شہزادہ رستم نیک دل اور فلاح و بہبود کے کام کرنے والا انسان تھا۔ دوسروں کی مدد کر کے اسے خوشی ہوتی تھی۔ جب بیمار ہو کر وہ انتقال کر گیا تو اس کا مجسمہ ریاست کے چوک میں ایک اونچے چبوترے پر نصب کر دیا گیا۔ ایک رات ایک ابابیل وہاں اڑتی ہوئی وہاں آ گئی۔ اس کے جتھے میں تقریباً ایک ہزار پرندے تھے، جو لمبی پرواز کر کے ایک گرم ملک کی طرف جا رہے تھے، تاکہ خود کو سردی سے محفوظ رکھ سکیں۔

شہزادے کے قدموں میں تھوڑی سی گھاس پڑی تھی، جو کسی پرندے نے گھونسلا بنانے کے لیے وہاں جمع کر دی تھی۔ ابابیل اس پر بیٹھ گئی۔ آدھی رات کے قریب اس پر ایک بوند آ کر گری۔ ابابیل کو حیرت ہوئی کہ آسمان صاف ہے اور تارے بھی چمک رہے ہیں، پھر پانی کی بوند کہاں سے آ گری۔ وہ اُلجھن میں مبتلا تھی کہ دو چار بوندیں اور آ کر ٹپک گئیں۔ ابابیل اُڑی اور مجسمے کے کاندھے پر جا کر بیٹھ گئی، تب اسے پتا چلا کہ شہزادہ رو رہا ہے۔ اس کی آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسو قدموں میں ٹپک رہے ہیں۔

''تم کیوں رو رہے ہو شہزادے؟'' اس نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا: ''میں چوں کہ بہت بلندی پر ہوں، اس لیے مجھے سارا شہر اور اردگرد کا علاقہ صاف نظر آ رہا ہے۔ دور ایک گاؤں ہے، جہاں ایک غریب بڑھیا اپنے بیٹے اشعر کے ساتھ رہتی ہے۔ اشعر کے امتحان قریب ہیں، لیکن اس کے پاس کتابیں خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ ان کے حالات دیکھ کر میں رو رہا ہوں۔''

''اوہ...... تو پھر؟'' ابابیل نے بے چینی سے پوچھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''میری تلوار کے دستے میں ایک قیمتی ہیرا جڑا ہوا ہے۔ تم چونچ سے کُرید کر اسے علاحدہ کرلو اور اس لڑکے کو دے آؤ، تاکہ وہ کتابیں خرید سکے۔''

ابابیل اُڑ کر شہزادے کی تلوار پر جا بیٹھی، پھر اس نے اپنی چونچ کی مدد سے وہ ہیرا نکال لیا اور شہزادے کے بتائے ہوئے مکان کی طرف اُڑ گئی۔ وہ ہیرا اس نے اشعر کی میز پر ڈال دیا۔ اشعر نے دوسرے کمرے میں آتے ہوئے ایک ابابیل کو کھڑکی میں بیٹھے دیکھا۔ وہ میز کے قریب آیا تو قیمتی ہیرے کو پا کر بہت خوش ہوا۔ دوسرے دن صبح جا کر اس نے ہیرا فروخت کیا۔ اپنے لیے کتابیں خریدیں اور کھانے پینے کا سامان لے کر گھر واپس آ گیا۔ اس کی ماں خوش ہوئی اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولی: ''اب تو تم امتحان میں پاس ہو جاؤ گے نا؟''

اشعر نے جواب دیا: ''ہاں، امی! ضرور۔ وقت کم ہے، لیکن تیاری کرلوں گا۔''

ابابیل واپس آ گئی۔ شہزادہ خوش تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا بند ہو گئے۔ ابابیل اس کے قدموں میں جا کر بیٹھ گئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے سردی لگ رہی تھی، اس لیے اس کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ پھر بھی اسے چند گھنٹوں کے لیے نیند آ گئی۔

صبح ہوئی تو اس نے کھیتوں میں جا کر دانہ دُنکا کھایا اور واپس آ کر شہزادے کے شانے پر بیٹھ گئی۔ اس نے چہچہا کر کہا: ''شہزادے! اب میں جانا چاہتی ہوں۔ حال آنکہ میرے ساتھی پرندے کافی دور چلے گئے ہوں گے، مگر مجھے یقین ہے کہ میں ان میں جا کر شامل ہو جاؤں گی۔''

''نہیں نہیں، ابھی نہ جاؤ!'' شہزادے نے ملائمت سے کہا۔

''کیوں؟'' ابابیل نے سوال کیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''تمھیں ابھی میرے بہت سے کام کرنا ہیں۔''

ابابیل نے وعدہ کیا کہ وہ رات کو واپس آجائے گی۔اس وقت شہر دیکھنے جا رہی ہے۔شہزادے نے اجازت دے دی۔ابابیل نے دل بھر کر اس شہر کو دیکھا اور گلی کوچوں میں اُڑتی پھری۔ پھر رات کو وہ شہزادے کے قدموں میں سوگئی۔

شہزادہ پھر رونے لگا۔ابابیل کی آنکھ کھل گئی۔اس نے شہزادے سے رونے کی وجہ پوچھی۔شہزادے نے بتایا کہ یہاں سے دور ایک دیہات میں ایک غریب خاندان رہتا ہے،جن کی فصل اس بار اچھی نہیں ہوئی ہے۔چناں چہ ان کے پاس رقم کم ہے۔ان پر مکان کا پہلے ہی تین ماہ کا کرایہ چڑھا ہوا ہے۔اس بار مالک مکان آئے گا تو خوب اُدھم مچائے گا۔اس خاندان میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔مالک مکان بہت بدمزاج ہے۔اس خاندان کو بھی ایک ہیرا مل جائے تو وہ سکون سے رہ سکتے ہیں۔''

''مگر تمھارے پاس ہیرے کہاں ہیں؟''ابابیل نے اس کی تلوار کے دستے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''میری دونوں آنکھیں ہیرے کی ہیں۔تم ان میں سے ایک کو اُکھاڑ کر انھیں دے آؤ۔''

ابابیل کو اس کی آنکھ سے ہیرا نکالتے ہوئے افسوس ہو رہا تھا،مگر یہ شہزادے کا حکم تھا۔اس نے شہزادے سے اس خاندان کا پتا پہلے ہی پوچھ لیا تھا،اس لیے جب آنکھ سے ہیرا نکل آیا تو وہ اسے لے کر اُڑی اور اس خاندان کو دے آئی۔ ہیرا پا کر وہ بہت خوش ہوئے۔

شہزادے کا دکھ درد بڑھتا جا رہا تھا۔اس نے ایک بوڑھے کی مدد کرنے کے لیے دوسری آنکھ بھی دے دی اور اندھا ہو گیا۔بہر حال اس نے ابابیل کو نہیں جانے دیا۔ابابیل

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

خوب دور دور تک پرواز کر کے سارے شہر اور دیہاتوں کے واقعات شہزادے کو سنا دیتی تھی۔

غریبوں کے حالات سن کر شہزادہ فوراً مدد پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ اس کے شانے پر پڑی ہوئی شال سونے کی تھی، جس میں سونے کی پتیاں لگی تھیں۔ شہزادہ، ابابیل سے کہتا کہ ان میں سے ایک پتی اُکھاڑ کر فلاں شخص کو دے آؤ، تاکہ اس کی مفلسی دور ہو جائے۔

وہ ابابیل کو روز روک لیتا تھا۔ ابابیل اس سے التجا کرتی کہ اسے جانے دے، لیکن شہزادہ اسے روک لیتا تھا۔ ایک روز جب سردی بڑھ گئی تو ابابیل سے برداشت نہ ہوا اور نہ اسے کہیں پناہ ملی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا جسم ٹھٹھر گیا اور وہ مر کر شہزادے کے قدموں میں گر پڑی۔ اس کا دل شہزادے سے مل گیا تھا، اس لیے اس نے اپنی جان دے دی۔

تقریباً ایک ماہ بعد نیا شہزادہ سہراب جو سابقہ شہزادے کا بھائی تھا، شہر کا معائنہ کرنے اور لوگوں کے حالات معلوم کرنے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ مجسمے پر پڑی تو وہ چونک گیا۔ مجسمہ ہر جگہ سے اُدھڑا ہوا تھا۔ اس کی ناک، کان اور آنکھیں غائب تھیں۔ مجسمے کے شانے پر پڑی ہوئی سونے کی شال کی پتیاں بھی غائب ہو چکی تھیں۔ مجسمہ بہت بدنما اور مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

''کسی شہزادے کا مجسمہ تو ایسا نہیں ہوتا!'' سہراب نے لوگوں سے کہا۔

لوگوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور یہ تجویز پیش کی کہ اس مجسمے کو پگھلا کر نیا مجسمہ بنانا چاہیے۔ مجسمہ نئے شہزادے سہراب کا ہونا چاہیے۔ شام کو چند ملازم آئے اور اس مجسمے کو وہاں سے اُکھاڑ کر بھٹی میں لے گئے۔ شہزادہ رستم کا مجسمہ تو پگھل گیا، لیکن اس کا دل نہیں پگھلا، کیوں کہ وہ کسی سخت دھات سے بنا ہوا تھا۔ اس دل کو جنگل میں پھینک دیا گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اس روز اس جگہ کی صفائی کی گئی۔ کوڑے کے ساتھ مردہ ابابیل کو بھی اُٹھا کر جنگل میں اس جگہ پھینک دیا گیا، جہاں شہزادہ رستم کا دل پہلے سے پڑا ہوا تھا۔ اشعر اپنی ماں کے ساتھ جنگل میں لکڑیاں جمع کرنے گیا تو اس نے دونوں کو وہاں پڑے پایا۔ شہزادے کا دل اور مردہ ابابیل۔ اس نے ابابیل کو پہچان لیا اور ماں سے بولا: ''یہ مر کر بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکے، اس لیے کہ ان کے دل ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔ یہ دونوں ایثار پیشہ تھے۔ غریبوں اور مفلسوں کے کام آنے والے۔'' یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

☆☆☆

گھر کے ہر فرد کے لیے مفید

ماہنامہ **ہمدرد صحت**

صحت کے طریقے اور جینے کے قرینے سکھانے والا رسالہ

✠ صحت کے آسان اور سادہ اصول ✠ نفسیاتی اور ذہنی اُلجھنیں

✠ خواتین کے صحی مسائل ✠ بڑھاپے کے امراض ✠ بچوں کی تکالیف

✠ جڑی بوٹیوں سے آسان فطری علاج ✠ غذا اور غذائیت کے بارے میں تازہ معلومات

ہمدرد صحت آپ کی صحت و مسرت کے لیے ہر مہینے قدیم اور جدید

تحقیقات کی روشنی میں مفید اور دل چسپ مضامین پیش کرتا ہے

رنگین ٹائٹل --- خوب صورت گٹ اپ --- قیمت: صرف ۴۰ روپے

اچھے بک اسٹالز پر دستیاب ہے

ہمدرد صحت، ہمدرد سینٹر، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

دنیا کا سب سے پتلا گھر

سلیم فرخی

انسان جب اس دنیا میں آیا تو اس نے سب سے پہلے موسمی اثرات اور دوسرے جانوروں سے اپنی حفاظت کے لیے کسی نہ کسی ٹھکانے کا بندوبست کیا۔ وہ پہاڑوں کی چٹانوں میں رہا اور غاروں میں بھی۔ کبھی جنگلوں میں درختوں کے اوپر بسیرا کیا، کبھی درختوں کے کھوکھلے تنوں میں زندگی گزاری۔ بعد میں لکڑیوں اور گھاس پھوس سے جھونپڑیاں بنانی شروع کیں۔ آبادی زیادہ بڑھی تو وہ قبیلوں میں بٹ گیا، رہنے کے لیے زیادہ جگہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے بڑے بڑے پکے مکان بنانے شروع کر دیے۔

اب دنیا کی آبادی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ رہنے کے لیے جگہ کم پڑ گئی ہے، اسی لیے اب دنیا بھر میں کئی کئی منزلہ مکان یا فلیٹ زیادہ تعمیر ہو رہے ہیں۔ پھر بھی بہت سے لوگ بڑے بڑے مکانوں میں رہنا چاہتے ہیں، جن میں ہر طرح کی سہولیات حاصل ہوں۔ چھوٹے چھوٹے تنگ مکانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، لیکن پولینڈ کے دارالحکومت وارسا میں دو عمارتوں کے درمیان بچی ہوئی تقریباً چار فیٹ خالی جگہ پر ایک پانچ منزلہ مکان تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے پتلا یا کم چوڑا گھر ہے۔ اس گھر کا نام ''کیرٹ ہاؤس'' رکھا گیا ہے۔ گھر میں سونے کا کمرا، بیٹھک (ڈرائنگ روم)، باورچی خانہ، غسل خانہ وغیرہ سب موجود ہے۔ یہ عجیب و غریب گھر مشہور شخصیات کو باری باری کرائے پر دیا جائے گا۔ کیا آپ بھی جانا چاہتے ہیں؟

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

خوش ذوق نونہالوں کے پسندیدہ اشعار

بیت بازی

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا میں ، سو مجھے انسان کیا

شاعر : میر تقی میر　　پسند : خدیجہ مہ، دگھیر

دردِ دل ، پاسِ وفا ، جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا

شاعر: برج نرائن چکبست　　پسند: سید باذل علی ہاشمی، کورنگی

دنیا کی روایات سے بیگانہ نہیں ہوں
چھیڑ نہ مجھے ، میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں

شاعر: شکیل بدایونی　　پسند: ریان طارق، کراچی

دیکھیے تو برپا ہیں ہر قدم پہ ہنگامے
سوچیے تو دنیا میں ہے ہر آدمی تنہا

شاعر : احسان دانش　　پسند : شائلہ ذیشان، ملیر

غم اس طرح رہا ہے مسلسل خوشی کے ساتھ
سایہ ہو جس طرح سے لگا روشنی کے ساتھ

شاعر: اختر شیرانی　　پسند: حمیدہ قیصر، حیدر آباد

یہ کہہ کے دل نے مرے حوصلے بڑھائے ہیں
غموں کی دھوپ کے آگے خوشی کے سائے ہیں

شاعر: ماہر القادری　　پسند: یوسف ریحان، پشاور

پاؤں پھیلائے ، مگر ہاتھ نہیں پھیلایا
زندگی بھر کا توکل ہے میرا سرمایا

شاعر: صہبا اختر　　پسند: آصف بوزدار، میر پور ماتھیلو

خوف خدا ہے نہ خوف خدائی
بشر دے رہا ہے بشر کی دُہائی

شاعر: ساغر صدیقی　　پسند: عبدالجبار رومی انصاری، لاہور

یہ اب کھلا کہ کوئی بھی منظر مرا نہ تھا
جس گھر میں رہ رہا تھا ، وہی گھر مرا نہ تھا

شاعر: افتخار عارف　　پسند: زہرا مومن، اسلام آباد

میں تو روتا دیکھ کر سب کو ، رونے لگتا ہوں
دیکھ کے مجھ کو لوگ مگر ، کیوں ہنسنے لگتے ہیں

شاعر: عارف شفیق　　پسند: خرم احمد، نارتھ کراچی

ڈالے گئے اس واسطے پتھر مرے آگے
ٹھوکر سے اگر ہوش سنبھل جائے تو اچھا

شاعر: مرتضیٰ برلاس　　پسند: زینب نور، سرگودھا

وحشت کا یہ عالم کہ پسِ چاکِ گریباں
لڑتے ہیں بہاروں سے ، اُلجھتے ہیں خزاں سے

شاعر: جاوید صبا　　پسند: اسامہ محبوب، نواب شاہ

بڑے وثوق سے دنیا فریب دیتی رہی
بڑے خلوص سے ہم اعتبار کرتے رہے

شاعر: شوکت واسطی　　پسند: قدیر الدین، خیر پور

شہر کے باسی جانیں کیسے سوئیں گے
دیوانے کے ہاتھوں میں شہنائی ہے

شاعر: زاہد سعید زاہد　　پسند: سمیع الرحمان، جھنگ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اُدھار کی سیڑھی

احمد عدنان طارق

''نامی'' ایک بونا تھا۔ وہ بونوں کے ایک ایسے گاؤں میں رہتا تھا، جہاں تمام گھر ٹیڑھے میڑھے انداز سے بنے ہوئے تھے۔ وہ قد میں چھوٹا، لیکن ذرا موٹا تھا اور ہر وقت مسکراتا رہتا تھا۔ وہ خاصا دولت مند تھا۔ اس نے اپنے گھر کی سجاوٹ میں کوئی کمی آنے نہیں دی تھی۔ اکثر لوگ اس کی خوش مزاجی کی وجہ سے اسے پسند کرتے تھے، لیکن اس کی ایک عادت سب کو ناپسند تھی۔ وہ عادت اس کے اُدھار مانگنے کی تھی۔ وہ ہر کسی سے مختلف قسم کی چیزیں اُدھار مانگتا رہتا تھا۔ یہ چیزیں بہت احتیاط سے استعمال کرنے کے بعد وہ ان کے مالکوں کو واپس بھی کر دیا کرتا، لیکن پھر بھی لوگوں کو اپنی نئی چیزیں کسی کو اُدھار دینا پسند نہیں تھا۔ سب اس کی اس عادت کو بُرا سمجھتے تھے، کیوں کہ وہ خاصا مال دار تھا اور اُدھار چیزیں مانگنے کی بجائے انھیں آسانی سے خرید بھی سکتا تھا۔

گاؤں کے لوگ اس کی عادت کے بارے میں اس سے تذکرہ نہیں کرتے تھے، کیوں کہ ذاتی طور پر وہ اچھا انسان تھا اور کوئی اس کا دل دُکھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے پڑوس والا گھر جو خالی پڑا تھا، وہاں ایک اور بونا بنٹی آ کر رہنے لگا۔ وہ بہت ہی دُبلا پتلا تھا۔ اس کے چہرے پر لمبی داڑھی تھی اور وہ سر پر ہمیشہ ایک تکونی ٹوپی پہنے رہتا تھا۔ نامی نے گھر کی دیوار کے اوپر سے جھانک کر بنٹی کو خوش آمدید کہا۔ بنٹی نے ابھی تمام چیزیں قرینے سے رکھی بھی نہ تھیں کہ نامی نے اس سے چیزیں اُدھار مانگنی شروع کر دیں۔ پہلے اس نے پھاوڑا مانگا، پھر پہننے کے لیے کوٹ۔ پھر اس نے شہد کی مکھیوں کی افزائش پر لکھی گئی کتاب مانگی۔ پھر گھر میں چوہے پکڑنے کے لیے بنٹی کی بلی بھی مانگ لی۔ بنٹی اسے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

خوشی خوشی چیزیں اُدھار دیتا رہا۔ جلد ہی وہ نامی کی عادت سے واقف ہو گیا۔

ایک دن بستی کے سردار سیمی کو بنٹی نے بتایا کہ اس کے پاس ایک ترکیب ہے۔

سیمی نے پوچھا: ''اس ترکیب سے نامی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچے گا؟''

بنٹی نے بتایا: ''نہیں ہرگز نہیں، بلکہ درحقیقت یہ ایک مزاحیہ ترکیب ہے۔ جب میں اس پر عمل درآمد کروں گا تو تمھیں بتاؤں گا۔ تم بھی آ کر دیکھنا۔'' یہ کہہ کر بنٹی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا گھر واپس آ گیا۔

اگلی صبح وہ بازار گیا اور ایک نئی سیڑھی خرید کر لایا، جو اتنی لمبی تھی کہ آسانی سے چھت تک پہنچ جائے۔ اس شام بنٹی نے ایک نیلا برش سیڑھی کے زینوں پر پھیرا اور ساتھ ساتھ ایک جادو کا منتر بھی پڑھتا رہا۔ یہ کام کر کے وہ مطمئن تھا اور پھر وہ سونے کے لیے گھر کے اندر چلا گیا۔

صبح نامی نے نئی سیڑھی دیکھی تو اسے فوراً یاد آیا کہ اس کی چھت پر لگی ہوئی ایک اینٹ اُکھڑی ہوئی ہے۔ اس نے سوچا کہ اسے بنٹی سے سیڑھی اُدھار لے کر اپنی چھت کی مرمت کرنی چاہیے۔ وہ دوڑتا ہوا بنٹی کے دروازے پر پہنچا اور اسے زور سے کھٹکھٹایا۔

بنٹی نے دروازہ کھولا۔ نامی نے پوچھا: ''بنٹی بھائی! کیا تم مجھے اپنی سیڑھی اُدھار دو گے؟ میں چھت پر چڑھ کر اس کی مرمت کرنا چاہتا ہوں۔''

بنٹی بولا: ''نامی بھائی! یہ عام سیڑھی نہیں ہے۔ میں تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ اسے استعمال نہ کرو۔''

نامی پُرجوش انداز میں بولا: ''کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ بہت ہی شان دار سیڑھی ہے اور آسانی سے چھت تک پہنچ جائے گی۔ مہربانی کر کے مجھے ایک دن کے لیے یہ سیڑھی اُدھار

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

دے دو۔''

بنٹی کے اجازت دینے پر اس نے سیڑھی اُٹھائی اور اپنے باغیچے میں لے گیا۔ اس نے اسے چھت کے ساتھ لگایا اور اس پر چڑھنے لگا۔ وہ اوپر چڑھتا رہا اور پھر چڑھتا ہی رہا۔ چھت تک پہنچنے کا سفر لمبے سے لمبا ہی ہوتا گیا۔ اس نے سر اُٹھا کر اوپر دیکھا کہ چھت کتنی دور رہ گئی ہے۔ چھت اسے کوئی اتنی دور دکھائی نہ دی۔ لہٰذا اس نے تیزی سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا، لیکن پھر بھی چھت تک نہ پہنچ سکا۔ بہت ہی عجیب وغریب معاملہ تھا۔ پھر اس نے نیچے کی طرف دیکھا کہ وہ فرش سے کتنا اوپر آ چکا ہے۔ جیسے ہی اس نے نیچے دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ خطرناک حد تک اوپر آ چکا تھا۔ سیڑھی اسے بہت ہی عجیب وغریب دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جیسے ہی سیڑھی کے وسط میں پہنچا تو سیڑھی کی لمبائی میں اضافہ ہوتا رہا تھا اور نیچے سیڑھی کے تختے ٹیڑھی میڑھی شکل اختیار کر چکے تھے۔ اس وقت تک بنٹی سیمی کو پیغام بھجوا چکا تھا کہ وہ آئے اور دیکھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ سیمی آیا اور اس نے نامی کو مسلسل سیڑھی پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ ساکن کھڑا ہو کر حیرانی سے تماشا دیکھنے لگا۔ گاؤں میں رہنے والے دوسرے بونے بھی وہاں آ گئے۔ سبھی بے اختیار ہنسنے لگے۔ بہت ہی پُرمزاح منظر تھا۔ نامی چھت پر پہنچنے کے لیے تگ ودو کر رہا تھا اور سیڑھی لمبی ہوتی جا رہی تھی۔ نامی بہت پریشان تھا۔ اس نے نیچے کھڑے سب لوگوں کو خود پر ہنستے ہوئے دیکھا۔ وہ شرمندہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اُس نے ایک دفعہ پھر سیڑھی کو دیکھا اور حیران پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ آخر یہ لمبی کیسے ہو گئی۔

سیمی نے اسے اونچی آواز میں مشورہ دیا: ''نامی! تم واپس کیوں نہیں آ جاتے؟ تم اس رفتار سے کبھی چھت تک نہیں پہنچ سکتے۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

یہ سن کر نامی نے واپس اُترنا شروع کر دیا، لیکن جیسے ہی وہ نیچے اُترنا شروع ہوا، سیڑھی بلند ہوتی گئی۔ اب بے چارہ نامی نہ سیڑھی پر چڑھ سکتا تھا اور نہ اُتر سکتا تھا۔ وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ بنٹی نے خبردار کیا تھا کہ یہ عام سیڑھی نہیں ہے اور اسے نصیحت کی تھی کہ وہ اسے اُدھار نہ لے، لیکن اس نے بے وقوفی کی اور بنٹی کی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ آخر وہ سیڑھی کے ایک ڈنڈے پر بیٹھ گیا اور گہرے سانس لینے لگا۔ ہر کوئی اسے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

بنٹی اونچی آواز میں سب کو بتانے لگا: ''میں نے تو یہ سیڑھی اُدھار نہ لینے کے لیے کہا تھا، لیکن نامی نہ مانا۔''

یہ سن کر ایک بونا بولا: ''نامی سب سے چیزیں اُدھار مانگتا رہتا ہے۔ اسے اس بُری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

عادت کی خوب سزا ملی ہے۔ ہوسکتا ہے، اس سے اس کی بُری عادت چھوٹ جائے۔''

نامی یہ باتیں آسانی سے سن رہا تھا اور شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا۔ واقعی یہ حقیقت تھی کہ اسے جن چیزوں کی ضرورت بھی نہیں تھی، وہ بھی اُدھار مانگتا رہتا تھا۔ واقعی اس خطرناک اور خوف ناک سیڑھی نے اسے خوب مزہ چکھایا تھا۔ اس نے عہد کیا کہ آیندہ وہ کبھی اُدھار نہیں لے گا، لیکن اب وہ کیا کرے۔ اگر وہ اوپر چڑھتا ہے تو سیڑھی لمبی ہو جاتی ہے اور یہی ہوتا ہے، جب وہ نیچے اُترنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا، پتا نہیں کب تک اسے سیڑھی کے درمیان میں ہی بیٹھنا پڑے، پھر وہ خود سے بولا: ''مجھے ہر صورت نیچے پہنچنا چاہیے۔ چاہے کتنی ہی تکلیف اُٹھانی پڑے۔''

لہٰذا وہ ایک عزم کے ساتھ نیچے اُترنے لگا۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور لوگ نیچے کھڑے ہنس رہے تھے۔ آخر نامی نیچے اُترنے میں کام یاب ہو گیا۔ وہ سیڑھی سے اُتر کر ہانپتا ہوا گھاس پر ہی بیٹھ گیا۔

بنٹی اس کے نزدیک جا کر بولا: ''کیا میں اپنی سیڑھی واپس لے جاؤں؟ مجھے بھی کام کرنا ہے۔''

نامی بولا: ''تم خوشی سے اسے واپس لے جاؤ۔ یہ بہت خطرناک سیڑھی ہے۔ جادو کی ہے۔ میں اسے کبھی دوبارہ اُدھار نہیں لوں گا، بلکہ اب میں پوری زندگی کسی سے کبھی بھی اُدھار نہیں لوں گا۔''

بنٹی نے کہا: ''تو ٹھیک ہے۔ میں اسے واپس لے جاتا ہوں۔ مجھے بھی اپنی چھت کی تھوڑی سی مرمت کرنی ہے۔''

نامی حیران ہو کر بولا: ''تو کیا تمھارا ارادہ اتنی خطرناک سیڑھی پر چڑھنے کا ہے؟

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بنٹی بھائی! ایسا مت کرنا۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔ یہ تمھارے ساتھ بھی وہی سلوک کرے گی، جو اس نے میرے ساتھ کیا ہے۔''

بنٹی کہنے لگا: ''میں اس سے خوف زدہ نہیں ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے سیڑھی اُٹھائی اور اپنے گھر لے آیا۔ راستے میں اس نے ایک اور منتر پڑھ کر سیڑھی پر کیا گیا جادو ختم کر دیا۔ اب جب اس نے سیڑھی چھت کے ساتھ لگائی تو وہ ایک عام سیڑھی کا روپ دھار چکی تھی۔

نامی اپنے گھر سے تماشا دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ اب سیڑھی سیدھی کیسے ہو گئی ہے۔ اسے حیران ہوتے دیکھ کر بنٹی اونچی آواز میں بولا: ''اسے اُدھار پر جانا پسند نہیں ہے نامی! اب میں چھت پر کام کر کے آرام کروں گا۔ خدا حافظ۔'' ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ٹھنڈی دھات

دھاتیں جو ہمارے کام آتی ہیں، وہ لوہا، تانبا اور پیتل وغیرہ ہیں۔ کچھ ایسی بھی ہیں جو دو دھاتوں کو ملا کر بنائی جاتی ہیں۔ سائنس داں ایک ایسی دھات پر تجربات کر رہے ہیں، جس کی شیٹیں بے حد پتلی ہوں گی۔ یعنی وہ ۰.۰۰۸ ملی میٹر کی ہوں گی۔ یوں سمجھ لیں بیسیوں المونیم کی پٹی سے کچھ موٹی دھات کی یہ شیٹیں سستی تیار ہو سکیں گی۔ ایک سائنس داں نے بتایا کہ دھات کو ان شیٹوں کی بیرونی گرمی کو روکنے اور ٹھنڈک پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

اگر ریفریجریٹر کو بنانے میں یہ شیٹ اس کے چاروں طرف لپیٹ دی جائے گی تو وہ اندر رکھی ہوئی چیزوں کو ٹھنڈا رکھے گی اور کھانے پینے کی اشیا دیر تک محفوظ رہ سکیں گی۔ اسی طرح سے ان شیٹوں کو کسی عمارت کی چھت اور دیواروں پر لگا دیا جائے گا تو وہ اس طرح سے ٹھنڈی رہیں گی جیسے کہ عمارت میں ایئر کنڈیشنر لگا ہو۔ حال آنکہ ایئر کنڈیشنر لگانے کے بعد ٹھنڈک پیدا کرنے کے لیے پانی اور بجلی کا خرچ ہوتا ہے۔ ان نئی شیٹوں کو لگانے کے بعد کوئی خرچ نہیں ہوگا۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اس دھات میں یہ خاصیت ہے کہ یہ سورج کی شعاعوں کی تیزی کو ختم کر دے گی، اس لیے گرمی کے بے اثر ہونے کے بعد چیزیں ٹھنڈی رہیں گی۔ گرمیوں میں ۲۰ مربع گز کے مکان کی چھت پر اگر یہ شیٹیں لگا دی جائیں گی تو اس مکان کو آسانی سے ٹھنڈا کر دیں گی۔

دھات کی یہ شیٹیں ہلکی، نفیس اور پتلی ہوں گی، اس لیے انھیں اونچی نیچی جگہوں پر بھی استعمال کیا جا سکے گا، لیکن ابھی یہ بازار میں نہیں آئی ہیں۔ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

احساسِ ندامت

محمد فاروق دانش

نعمان نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر اپنے بیٹے سلمان کو ایک اچھے اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔ نعمان کسی فیکٹری میں معمولی سی نوکری کرتا تھا، لیکن اُسے ایک آس تھی کہ وہ سلمان کو پڑھا لکھا کر اس قابل بنا دے کہ وہ کوئی اچھا پیشہ اختیار کرے یا اچھی ملازمت حاصل کر کے اپنا مستقبل سنوار سکے۔ وہ روز سویرے اپنے لاڈلے کو اسکول چھوڑنے جاتا تھا۔ اس کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ وہ دوسرے بچوں کی طرح سلمان کے لیے بھی کوئی گاڑی لگوا سکے۔

آج اتوار کا دن تھا اور اس کی چھٹی تھی۔ رات کو پتا چلا تھا کہ اس کا بھائی سخت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بیمار ہے، اس لیے اسے دیکھنے جانا ضروری تھا۔ اس کا بھائی دوسرے شہر میں رہتا تھا۔ نعمان کے گھر سے تین گھنٹے کا راستہ تھا، اس لیے اس نے سویرے ہی نکل جانا مناسب سمجھا کہ بعد میں گرمی بڑھ جائے گی۔

بس دو گھنٹے بعد ایک بڑے اسٹاپ پر ٹھیری تو مسافروں کو بتایا گیا کہ بس میں کچھ خرابی ہوگئی ہے، اس لیے خرابی دور ہونے کے بعد بس روانہ ہوگی۔

مسافروں کو ایک گھنٹے کے بعد بس میں سوار ہونے کے لیے کہا گیا تھا۔ نعمان نے سوچا کہ کیوں نہ اس علاقے میں تھوڑا سا گھوم لیا جائے۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی اور بسم اللہ پڑھ کر بس سے اُتر گیا۔ وہ کچھ آگے گیا تو اسے بھوک لگی۔ وہ اردگرد کوئی ہوٹل تلاش کرنے لگا، تاکہ ناشتا کر لے۔ سویرے تو وہ صرف چائے پی کر ہی چل دیا تھا۔

ابھی وہ اس سوچ میں ہی تھا کہ ایک دیہاتی نے سلام دعا کے بعد اس سے کہا: ''لگتا ہے اس علاقے میں نئے ہو؟''

''جی!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

دیہاتی نے پوچھا: ''انڈا اور پراٹھا کھاؤ گے؟''

''ہاں، اگر ہوٹل زیادہ دور نہ ہو۔'' یہ کہہ کر اس نے دیہاتی کے ساتھ چلنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ دونوں بازار سے گزر کر تھوڑی دور ایک ایسے مکان کے سامنے کھڑے تھے، جس کے دروازے پر ایک قطار لگی ہوئی تھی۔ کوئی پچاس ساٹھ افراد اس قطار میں کھڑے تھے۔ اس شخص نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس قطار کی جانب بڑھا اور اسے بھی اپنے ساتھ کھڑا کر لیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''یہ سب کیا ہے؟'' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

''ارے بابا! سب سمجھ جاؤ گے۔'' اس کے بعد اس نے کسی بات کا جواب نہیں دیا اور نعمان کو لے کر قطار میں آگے بڑھتا رہا۔ دس منٹ کے اندر اندر ان کا نمبر بھی آگیا۔ اس کا ہاتھ جب کھڑکی میں گیا تو اندر سے ایک ٹوکن دے دیا گیا، جس پر ایک انڈا، ایک پراٹھا تحریر تھا۔ ان کے پیچھے بھی خاصی تعداد میں لوگ جمع ہو چکے تھے۔ ٹوکن لے کر وہ خوشی خوشی اندر چلے گئے۔ یہ ایک بڑا صحن تھا، جس میں دریاں اور دستر خوان بچھے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ پہلے ہی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ دونوں بھی وہیں بیٹھ گئے۔ انھیں کتنا انتظار کرنا ہوگا؟ اس نے سوالیہ نظروں سے جب اس اجنبی ہمدرد کی جانب دیکھا تو وہ اس کی پریشانی کو بھانپ کر خود ہی بولا: ''ہمارے ٹوکن کا نمبر ۲۵ ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جیسے ہی ۱۰۱ واں ٹوکن دے دیا جائے گا، کھڑکی بند ہو جائے گی اور تمام لوگوں کے دسترخوان پر بیٹھتے ہی ناشتا تقسیم ہونا شروع ہو جائے گا۔''

نعمان کے پاس آدھا گھنٹا باقی تھا، اس نے یہاں آنے سے پہلے اپنے ساتھی مسافر کو اپنا موبائل نمبر لکھوا کر یہ تاکید کر آیا تھا کہ خرابی دور ہونے کے بعد بس چلنے کو ہو تو اطلاع کر دے اور بس والوں کو بتائے کہ میرا بھائی آرہا ہے، ذرا رک جائے۔

کچھ ہی دیر میں ہر فرد کے آگے ایک کاغذ کی پلیٹ میں انڈا پراٹھا رکھ دیا گیا۔ انڈا پراٹھا خوش بودار دیسی گھی میں تلا ہوا تھا۔ اس کے بعد سب کے آگے چائے کا ایک ایک کپ بھی رکھ دیا گیا۔ وہ بے حد حیران تھا کہ یہ نہ تو ہوٹل ہے نہ کوئی مہمان خانہ، پھر اس قدر اہتمام کیوں؟

جب وہ کھا پی کر باہر نکلے تو میزبانوں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور آیندہ بھی آنے کی دعوت دی۔ بیرونی دروازے پر اب اس محفل کا انعقاد کرنے والا فراخ دل انسان بھی موجود تھا، جو باہر جانے والے ہر فرد سے خوش دلی سے ہاتھ ملا کر اسے رخصت کر رہا تھا۔

وہ اس عجیب و غریب دعوت پر خوش ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقت جاننے کے لیے بے قرار تھا۔ وہ دیہاتی چوں کہ اسی علاقے کا تھا، اس لیے اسے اصل بات ضرور معلوم ہوگی۔ اس نے راستے میں یہی سوال دیہاتی سے کیا تو اس نے بتایا: ''بات یہ ہے کہ ابھی جس رئیس کی دعوت کھا کر ہم آرہے ہیں، اصل میں اس کے ساتھ بڑا عجیب و غریب واقعہ ہوا تھا، جس نے اس کی زندگی یکسر بدل دی اور اب وہ کئی برسوں سے روزانہ سو سے اوپر افراد کو ناشتا کراتا ہے، پھر اس کے بعد اپنے گھر والوں کے ساتھ جا کر کھاتا ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ایک وقت ایسا تھا کہ وہ ایک عام سا آدمی تھا۔ معمولی سی ملازمت تھی۔ گھر کے حالات زیادہ اچھے نہیں تھے، پھر بھی یہ خود روزانہ انڈے سے ہی ناشتا کرتا تھا۔ اس کا صرف ایک بیٹا تھا، جو اس کے ناشتے کے دوران سامنے آجاتا تھا تو وہ اسے جھڑک دیتا۔ وہ چاہتا تھا کہ ناشتے میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔''

اُف! اس کے بیٹے کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ نعمان نے اُداسی سے سوچا اور اچانک ہی اس کے ذہن میں کچھ خیالات پیدا ہونے لگے۔

''پھر یہ ہوا کہ اس زیادتی کی اسے سزا ملی۔ اس کا یہی اکلوتا بیٹا شدید بیمار ہوگیا۔ بیٹے کی بیماری نے اس کو مقروض کر دیا۔ وہ اس کے علاج کے لیے مارا مارا پھرتا رہا۔ پریشانی تھی کہ ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔

''ایک درویش نے جب اسے پریشانی میں دیکھا تو پوری بات سن کر یہ مشورہ دیا کہ تم غریبوں میں انڈا پراٹھا تقسیم کرو۔ اللہ تعالیٰ تمھاری ہر مشکل آسان کرے گا۔ رئیس نے یہی معمول بنایا اور اپنی پسند کی چیز یعنی انڈا اور پراٹھا بنواتا اور غریبوں کو کھلا دیتا۔ کچھ ہی عرصے میں اس کا بیٹا تن درست ہوگیا۔ اس نے اس عمل کو معمول بنالیا۔ اب وہ بیٹے کو پہلے کھلاتا، بعد میں خود کھاتا۔''

''واہ! یہ تو زبردست کام ہوا۔'' نعمان کے دماغ میں ایک خیال آرہا تھا تو دوسرا جارہا تھا۔

''اس اس نیک عمل کی وجہ سے اللہ نے اس کے کام میں ایسی برکت دی کہ اس کے پاس گویا دولت برسنے لگی۔ اس کے پاس ایک بنجر زمین تھی، اس سے فصل اُگنے لگی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

وہ راتوں رات امیر ہو گیا۔ شکرانِ نعمت کے طور پر اب یہ اس کا معمول ہے کہ پہلے ایک سو ایک لوگوں کو روزانہ کھانا کھلا کر پھر خود کھاتا ہے۔''

اس عرصے میں وہ بس اڈے کی طرف پہنچ چکے تھے۔ بس کی خرابی دور ہو چکی تھی اور مسافر بس میں سوار ہو رہے تھے۔
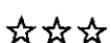
واقعہ ختم کر کے دیہاتی نے سلام دعا کے بعد اس سے اجازت لی اور روانہ ہو گیا۔

نعمان بھی جلدی سے بس میں سوار ہو گیا۔ اب وہ مستقل سوچ رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی کی خیریت دریافت کر کے جلد از جلد گھر جانا چاہتا تھا۔

آج کے واقعے نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ خود بھی جب انڈا پراٹھا کھاتا تو اس کی ننھی بیٹی کومل اس کے پاس آ بیٹھتی تو وہ اسے بھگا دیتا تھا۔ بیٹی کو بالکل بھی اہمیت نہیں دیتا۔ اسے ندامت کا احساس ہوا تو اس کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔

اپنے بھائی کی خیریت دریافت کر کے جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں انڈے، پراٹھے، حلوہ پوری اور مکھن سب کچھ تھا۔ اس نے سب سے پہلے اپنی بیٹی کومل کو آواز دی۔ اسے گود میں اُٹھایا۔ بہت پیار کیا اور پھر فوری دسترخوان لگوا کر سب کو بٹھا لیا۔ اپنی بیٹی کے منہ میں جب اس نے اپنے ہاتھوں سے نوالے رکھے تو اس کی خوشی دیکھ کر نعمان کا سیروں خون بڑھ گیا۔ اسے اُمید ہو چلی تھی کہ اپنے گھر والوں سے حسنِ سلوک کے صلے میں اللہ اس پر ضرور مہربان ہو گا۔

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

انعامی سلسلہ ۲۵۹

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے سولہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ صحیح جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ جولائی ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضرت یوسفؑ، حضرت اسحاقؑ کے .... تھے۔ (پوتے ۔ پڑپوتے ۔ بھتیجے)

۲۔ غزوہ خندق (احزاب) ذی قعدہ ۵ ہجری / مارچ .... عیسوی میں پیش آیا تھا۔ (۶۲۴ء ۔ ۶۲۷ء ۔ ۶۳۰ء)

۳۔ دنیا میں افطار کا سب سے بڑا اہتمام .... میں کیا جاتا ہے۔ (حرم کعبہ ۔ مسجد نبوی ۔ مسجد اقصیٰ)

۴۔ مشہور کتاب ''خلاصۃ التواریخ'' کے مصنف کا نام .... ہے۔ (محمد قاسم فرشتہ ۔ ضیاء الدین برنی ۔ سبحان رائے بٹالوی)

۵۔ ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۵ء تک ہندستان پر .... خاندان کی حکومت رہی۔ (تغلق ۔ لودھی ۔ سوری)

۶۔ پاکستان کے تفریحی پہاڑی علاقے سوات کا صدر مقام .... ہے۔ (کالام ۔ منگورا ۔ سیدو شریف)

۷۔ ۶ مارچ ۱۹۵۷ء کو افریقی ملک گولڈ کوسٹ کا نام تبدیل کر کے .... رکھا گیا۔ (چاڈ ۔ گھانا ۔ گنی)

۸۔ ہر سال ۷۔ اپریل کو عالمی یوم .... منایا جاتا ہے۔ (صارفین ۔ انصاف ۔ صحت)

۹۔ رومانیہ براعظم .... کا ایک ملک ہے۔ (شمالی امریکا ۔ جنوبی امریکا ۔ یورپ)

۱۰۔ امریکا کا قومی کھیل .... ہے۔ (فٹ بال ۔ بیس بال ۔ والی بال)

۱۱۔ ''عبدالحمید اسماعیل'' پاکستان کے مشہور مصور .... کا اصل نام ہے۔ (آذر زوبی ۔ گل جی ۔ صادقین)

۱۲۔ گلاسگو (GLASGOW) .... کی ایک بندرگاہ ہے۔ (آئس لینڈ ۔ پولینڈ ۔ اسکاٹ لینڈ)

۱۳۔ ایک مربع گز میں .... مربع انچ ہوتے ہیں۔ (۹۷۲ ۔ ۱۲۹۶ ۔ ۱۶۲۸)

۱۴۔ ''SQUIRREL'' انگریزی زبان میں .... کو کہتے ہیں۔ (گلہری ۔ اود بلاؤ ۔ چھچھوندر)

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت: ''چوری اور ....؟'' (کم زوری ۔ منھ زوری ۔ سینہ زوری)

۱۶۔ مشہور شاعر امیر مینائی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

وائے قسمت، وہ بھی کہتے ہیں بُرا ۔ ہم بُرے سب سے ہوئے .... کے لیے (ان ۔ جن ۔ کن)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۵۹ (جولائی ۲۰۱۷ء)

نام :

پتا :

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- جولائی ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (جولائی ۲۰۱۷ء)

عنوان :

نام :

پتا :

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ - جولائی ۲۰۱۷ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکا یئے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

نونہال بک کلب

کے ممبر بنیں اور اپنی ذاتی
لائبریری بنائیں

بک کلب کا ممبر بننے کے لیے بس ایک سادہ کاغذ پر اپنا نام،
پورا پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں بھیج دیں، آپ کو نونہال بک کلب کا ممبر بنالیا جائے گا
اور ممبر شپ کے کارڈ کے ساتھ کتابوں کی فہرست بھی بھیج دیں گے۔

ممبر بننے کی کوئی فیس نہیں ہے۔

ممبر شپ کارڈ کی بنیاد پر آپ نونہال ادب کی کتابوں کی خریداری پر
۲۵ فی صد رعایت حاصل کر سکتے ہیں۔

جو کتابیں منگوانی ہوں، ان کے نام، اپنا پورا صاف پتا اور ممبر شپ کارڈ نمبر لکھ کر بھیجیں اور
رجسٹری فیس کی رقم اور کتابوں کی قیمت منی آرڈر کے ذریعے سے
ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی
کے پتے پر بھیج دیں۔ آپ کے پتے پر ہم کتابیں بھیج دیں گے۔

کم سے کم ایک سو روپے کی کتابیں منگوانے پر
رجسٹری فیس ممبروں سے نہیں لی جائے گی

ان کتابوں سے لائبریری بنائیں، کتابیں خود بھی پڑھیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی پڑھوائیں۔

علم کی روشنی پھیلائیں

☆ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بہادر سردار

الیاس KC صاحب

مغل بادشاہ نصیر الدین ہمایوں ایک لڑائی میں شکست کھا کر ایران کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ ہمایوں کے ساتھ اس کی بیگم حمیدہ بانو اور چند جاں نثار ساتھی بھی تھے، باقی سب ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ یہ قافلہ سندھ کے لق و دق میدانوں کی خاک چھانتا اور بلوچستان کے اونچے اور دشوار گزار پہاڑوں کو عبور کر چکا تھا۔ رات سر پر تھی اور آگے ریگستان تھا۔ سواریاں اور سوار، دونوں تھک چکے تھے۔ ہمایوں نے اپنے ساتھی سرداروں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟

سرداروں نے جواب دیا: ''آقا! ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ جو حکم ہوگا، اس پر عمل کریں گے، لیکن تمام سوار اور سواریاں نڈھال ہیں۔ یہ سامنے کسی سردار کا قلعہ نظر آ رہا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ سردار ہمارا دوست ہے یا دشمن۔ ہماری رائے ہے کہ کسی کو بھیج کر پہلے حالات معلوم کیے جائیں، پھر فیصلہ کیا جائے کہ یہاں قیام کریں یا آگے بڑھیں۔''

ہمایوں نے سرداروں کے اس مشورے کو پسند کیا اور اپنے ایک سردار کی بیگم کو جو اتفاق سے بلوچ تھی، اسے اپنا ترجمان بنا کر قلعے کی طرف بھیجا۔ وہ بلوچ خاتون قلعے کے دروازے پر پہنچی اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ یہ اس علاقے کے ایک سردار کا قلعہ تھا۔ اس سردار کو کامران مرزا حاکمِ قندھار کی طرف سے ہمایوں کی گرفتاری کا فرمان مل چکا تھا۔ اسے یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ ہمایوں نے ایران جانے کے لیے اِدھر ہی کا رُخ کیا ہے۔ سردار کئی روز سے ہمایوں کی تلاش میں اپنے آدمی دوڑا چکا تھا اور آج بھی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

وہ اپنے آدمیوں کو لے کر ہمایوں کی تلاش میں قلعے سے باہر گیا ہوا تھا۔

بلوچ خاتون سردار کی بیگم کی خدمت میں پہنچی۔ بلوچی روایات کے مطابق بیگم نے بلوچ خاتون کو عزت سے بٹھایا، حال احوال پوچھا اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟

بلوچ خاتون نے سردار کی بیگم سے کہا: ''ہم ہندستان سے ایران جارہے تھے۔ آپ کے علاقے میں پہنچ کر رات سر پر آ گئی۔ ہماری سواریاں تھک گئی ہیں اور بھوکی پیاسی ہیں۔ سامنے میلوں تک ریت کے ٹیلے دکھائی دے رہے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم رات یہاں گزار لیں، صبح ہوتے ہی چلے جائیں گے۔''

بیگم نے نہایت خندہ پیشانی سے بلوچ خاتون کو قیام کی اجازت دے دی اور کہا: ''جب تک آپ کا دل چاہے، قیام کریں۔ آپ کے تمام ساتھی ہمارے مہمان ہیں اور ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ میرے شوہر اس وقت یہاں نہیں ہیں، لیکن آپ کو کسی قسم کی شکایت نہیں ہونے دیں گے۔ ہم بلوچ ہیں اور بلوچی روایات کے مطابق مہمان اور پناہ میں آئے ہوئے شخص کے لیے ہم اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اگر آپ لوگ مناسب خیال کریں تو آپ کے لیے قلعے میں بھی قیام کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔''

بلوچ خاتون نے یہ سن کر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: ''اس سے زیادہ ہم آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتے۔ اگر آپ اجازت دیں تو سامنے کھلے میدان میں ہم اپنے خیمے لگا لیں؟''

بیگم نے اپنے خادموں کو بُلا کر حکم دیا کہ قلعے کے سامنے میدان میں خیمے اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

شامیانے نصب کر کے مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کیا جائے۔

پھر اپنے خاص خدمت گار کو بُلا کر کہا: ''قلعے کے سامنے والے میدان میں ہمارے مہمان ٹھیرے ہیں۔ یہ بھولے بھٹکے لوگوں کا ایک قافلہ ہے۔ میں نہیں جانتی کہ کون لوگ ہیں، لیکن ایک معزز خاتون مجھ سے اجازت لینے آئی تھی۔ اس کے طور طریقے اور اندازِ گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ ہندستان کے شرفا میں سے ہیں۔ قدرت کی طرف سے ان پر وقت آ پڑا ہے۔ میں انھیں پناہ دے چکی ہوں۔ اب ان کی حفاظت، دیکھ بھال اور سب کے لیے کھانے پینے کا انتظام تمھارے ذمے ہے۔ خیال رہے کہ ہمارے قبائلی روایات کے مطابق مہمانوں پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے پائے۔''

بیگم کا یہ حکم سنتے ہی خدمت گار مستعد ہو گیا اور اپنی ذمے داری پوری کرنے کے لیے چلا گیا۔ میدان میں ہر طرف خیمے لگ گئے۔ دُنبے ذبح کیے گئے اور مہمانوں کے پاس کھانا پکا کر بھیجا گیا۔

اتفاق سے اسی رات سردار واپس آ گیا۔ قلعے کے سامنے ہر طرف خیمے لگے دیکھے، کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میدان میں کس کے خیمے لگے ہیں۔ قلعے میں پہنچ کر بیگم سے تمام واقعے کا علم ہوا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے مہمان کون ہیں۔ رات کا زیادہ حصہ گزر چکا تھا۔ وہ بھی کئی دن کی بھاگ دوڑ سے تھکا ہوا تھا۔ اس وقت تو آرام کے لیے لیٹ گیا، مگر صبح ہوتے ہی مہمانوں سے ملاقات کے لیے پہنچ گیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جس کی گرفتاری کا حکم نامہ اس کی جیب میں ہے اور جس کی گرفتاری کے لیے وہ کئی روز سے پہاڑوں اور میدانوں کی خاک چھانتا رہا ہے، وہی ''ہمایوں'' اس کا مہمان ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بہر حال اب وہ اس کے دستر خوان پر کھانا کھا چکا تھا اور اس کی بیگم اسے پناہ دے چکی تھی۔ اب مروّت، رواداری اور مہمانوں کی حمایت و طرف داری کا تقاضا یہ تھا کہ ہر طرح سے ان معزز مہمانوں کی حفاظت کی جائے۔ اب ہمایوں کی جان کی نہیں، بلکہ بلوچی آن کی بات تھی۔ یہ سب کچھ سوچ کر وہ آگے بڑھا۔ ہمایوں کو اپنے علاقے میں آنے پر ''خوش آمدید'' کہتے ہوئے عرض کیا: ''شہنشاہ! آپ ایک بلوچ سردار کے معزز مہمان ہیں اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ایسے عظیم مہمان کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ میری خواہش یہ ہے کہ چند روز یہاں قیام فرما کر میری مزید عزت افزائی فرمائیں اور مجھے خدمت کی سعادت بخشیں۔''

ہمایوں تمام رات آرام کے ساتھ گزارنے کے بعد بھی اپنے ساتھی سرداروں کے چہروں پر تھکن کے اثرات دیکھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ سیکڑوں میل کا دشوار گزار راستہ طے کر کے وفادار ساتھیوں کو ابھی مزید آرام کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بلوچ سردار کا پُر خلوص برتاؤ اور محبت آمیز رویہ بھی اسے مجبور کر رہا تھا کہ اس کی درخواست کو رَد نہ کیا جائے۔ یہ سب کچھ سوچ کر ہمایوں نے چند روز قیام پر رضامندی ظاہر کر دی۔

سردار نے ہمایوں کی منظوری حاصل کر کے خوشی خوشی اپنے قبیلے والوں اور ساتھیوں کو بتایا: ''ہمارا معزز مہمان شہنشاہِ ہند نصیر الدین ہمایوں ہے۔ شاہ کے شایانِ شان جشن کا انتظام کیا جائے۔''

اس نے آس پاس کے اپنے دوست قبائل کو بھی اس شاہانہ جشن میں شرکت کی دعوت دی۔ ایک عرصے کی بھاگ دوڑ کے بعد ہمایوں اور اس کے ساتھیوں کو آرام سے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بیٹھنا نصیب ہوا۔ بلوچ سرداروں نے خوب آؤ بھگت کی۔ اگر چہ دن رات مسرت سے گزر رہے تھے، مگر ہمایوں اور اس کے ساتھیوں کو ایران پہنچنے کی جلدی تھی۔ وہ ہر روز روانگی کا ارادہ کرتے، لیکن کبھی سردار اور کبھی دوسرے قبائلی لوگ ہمایوں سے درخواست کر کے اسے روک لیتے، اسی طرح آج کل کرتے کرتے بیس پچیس دن گزر گئے۔

ایک دن ہمایوں کو اس کے مخبروں نے اطلاع دی کہ اس کا بھائی کامران مرزا ہندستان کے چند بڑے بڑے جاگیرداروں کے ساتھ اسے گھیر کر گرفتار کرنے کی فکر میں ہے، اس لیے جس قدر جلدی ممکن ہو، سرحد عبور کر کے ایران میں داخل ہو جانا چاہیے۔ ہمایوں نے اپنے ساتھی عہدے داروں سے مشورہ کر کے طے کیا کہ کل بہر صورت اجازت لے کر ایران کی طرف نکل جانا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم گھیرے میں آ جائیں اور ہماری وجہ سے ہمارے میزبان بھی مصیبت میں پھنس جائیں۔

دوسرے روز ہمایوں نے بلوچ سردار اور دوسرے قبائلی لوگوں کا شکریہ ادا کر کے اجازت طلب کی۔ سردار اور دوسرے بلوچوں نے اگر چہ مزید قیام پر اصرار کیا، لیکن ہمایوں نے اپنی مجبوری بیان کر کے ان سے اجازت لے لی۔ تمام خیمے وغیرہ اُکھاڑ لیے گئے اور ہمایوں کے ساتھی اپنی اپنی سواریوں پر سوار روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔

بلوچ سردار نے بھی ہمایوں کو ایران کی سرحد تک پہنچانے کے لیے اپنے خدمت گاروں کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ ہمایوں کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے سردار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے اس زحمت سے روکا، مگر اس نے کہا: ” جنابِ والا!

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

حالات خطرناک ہیں۔ زمین و آسمان آپ کے دشمن ہو رہے ہیں۔ اگر خدانخواستہ راستے میں کوئی ناگوار صورت پیش آ گئی اور آپ جیسے معزز کو ہمارے علاقے میں کوئی تکلیف پہنچی تو ہماری روایات اور قبائلی آن پر ایسا دھبا لگے گا، جو دُھلے نہ دُھلے گا، اس لیے مجھے ایران کی سرحد تک ساتھ چلنے کی عزت دی جائے۔"

ہمایوں نے بھی مناسب خیال کیا کہ ایسے حالات میں سردار کی ہمراہی فائدہ مند ثابت ہوگی۔ چناں چہ ہمایوں کے ساتھ سردار اور اس کے ساتھی بھی چل پڑے۔ جب یہ قافلہ ایران کی سرحد پر پہنچا اور ایک دوسرے سے رخصتی کلمات کہہ کر جدا ہونے لگے تو سردار نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر ہمایوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا: "عالی جاہ! یہ آپ کے بھائی کامران مرزا کا حکم نامہ ہے، جو اس نے میرے پاس آپ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ میں آپ ہی کی تلاش میں تھا کہ آپ میرے مہمان بن گئے اور میرے دستر خوان پر آپ نے کھانا کھالیا۔ یہ ہماری روایات کے خلاف تھا کہ ہم اپنے مہمانوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچائیں یا پہنچنے دیں۔ آپ اس کاغذ کو ملاحظہ فرما کر چاک کر دیجیے۔ اب ہم آپ کے دوست اور ساتھی ہیں۔ کسی بھی موقع پر آپ ہمیں پیچھے نہیں پائیں گے۔"

اس بامروت بہادر بلوچ نے یہ الفاظ کہے اور اپنے گھوڑے کا رُخ موڑ دیا۔ ہمایوں کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر یہ الفاظ تھے: "میرے بہادر دوست! میرے وفادار ساتھی! خدا حافظ، اللہ تمھارا مدد گار ہو۔"

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہنڈ کلیا

قلاقند قلفی

مرسلہ : سمیہ وسیم، سکھر

دودھ : ایک کلو (ہلکی آنچ پر پکا کر گاڑھا کر لیں)
سویاں : آدھی پیالی
چھوٹی الائچی : پانچ عدد
چینی : ایک پیالی
کارن فلور : ایک کھانے کا چمچہ
چاول کا آٹا : ایک کھانے کا چمچہ
قلاقند : آدھی پیالی
پستے : حسب ضرورت
بادام : حسب ضرورت

ترکیب: دودھ ہلکی آنچ پر اتنا پکالیں کہ گاڑھا ہو جائے۔ سویاں آدھی پیالی پانی ڈال کر اُبالیں اور بلینڈر میں پیس لیں، پھر سویاں دودھ میں ڈال دیں اور چمچہ چلاتے رہیں۔ پانچ منٹ بعد پستے، بادام، الائچی اور چینی ڈال دیں۔ کارن فلور اور چاول کا آٹا آدھی پیالی ٹھنڈے دودھ میں بھگو دیں۔ دس منٹ بعد کارن فلور اور چاول کا آٹا (دودھ ملا ہوا) ڈال دیں اور پکنے دیں۔ جب آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو چولھا بند کر دیں اور ٹھنڈا ہونے پر قلاقند ملا دیں اور اچھی طرح پھینٹ لیں، پھر فریز کر لیں۔ ٹھنڈا کر کے پیش کریں اور گرمی کے موسم کا لطف اُٹھائیں۔

پین کیک

مرسلہ : ثمر نیک، اسلام آباد

میدہ : ایک کپ
چینی پسی ہوئی : ڈیڑھ پیالی
دودھ : ایک پیالی
انڈا : ایک عدد
میٹھا سوڈا : آدھا چائے کا چمچہ
بیکنگ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچہ
نمک : آدھا چائے کا چمچہ
آئل : دو کھانے کے چمچے
زردے کا رنگ : آدھا کھانے کا چمچہ
کریم : حسب ضرورت

ترکیب : سب سے پہلے ایک پیالے میں میدہ، چینی، دودھ، میٹھا سوڈا، نمک، بیکنگ پاؤڈر اور انڈا ڈال کر سب کو اچھی طرح پھینٹیں۔ یہاں تک کہ پتلا ہو جائے۔ اب ایک تلنے والے برتن میں دو کھانے کے چمچے تیل ڈال کر گرم کریں۔ پھر ایک کپ کی مدد سے پھینٹے ہوئے آمیزے کو اس برتن میں ڈال کر تلیں۔ جب براؤن ہو جائے تو پلیٹ میں نکال لیں اور تازہ کریم کے ساتھ پیش کیجیے۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری ہمدرد فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں کا ایک حصہ ہے۔ ہر مہینے پورے پاکستان میں ہزاروں مریضوں کا فری چیک اپ کر کے فری دوائیاں دی جاتی ہیں۔ یہ فری موبائل ڈسپنسریاں کراچی، لاہور، ملتان، بہاول پور، فیصل آباد، سرگودھا، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، سکھر، حیدر آباد اور آزاد کشمیر میں مستحق مریضوں کا علاج کرتی ہیں۔

کراچی کے لیے چھے گاڑیاں درجِ ذیل علاقوں میں خدمت پر مامور ہیں:

غازی آباد، گلشن بہار، اورنگی نمبر 13، قائم خانی کالونی، بلدیہ ٹاؤن، نیو کراچی سیکٹر D-11، سیکٹر F-11، نئی آبادی، یوسف گوٹھ، لیاری ایکسپریس وے، خدا کی بستی، کورنگی نمبر 2، کورنگی سو کوارٹرز، کورنگی نمبر 4، ونگی گوٹھ، محمود آباد، عمر گوٹھ، ایوب گوٹھ، مدرسہ انوار الایمان، سلطان آباد، مدرسہ منبع العلوم، وھیل کالونی، اکبر گراؤنڈ، مہاجر کیمپ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 3، شفیع محلّہ (لال مسجد)، نور شاہ محلّہ، مواچھ گوٹھ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 7، مشرف کالونی بلاک سی، ایف، ای اور اے روڈ، لیاقت آباد پیلی کوٹھی، کوثر نیازی کالونی، مجید کالونی اور ملیر۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

خواب کی تعبیر

گلاب خان سولنگی

پرانے زمانے کی بات ہے، کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بہت رحم دل اور خوش اخلاق تھا اور رعایا بھی اس سے خوش تھی۔ ایک رات بادشاہ نے خواب دیکھا کہ ایک گیدڑ چھت کے نیچے رسی سے لٹکا ہوا ہے۔ بادشاہ نے ساری رات پریشانی کے عالم میں گزاری۔

صبح ہوتے ہی اس نے اپنے سارے وزیر، مشیر، ادیب، دانش ور اپنے دربار میں طلب کیے اور اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔ خواب کی تعبیر کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی، مگر بادشاہ اپنے خواب کی تعبیر سننے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے اعلانِ عام کر دیا کہ جو مجھے خواب کی درست تعبیر بتائے گا، میں اسے انعام واکرام سے مالا مال کر دوں گا۔

کافی لوگ آئے، کوئی انعام کی لالچ میں تو کوئی اپنی تعریف کے خیال سے، لیکن سب ناکام ہوئے۔

ایک غریب کسان نے سوچا کہ کیوں کہ وہ بھی قسمت آزمائی کر کے دیکھ لے، ممکن ہے، بادشاہ کو میری بتائی ہوئی تعبیر پسند آجائے اور مجھے بھی انعام مل جائے۔ یہ سوچ کر وہ بھی شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے میں اسے سفید کپڑے پہنے ایک بزرگ دکھائی دیے، جو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ کسان نے قریب جا کر سلام کیا اور اپنا مقصد بیان کیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بزرگ نے سلام کا جواب دیا اور کہا: ''یہ تو بہت آسان بات ہے، لیکن پہلے وعدہ کرو کہ انعام میں جتنی بھی رقم ملے گی، اس کا آدھا حصہ مجھے بھی دو گے۔''
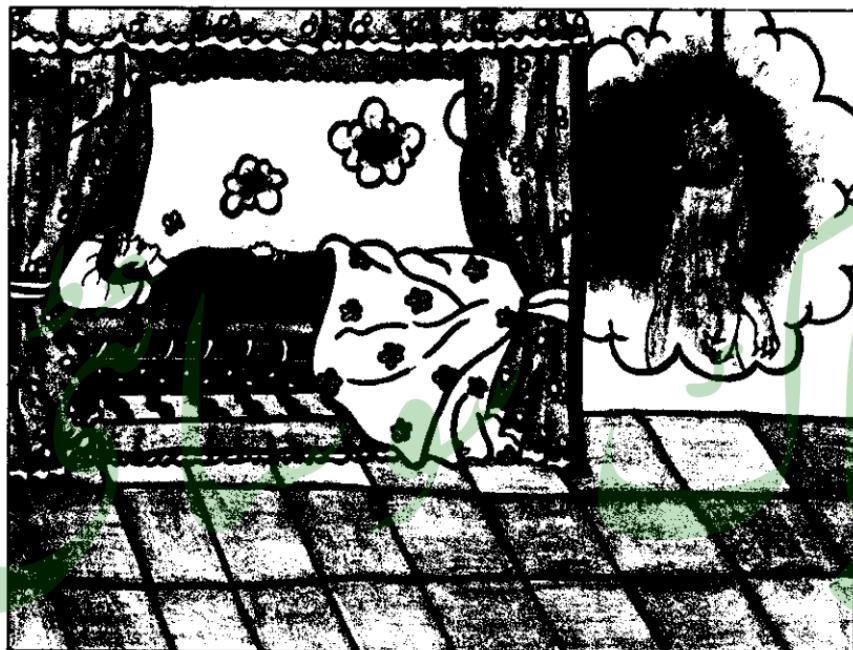
کسان نے وعدہ کیا۔ تب بزرگ نے اسے تعبیر بتاتے ہوئے کہا: ''گیدڑ فریب اور چالاکی کی نشانی ہے۔ اس کا بادشاہ کے کمرے میں رسی سے لٹکنے کا مطلب ہے کہ بادشاہ کے ملک میں فریب اور دھوکے بازی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لیے اسے ہر وقت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔''

کسان پھر سیدھا محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ بادشاہ کے پاس پہنچا اور خواب کی تعبیر بیان کی۔

بادشاہ کو بھی خواب کی تعبیر پسند آئی۔ اس نے کسان کو کافی سارا مال انعام کے طور پر دیا۔ وہ انعام لے کر جب لوٹ رہا تھا، تب اسے خیال آیا کہ اگر وہ پورا مال رکھ لے گا تو وہ بزرگ میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ یہ سوچتے ہوئے وہ پورا مال لے کر دوسرے راستے سے اپنے گھر پہنچ گیا۔

بادشاہ نے دوبارہ خواب دیکھا کہ اس کے اوپر ایک باریک دھاگے سے بندھی ہوئی تلوار لٹک رہی ہے۔ وہ پھر گھبرا گیا اور خواب کی تعبیر جاننے کے لیے بے چین ہو گیا۔ آخر اس نے کسان کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔ کسان پریشان ہو گیا اور مجبور ہو کر اسی بزرگ کے پاس چلا گیا۔

بزرگ نے تحمل کے ساتھ اس کی بات سنی اور خواب کی تعبیر بتائی: ''تلوار جنگ کی علامت ہوتی ہے، جس کے لیے بادشاہ کو بھی پہلے ہی سے اچانک حملے کے خلاف تیاری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کرنی چاہیے۔''

آخر میں بزرگ نے پھر انعام کا آدھا حصہ مانگ لیا۔

کسان دوبارہ بادشاہ کی خدمت میں گیا اور اس کے خواب کی تعبیر بیان کی۔ بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے اور اسے پہلے سے بھی زیادہ انعامات سے نوازا۔

اس دفعہ کسان جب انعام و اکرام لے کر واپس جا رہا تھا تو راستے میں وہی بزرگ دکھائی دیے۔ وہ شاید اس کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

بزرگ نے معاہدے کے تحت اپنا حصہ مانگا۔ کسان پر شیطان کا اثر تھا۔ بات بڑھی تو کسان نے تلوار نکال کر بزرگ پر وار کر دیا، جس سے بزرگ کا بازو زخمی ہو گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

وہ بزرگ کو زخمی حالت میں چھوڑ کر سارا انعام اپنے ساتھ لے گیا۔

بادشاہ نے ایک بار پھر خواب دیکھا، جس میں اسے ایک ہرے بھرے باغ میں فاختہ اُڑتی نظر آئی۔ اس نے پھر کسان کو بلوایا۔

اب تو کسان بہت پریشان ہوا، پھر مجبور ہو کر وہ ان ہی بزرگ کے پاس چلا آیا۔ اسے دیکھ کر بزرگ کو بہت غصہ آیا۔ کسان اپنی غلطی پر شرمندہ ہوا اور وہ بزرگ کے پاؤں میں گر کر معافی مانگنے لگا اور وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ اس دفعہ وہ انعام کا حصہ بزرگ کو ضرور دے گا اور آیندہ کے لیے لالچ سے توبہ کر لی۔

بزرگ نے بھی اسے معاف کر دیا اور خواب کی تعبیر بتائی: ''فاختہ امن کی نشانی ہے۔ اب بادشاہ کے ملک میں بالکل امن وامان ہوگا اور رعایا بھی سکون سے رہے گی۔''

بادشاہ امن کی تعبیر سن کر بہت زیادہ خوش ہوا، کیوں کہ خواب کی تعبیر باعثِ اطمینان اور خوش گوار تھی۔ اب کی بار اس نے کسان کو دولت سے مالا مال کر دیا۔

کسان نے تینوں مرتبہ ملنے والا انعام اکٹھا کر کے بزرگ کے سامنے رکھتے ہوئے نہایت ادب سے عرض کی: ''مجھ سے جو خطا ہوئی تھی، وہ معاف کر دیں اور اس ساری دولت میں سے جتنا چاہیں، اپنا حصہ نکال لیجیے۔''
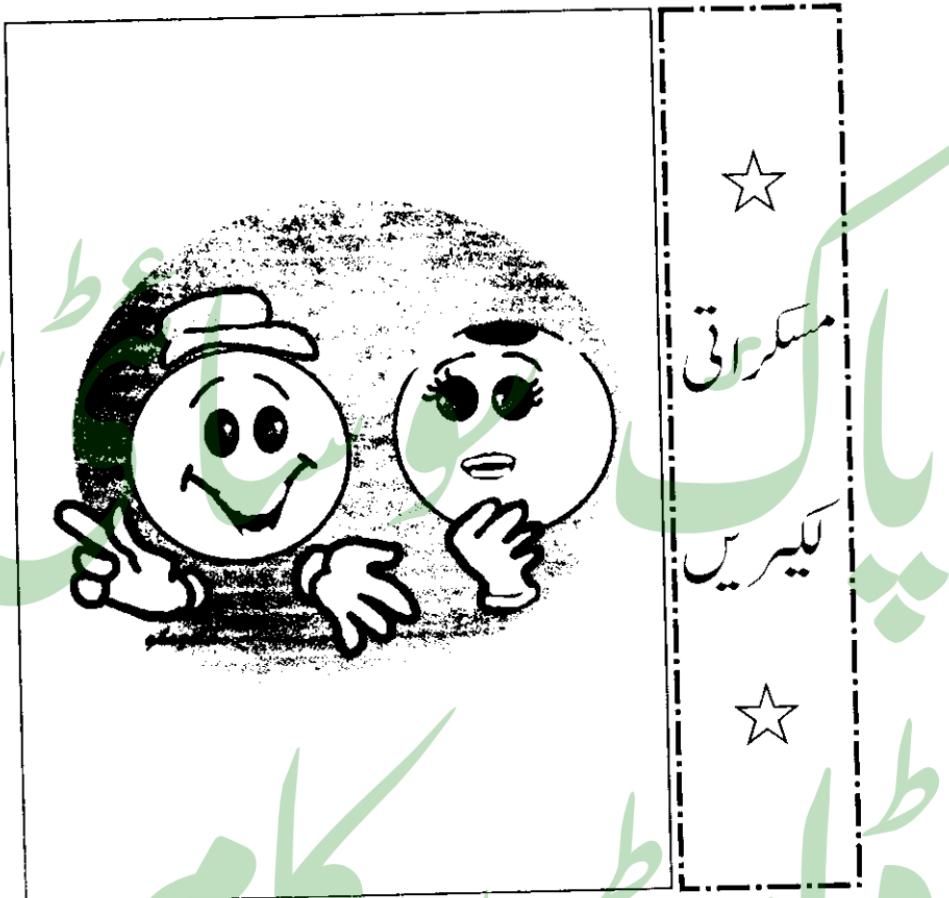
بزرگ نے مسکرا کر اسے اپنے پاس بٹھایا اور کہا: ''حقیقت میں تمھارا کوئی قصور نہیں ہے۔ پہلی دفعہ جب تم میرے پاس آئے تھے، اس وقت ملک میں ٹھگی اور جعل سازی کا دور تھا۔ لوگ دھوکے باز تھے، اس لیے تم بھی ٹھگ بن گئے۔

دوسری دفعہ تم نے مجھ پر اس لیے حملہ کیا کہ اس وقت ملک میں خون ریزی پھیلی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com
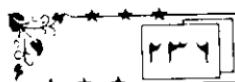
ہوئی تھی۔ ہر شخص ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا، یعنی ملک میں فتنے کا دور تھا۔

اب جب کہ ہر جگہ امن و امان ہو گیا ہے اور لوگ ایمان داری سے زندگی گزار رہے ہیں، اس لیے تم بھی میرے پاس ایمان داری سے میرا حصہ دینے آئے ہو۔''

بزرگ نے مزید نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''لوگوں پر معاشرے اور ماحول کا اثر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے تم بھی ایسے ہی ثابت ہوئے۔ مجھے مال کا لالچ نہیں ہے۔ میں یہ سارا مال تمھیں بخشتا ہوں، مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے لالچ اور دھوکا دہی سے توبہ کر لی ہے، اس میں تمھاری کام یابی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بزرگ اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

مسکراتی لکیریں

''بھائی! تم کو انگریزی کے ٹیچر کیوں پسند ہیں؟''

''اُن کی خوبی یہ ہے کہ جب وہ آتے ہیں تو فوراً مجھے کلاس سے باہر نکال دیتے ہیں۔''

لطیفہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پُراسرار بوڑھا

جاوید اقبال

بس مجھے فتح گڑھ کے اسٹاپ پر اُتار کر آگے بڑھ گئی۔ میں نے کسی سواری کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا تو دور دور تک کوئی تانگا وغیرہ نظر نہ آیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اتنے میں عجیب سے حلیے والا ایک بوڑھا مجھے اپنی طرف آتا نظر آیا۔ وہ پھٹے پرانے، میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ داڑھی اور سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں عجیب وحشت ناک چمک تھی۔

''کیوں میاں! کوئی سواری ملی؟'' بوڑھے نے نزدیک آ کر پوچھا۔

''جی نہیں، لگتا ہے کہ سب تانگے جا چکے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''تم فتح گڑھ جا رہے ہونا؟'' اس نے پوچھا۔

''آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ مجھے فتح گڑھ جانا ہے۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''سیدھی سی بات ہے، اس جگہ وہی مسافر اُترتے ہیں، جنھیں فتح گڑھ جانا ہوتا ہے، کیوں کہ قریبی گاؤں وہی ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔

میں چپ رہا تو وہ بولا: ''آؤ، پیدل ہی چلتے ہیں۔ یہاں کھڑے رہنے کا کیا فائدہ۔'' یہ کہہ کر وہ فتح گڑھ جانے والے راستے کی طرف چل پڑا۔ میں اس کے پیچھے ہولیا۔ چلتے چلتے میں سوچ رہا تھا کہ اس بوڑھے کو میں نے بس میں تو نہیں دیکھا، پھر یہ کہاں سے آ گیا۔

اندھیری رات تھی، سنسان راستہ اور ایک پُراسرار بوڑھا ہم سفر تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ دیو قامت درخت مجھے بھوت لگ رہے تھے۔

''تمھیں ڈر تو نہیں لگ رہا؟'' اچانک بوڑھے نے پوچھا۔

''نہیں مجھے بالکل ڈر نہیں لگ رہا۔'' میں نے اپنے اندرونی ڈر کو چھپاتے ہوئے ذرا ہمت سے کہا۔

''پرسوں یہاں عجیب واقعہ ہوا۔'' بوڑھے نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا: ''ایک مسافر یہاں سے گزر رہا تھا کہ اندھیری رات میں ایک بکری کا بچہ اس کے قدموں میں آ کے لوٹنے لگا۔ اس مسافر نے بکری کے بچے کو بازوؤں میں اُٹھا لیا۔ دل میں خوش ہوا کہ چلو، مفت میں بکری کا بچہ مل گیا۔ ابھی وہ مسافر چند قدم ہی چلا تھا کہ بکری کے بچے کا قد بڑھنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے قدم زمین کو چھونے لگے۔ مسافر نے حیرت سے بکری کے بچے کی طرف دیکھا تو ایک خوف ناک بَلا کا چہرہ نظر آیا۔ وہ مسافر اس بَلا کو بازوؤں سے جھٹک کر چیختا ہوا بھاگا۔'' یہ کہہ کر بوڑھے نے زوردار قہقہہ لگایا۔ میں نے چونک کر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اس کی طرف دیکھا، مگر اندھیرے میں صرف دو آنکھیں چمکتی نظر آئیں۔ میں نے سوچا، یہاں سے بھاگ جاؤں۔ ابھی یہ ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پیچھے سے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی، پھر ایک تانگا ہمارے قریب آ کھڑا ہوا۔

''کیوں بھائی! فتح گڑھ چلو گے؟'' بوڑھے نے کوچوان سے پوچھا۔

''ہاں جی، میں اُدھر ہی جا رہا ہوں، وہیں رہتا ہوں۔'' کوچوان نے کہا۔

''آؤ، بھئی بیٹھو۔'' بوڑھے نے مجھ سے کہا اور کوچوان کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ میں پیچھے بیٹھنے لگا تو اس نے اصرار کر کے مجھے بھی آگے بٹھا لیا۔

تانگا چل پڑا۔ تانگے والے کی وجہ سے مجھے کچھ حوصلہ ہوا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے مجھے اونگھ آ گئی۔ پھر بوڑھے کے بلند قہقہوں سے میری آنکھ کھل گئی۔ میری آنکھوں نے عجیب منظر دیکھا۔ تانگے کو کھینچنے والا گھوڑا غائب تھا اور اس کی جگہ کوچوان تانگے کو کھینچ رہا تھا، بوڑھا پاگلوں کی طرح قہقہے لگا تا کوچوان کی پشت پر چابک برسا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تانگا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ناہموار راستے کی وجہ سے تانگا بُری طرح ہچکولے کھانے لگا۔ اچانک تانگے کا پہیا ایک گڑھے میں گر پڑا اور تانگا اُلٹ گیا۔ میں قلا بازی کھا کر دور جا گرا۔ گرتے ہی میں بجلی کی طرح اُٹھا اور گاؤں کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں اندھیرے راستے پر اندھا دھند بھاگ رہا تھا اور بوڑھے کے وحشت ناک قہقہے میرا پیچھا کر رہے تھے۔

اچانک مجھے اپنے چچا کے گھر کا دروازہ نظر آ گیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ ڈالا، پھر جیسے ہی دروازہ کھلا، میں جلدی سے اندر گھس گیا۔

بعد میں پتا چلا کہ اس علاقے میں کوئی کوچوان نہیں رہتا۔ دراصل وہ سب بھتنے تھے، جو انسانوں کو ڈراتے تھے۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بُل فائٹنگ

رانا محمد شاہد

''بُل فائٹنگ'' کو دنیا کا خطرناک ترین کھیل کہا جاتا ہے۔ اس کھیل میں انسان کا مقابلہ ایک مرکھنے بیل (بُل) سے ہوتا ہے۔ یہ کھیل سترھویں صدی میں اسپین سے شروع ہوا، پھر پُرتگال، فرانس، فلپائن اور لاطینی امریکا میں بھی کھیلا جانے لگا۔ جانوروں کے حقوق کی تنظیمیں اس کھیل کو خونی کھیل قرار دیتی ہیں۔ پھر بھی وہ اس کھیل پر پابندی نہیں لگوا سکیں۔ اس خونی کھیل میں کئی انسانی جانیں بھی ضائع ہو چکی ہیں۔ پرتگال میں بُل فائٹنگ میں شریک جانور کی ہلاکت کو غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔

بُل فائٹنگ میں حصہ لینے والے شخص کو ''میٹاڈور'' (MATADOR) کہا جاتا ہے۔ میٹاڈور یعنی بُل فائٹنگ کا ماہر۔ اسپین کی زبان میں میٹاڈور کے لغوی معنی ہیں ''قتل یا قاتل''۔

دراصل بُل فائٹنگ زمانۂ قدیم کی باقیات میں سے ایک ہے۔ یونان کے قدیم

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

باشندے ایک رنگا رنگ میلے کی صورت میں یہ کھیل منعقد کیا کرتے تھے۔ بُل فائٹنگ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اسے روم سے جوڑا جاتا ہے۔ روم کے شاہی خاندان کا یہ پسندیدہ کھیل تھا۔ یہ لوگ اپنے محل میں آنے والے مہمانوں کی تفریح کے لیے اس قسم کے مقابلے منعقد کراتے تھے۔ اس دور میں روم میں انسانوں اور جانوروں کے مشترکہ مقابلے منعقد ہوتے تھے۔ اسپین میں بُل فائٹنگ کا آغاز سب سے پہلے شہنشاہ الفانسو ہشتم کی تاج پوشی کے موقعے پر ہوا۔ آج کل بھی اسپین میں اس کھیل کو اہم مقام حاصل ہے، جہاں بعض مقامات پر بُل فائٹنگ کے شوقین فائٹر مشقیں کرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد نوجوانوں کی ہے، جو گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر بُل (سانڈ) کی پیٹھ پر حملہ کرتے ہیں۔

یہ کھیل اٹھارویں صدی میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا۔ اس کھیل کے ابتدائی دس سالوں میں ہتھیار اور لباس میں بہت سی تبدیلیاں کی گئیں۔ کھیل کے شروع میں ایک خوں خوار سانڈ چھلانگیں لگاتا ہے، جسے ایک کنارے پر جا کر پردے نما کپڑے اور ایک ہتھیار (جس کا سرا نوکیلا ہوتا ہے) سے قابو میں کیا جاتا ہے۔ ایک بُل فائٹر (میٹا ڈور) آج کل ایک مقابلے کا معاوضہ ۱۵۰۰ سے ۱۸۰۰ پاؤنڈ لیتا ہے۔ اسپین میں سانڈوں کی افزائش نسل بھی باقاعدہ ایک کاروبار ہے۔

روایتی بُل فائٹنگ میں تین فائٹر اور دو بُل حصہ لیتے ہیں۔ بُل کی عمر ۴ سے ۶ سال ہوتی ہے۔ بُل کا وزن تقریباً ۴۶۰ کلوگرام ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر فائٹر کے چھے معاون ہوتے ہیں۔ اس روایتی بُل فائٹنگ کے تین مرحلے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے فائٹر بینڈ باجے کے ساتھ ''ارینا'' میں مہمان شخصیت کو سلام پیش کرتا ہے۔ ارینا اس میدان کو کہتے ہیں، جہاں یہ مقابلہ منعقد ہوتا ہے۔

بُل فائٹر سلامی پیش کرتے وقت شوخ رنگوں والے کپڑے پہنے ہوتا ہے۔ اس کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

علاوہ یہ گلابی اور زرد رنگ کے مخصوص لباس میں بھی ہوتا ہے، جو گردن سے چست اور شانوں کے نیچے سے ڈھیلا ہوتا ہے۔ جب بُل میدان میں داخل ہوتا ہے تو فائٹر بُل کے غصے کا اندازہ لگاتا ہے۔ یہ پہلا مرحلہ ہے، جس میں فائٹر اور بُل میں آنکھ مچولی جاری رہتی ہے۔

دوسرے مرحلے میں ایک گھڑ سوار، جسے پکاڈور (PICADOR) کہتے ہیں، کبھی کبھی یہ دو بھی ہوتے ہیں، نیزے کے ساتھ میدان میں داخل ہوتا ہے۔ یہ وقفے وقفے سے بُل کو غصہ دلانے کے لیے کھیل میں استعمال ہونے والے نوکیلے ہتھیار سے بُل کی کمر کو زخمی کرتا رہتا ہے۔ بُل فائٹنگ کے دوران مرنے والے گھوڑوں کی تعداد بُل کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

آخری مرحلے میں بُل فائٹر اکیلا سرخ لباس پہنے ایک نوکیلا نیزہ نما ہتھیار لے کر دوبارہ میدان کا رخ کرتا ہے اور مختلف انداز سے بُل کے نزدیک جا کر اس کی کمر پر نیزے سے ضربیں لگاتا ہے۔ خون بہنے کی وجہ سے بُل کم زور پڑتا جاتا ہے۔ جب تک بُل زخمی ہو کر گر نہیں جاتا، ضربوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پھر کچھ ہی دیر میں بُل زخمی حالت میں نڈھال ہو کر گر جاتا ہے۔

فائٹر کی بہترین کارکردگی پر تماشائی سفید رومال لہرا کر صدرِ تقریب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ بُل کا ایک کان فائٹر کو پیش کریں۔ انتہائی شان دار کارکردگی پر اسے بُل کے دونوں کان پیش کیے جاتے ہیں۔ کارکردگی کی بنیاد پر بُل کی دُم بھی پیش کی جاتی ہے۔ دوسری طرف اگر بُل عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرے تو تماشائی اسے زندہ چھوڑنے کی درخواست کرتے ہیں، تاکہ اسے واپس فارم میں جانے کی اجازت مل جائے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

عید سے پہلے

غلام محی الدین ترک

انھوں نے گھر کا سامان مختلف جگہوں پر رکھا۔ پھر کھانا کھا کر آرام کرنے لیٹ گئے، کیوں کہ وہ سب بُری طرح تھک چکے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں انھیں نیند آ گئی۔ عرشیہ، عامر، عمار اور ان کے ابو سجاد صاحب بھی میٹھی نیند سو رہے تھے۔

کچھ سال پہلے تک ان کا اپنا گھر تھا۔ سجاد صاحب کے ابو کینسر جیسے خطرناک مرض میں مبتلا ہوئے تو سجاد صاحب نے اپنے ابو کو بچانے کے لیے گھر بیچ دیا اور سب کرائے کے گھر میں رہنے لگے، مگر وہ اپنے ابو کو نہ بچا سکے۔

مالک مکان داؤد احمد نے واضح کر دیا تھا کہ ہر مہینے کی دس تاریخ سے پہلے پہلے انھیں کرایہ ہر حال میں مل جانا چاہیے۔ کرائے کے گھر میں رہتے ہوئے انھیں دس سال گزر گئے۔ انھوں نے کبھی مالک مکان کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔

ایک روز سجاد صاحب اچانک بیمار ہو گئے۔ عامر اور عمار فوراً انھیں لے کر اسپتال پہنچے۔ پتا چلا کہ وہ ''چکن گونیا'' نامی مرض کا شکار ہو چکے ہیں، یہ مرض وبا کی صورت میں پھیل رہا ہے۔

سجاد صاحب کو صحت مند ہونے میں مہینا بھر لگ گیا۔ ڈاکٹر کی فیس اور دوائیں خریدنے میں ان کے کافی پیسے خرچ ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے سجاد صاحب کافی فکر مند تھے۔ دفتر سے بھی پیسے ملنے کی اُمید نہیں، مکان کا کرایہ کہاں سے ادا ہوگا۔ انھوں نے فکر مندی سے سوچا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

مہینا گزر جانے کے باوجود بھی داؤد احمد کرایہ وصول کرنے نہ آئے تو سجاد صاحب کو سخت حیرانی ہوئی۔ دوسرا مہینا رمضان کا تھا۔ عید قریب تھی۔ اتوار کے دن دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازے پر داؤد احمد کو دیکھ کر ان کا اطمینان رخصت ہو گیا۔ ان کے ساتھ کچھ اور بھی لوگ کھڑے نظر آئے۔

''دو مہینے کا کرایہ ہو گیا ہے۔'' داؤد احمد کے منھ سے نکلا۔

''داؤد بھائی! شدید بیمار ہو گیا تھا۔ سارے پیسے دواؤں میں خرچ ہو گئے۔ مجھے احساس ہے کہ دو مہینے کا کرایہ چڑھ گیا ہے اور ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ اگر کچھ روز مزید رک جائیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔'' سجاد احمد بے چارگی سے بولے۔

''دیکھیں سجاد صاحب! میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں کرائے میں تاخیر ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ آپ کی شرافت کے پیشِ نظر میں نے دوسرا گھر آپ کے لیے دیکھا ہے۔ اب آپ وہاں رہیں گے۔''

پھر انھوں نے اپنے ساتھ آنے والوں سے کہا: ''چلو، ان کا سامان احتیاط سے ٹرک میں ڈالو اور گھر کو تالا لگا دو۔''

''داؤد بھائی! آپ بات تو سنیں۔'' سجاد احمد بولے۔

داؤد صاحب بولے: ''آپ سب لوگ میری گاڑی میں بیٹھیے۔''

ٹرک ان کے گھر کا سامان لے کر روانہ ہو گیا تھا۔ داؤد احمد گاڑی میں آ بیٹھے۔ سجاد صاحب حیران تھے کہ یہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ انھوں نے داؤد صاحب سے پوچھا: ''کچھ تو بتایئے آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''ہم نیلام گھر جا رہے ہیں، وہاں آپ کا سامان بیچ کر اپنا کرایہ وصول کریں گے۔'' داؤد صاحب دوسری طرف منھ کر کے مسکرا رہے تھے، لیکن ان کی آواز میں سختی تھی۔

سجاد صاحب کے گھر والوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے خاموشی سے بیٹھے رہے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

ٹرک ایک گھر کے سامنے جا کر رک گیا، اس کے پیچھے داؤد صاحب نے بھی گاڑی روک دی۔ ٹرک سجاد صاحب کے پرانے گھر کے سامنے رکا تھا۔ سجاد صاحب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

داؤد صاحب نے کہا: ''آیئے آیئے سجاد بھائی! اندر آ جایئے۔'' سجاد صاحب اور سب گھر والے حیرت زدہ گھر میں داخل ہو گئے۔

داؤد صاحب، سجاد صاحب کو ایک طرف لے گئے اور بڑی اپنائیت سے کہا: ''سجاد بھائی! آپ حیران ہو رہے ہوں گے۔ میں آپ کی حیرت میں مزید اضافہ کرنے والا ہوں۔''

سجاد صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

داؤد صاحب نے نوکر کو آواز دی: ''کرمو! سجاد صاحب کا تحفہ تو لے آؤ۔''

اتنے میں کرمو ایک پلیٹ لے کر حاضر ہوا۔ پلیٹ پر کپڑا ڈھکا ہوا تھا۔ داؤد صاحب نے پلیٹ کرمو کے ہاتھ سے لے لی اور سجاد صاحب کی طرف بڑھائی۔

''یہ لیجیے، خاص آپ کے لیے ہے۔''

سجاد صاحب نے پلیٹ ہاتھ میں پکڑی تو داؤد صاحب نے کہا: ''کپڑا ہٹایئے اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

دیکھ لیجیے، کیا ہے۔''

سجاد صاحب نے کپڑا ہٹایا تو انھیں چابیاں نظر آئیں۔ وہ حیرانی سے داؤد احمد کو دیکھنے لگے۔

''سجاد صاحب! یہ آپ کے اسی گھر کی چابیاں ہیں۔ آپ کو اپنا یہ گھر مبارک ہو۔'' داؤد احمد نے کہا۔

''کک...... کیا۔'' سجاد صاحب نے یہ سنا تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچے۔ وہ بولے: ''مم...... مگر، میں نے تو یہ گھر بیچ دیا تھا۔''

''سجاد صاحب! یہ گھر آپ کے دیے ہوئے کرائے کے پیسے جمع کر کے خریدا گیا ہے۔ میں آپ کے حسنِ سلوک سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ آپ کے بچے بھی ماشاء اللہ آپ کی طرح نیک سیرت ہیں۔ خاص طور پر بیٹی عرشیہ تو بے حد سلیقہ مند ہے۔ مکان کا کرایہ دینے اکثر آپ خود ہی آیا کرتے تھے۔ کبھی میں بھی یہاں سے گزرتے ہوئے آجاتا تھا۔ مجھے آپ کے گھر کا ماحول بہت پسند آیا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ کو کرائے کے گھر سے نجات مل جائے۔ میں نے معلومات کی تو آپ کے فروخت شدہ مکان کا پتا چل گیا اور میں نے یہ مکان خرید لیا۔ اس کا مشورہ میرے بیٹے نے دیا تھا۔ وہ بھی نہایت نیک فطرت بچہ ہے اور بہت سمجھ دار ہے۔ میرے دل میں بھی اللہ نے نیکی ڈالی۔ میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ اب مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔''

''ضرور کہیے، بلکہ حکم دیجیے۔''

''بات کیا ہے، بس ایک درخواست کرنی ہے۔'' داؤد صاحب رک رک کر بولے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''جو کہنا ہے کھل کر کہیے۔ میں تو آپ کے احسان تلے دبا ہوا ہوں۔'' سجاد صاحب نے کہا۔

''دراصل ...... بات یہ ہے کہ ...... عرشیہ ماشاء اللہ بہت سلیقہ شعار، تعلیم یافتہ اور سمجھ دار بچی ہے۔ میں اسے اپنی بہو بنانا چاہتا ہوں، لیکن آپ کی اور گھر والوں کی رضا مندی سے۔'' داؤد صاحب نے سوالیہ نظروں سے سجاد صاحب کی طرف دیکھا۔

سجاد صاحب حیرت سے داؤد احمد کی باتیں سن رہے تھے۔

سجاد صاحب نے کہا: ''مجھے بھی شہزاد میاں بہت پسند ہیں۔ بہت ہی نیک اور دین دار بچہ ہے۔ آج سے وہ میرا بھی بیٹا ہے۔ آپ بہت بڑے دل کے آدمی ہیں، آپ کو مایوس کرنا میں گناہ سمجھتا ہوں۔''

دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگالیا۔ کچھ دیر بعد داؤد صاحب اپنے گھر روانہ ہوگئے اور سجاد صاحب یہ خوش خبری سنانے اندر چلے گئے۔ اس بار انھیں عید سے پہلے دو خوشیاں ایک ساتھ ملیں۔ مکان بھی مل گیا اور بیٹی کا رشتہ بھی اچھی جگہ طے ہوگیا۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

😊ڈاکٹر: ”بچے کو پانی دینے سے پہلے اُبال لیا کریں۔“

ماں (پریشانی سے): ”ڈاکٹر صاحب! اُبالنے سے بچہ جل تو نہیں جائے گا؟“

مرسلہ: محمد عبدالحماض، لائنز ایریا

😊ایک آدمی کا تکیہ کلام تھا، آپ کی دعا ہے۔ایک دن اس کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔کسی نے پوچھا: ”کیا آپ کی بیگم کا انتقال ہوا ہے؟“

وہ صاحب بولے: ”جی ہاں، آپ کی دعا ہے۔“

مرسلہ: عثمان سفیان، کراچی

😊ڈاکٹر: ”اچھی صحت کے لیے تمھیں ورزش کی ضرورت ہے۔“

مریض: ”کرکٹ، فٹ بال تو روزانہ کھیلتا ہوں۔“

ڈاکٹر: ”کب تک؟“

مریض: ”جب تک موبائل کی بیٹری ختم نہیں ہو جاتی۔“

مرسلہ: جنت جدون، کراچی

😊ایک آدمی آنکھوں کے ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا: ”ڈاکٹر صاحب! میری نظر بہت خراب ہوگئی ہے۔ ایک کے دو نظر آتے ہیں۔“

ڈاکٹر صاحب نے پوچھا: ”کیا آپ چاروں کو ایک ہی بیماری ہے؟“

مرسلہ: نور فاطمہ، جگہ نامعلوم

😊ایک سیاسی رہنما جیل کا معائنہ کرنے گئے۔انھوں نے قیدیوں سے ان کا جرم پوچھا تو سب نے انکار کیا اور کہا کہ وہ بے گناہ ہیں، انھیں غلط سزا دی گئی ہے۔صرف ایک قیدی نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔

سیاسی رہنما نے جیل حکام سے کہا: ”اسے فوراً رہا کیا جائے، ورنہ یہ ان تمام

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بے گناہ لوگوں کو خراب کرے گا۔''

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

😊 دادی: ''تمھاری اسکول ٹیچر آ رہی ہیں، تم چھپ کیوں رہے ہو؟''

پوتا: ''آپ بھی چھپ جائیے، آپ کے انتقال کا کہہ کر میں نے تین دن کی چھٹی لی ہے۔''

مرسلہ : حافظ محمد اشرف، حاصل پور

😊 کسی محفل میں ایک صاحب لوگوں کو بتا رہے تھے: ''ایک دفعہ میں اور میرے دوست نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی غلطیوں کی نشاندہی کیا کریں گے، کیوں کہ ایسا کرنے سے دوستی گہری ہو جائے گی۔''

سننے والوں میں سے ایک نے پوچھا: ''پھر کیا ہوا؟''

''ہمیں ایک دوسرے کی شکل دیکھے ہوئے پانچ برس ہو گئے۔''

مرسلہ : فاطمہ اعجاز، راولپنڈی

😊 ایک دوست دوسرے سے: ''یہ بتاؤ، آملیٹ کسے کہتے ہیں؟''

دوسرا دوست: ''جو آم دیر سے پکتا ہے، اسے آم لیٹ کہتے ہیں۔''

مرسلہ : عریشہ عروج مغل، حیدر آباد

😊 ایک بوڑھے کو کسی سائیکل سوار نے ٹکر ماردی۔ بوڑھے نے زمین سے اُٹھ کر ایک ریپہ سائیکل سوار کو دیا تو اس نے پوچھا: ''اس رپے کا کیا کروں؟''

بوڑھے نے جواب دیا: ''رکھ لو، میں ہر اندھے کو ایک رپیہ ضرور دیتا ہوں۔''

مرسلہ : گلنار رحید، فیصل آباد

😊 ایک صاحب کو منفرد انداز میں بات کرنے کا شوق تھا۔ ان کے دوست نے ان کا ٹیلے فون نمبر مانگا تو بولے: ''پونے دو سو، ساڑھے تین سو۔''

دوست نے پوچھا: ''یہ کیسا نمبر ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ''۱۷۵۳۵۰''

مرسلہ : حسام عامر، سندھی ہوٹل

😊 استاد نے شاگرد سے کہا: ''سارے سوال درست ہیں، مگر یہ دو غلط کیوں ہیں؟''

شاگرد: ''سر! یہ دو سوال میں نے خود

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

حل کیے ہیں۔"

مرسلہ : حافظ وقاص رؤف، صادق آباد

😊 منیجر، کلرک سے بولا: "کیا بات ہے، تم دفتر آنے کے بعد سو جاتے ہو؟"

کلرک: "میرے بچے کے دانت نکل رہے ہیں، اس لیے رات بھر سونے نہیں دیتا۔"

منیجر: "کل سے بچے کو بھی دفتر لایا کرو، تاکہ یہاں بھی نہ سونے دے۔"

مرسلہ : عبدالرافع، لیاقت آباد

😊 ساجد، ماجد سے: "تم گلاب کے گملے میں جامن کا پودا کیوں لگا رہے ہو؟"

ماجد: "اس لیے کہ یہاں جو پھل لگے گا، وہ گلاب جامن کہلائے گا۔"

مرسلہ : عائزہ خان، کراچی

😊 ایک مسخرے سے کسی نے پوچھا: "کیا بات ہے، تمھارے سر کے بال تو سفید ہیں، لیکن ڈاڑھی کالی ہے۔"

مسخرے نے جواب دیا: "ڈاڑھی، سر کے بالوں سے بیس برس چھوٹی بھی تو ہے۔"

مرسلہ : ایمان اشعر، دستگیر

😊 ایک کنجوس نے کسی اندھے سے پوچھا "خدا نے جو تیری آنکھیں چھین لی ہیں تو اس کے بدلے کچھ دیا بھی ہے؟"

اندھے نے جل کر جواب دیا: "مجھے تجھ جیسے کنجوس کی شکل دیکھنے سے بچا لیا اور کیا دیتا۔"

مرسلہ : رخسار اکرم، لیاقت آباد

😊 سلمان روتا ہوا امی کے پاس پہنچا اور کہا: "امی! عدنان نے مجھے دوسرا، پانچواں اور ساتواں تھپڑ مارا۔"

امی نے حیران ہو کر پوچھا: "اور یہ بیچ کے تھپڑ کہاں گئے؟"

سلمان: "وہ تو میں نے عدنان کو لگائے تھے۔"

مرسلہ : محمد فرحان احمد زاہد، کیماڑی

😊 ایک ڈاکٹر نے اپنے مریض کو مشورہ دیا: "آپ کا وزن بہت ہو گیا ہے، اس لیے آپ گھوڑا سواری کریں۔"

موٹے مریض نے کہا: "وہ تو میں روزانہ کرتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے پوچھا: "پھر کتنا وزن کم ہوا ہے؟"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

مریض نے بتایا: ''دس کلو وزن کم ہو گیا ہے۔''

ڈاکٹر نے کہا: ''آپ کو اور کیا چاہیے!''

مریض نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: ''وزن میرا نہیں، گھوڑے کا کم ہوا ہے۔''

مرسلہ : اریبہ افروز، بفرزون

😊 ایک وکیل نے ایک پادری سے مذاق میں پوچھا: ''اگر شیطان اور پادری میں جھگڑا ہو جائے اور عدالت میں مقدمہ چلے تو کون جیتے گا؟''

پادری نے کہا: ''شیطان ہی جیتے گا، کیوں کہ سارے وکیل اسی کی طرف ہوں گے۔''

مرسلہ : خدیجہ صمد، کراچی

😊 ایک عورت کی نئی نئی شادی ہوئی۔ اسے کار ڈرائیونگ کا شوق ہوا۔ ڈرائیونگ کے دوران اس نے شوہر سے کہا: ''دیکھیے، شاید یہ شیشہ ٹھیک نہیں لگا ہوا ہے، شیشے میں پچھلی گاڑیاں تو نظر آ رہی ہیں، لیکن اس میں مجھے اپنا چہرہ تو نظر ہی نہیں آ رہا ہے۔''

مرسلہ : حماد ہاشمی، اسلام آباد

😊 ایک کنجوس نے اپنی بیوی سے کہا: ''آج ہم کھانا باہر کھائیں گے۔''

بیوی نے خوش ہو کر پوچھا: ''اچھا کون سے ہوٹل میں کھانا کھانے جائیں گے ہم؟''

کنجوس بولا: ''میرا مطلب ہے، روزانہ کمرے میں کھاتے ہیں، آج باہر صحن میں کھائیں گے۔''

مرسلہ : محمد عبدالرحمٰن مغل ڈسکوی، محمد پورہ

😊 ایک صاحب ڈرائیونگ کا ٹیسٹ دینے گئے۔ واپسی پر کسی نے پوچھا: ''ٹیسٹ کیسا رہا، کیا آپ کامیاب ہو گئے؟''

انھوں نے جواب دیا: ''معلوم نہیں! جب میں نے اسپتال چھوڑا تو اس وقت تک امتحان لینے والے صاحب ہوش میں نہیں آئے تھے۔''

مرسلہ : سید محمد حمزہ انعام، اورنگی ٹاؤن

😊 ڈاکٹر نے مریض سے کہا: ''لیجیے، میں نے آپ کا دانت نکال دیا۔''

مریض: ''کتنی فیس ہوئی؟''

ڈاکٹر: ''دو سو پچاس روپے۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

مریض: ''میرے پاس تو پانچ سو کا نوٹ ہے۔''

ڈاکٹر: ''تو کیا ہوا! آیئے، میں آپ کا ایک اور دانت نکال دیتا ہوں۔''

مرسلہ : احمد رضا عطاری، کراچی

☺ ایک بے دین شخص نے کسی پادری سے پوچھا: ''شیطان کب پیدا ہوا تھا؟''

پادری نے کہا: ''مجھے نہیں معلوم، اپنے خاندان کے کسی بزرگ سے پوچھ لو۔''

مرسلہ : ماہ نور اشعر، دستگیر

☺ ماں نے بیٹے سے کہا: ''بیٹا! جاؤ، پڑوسی سے چمچہ مانگ لاؤ۔''

واپس آ کر بیٹے نے کہا: ''امی! وہ چمچہ نہیں دے رہے۔''

ماں: ''دیکھو تو کیسا زمانہ آ گیا ہے۔ پڑوسی، پڑوسی کا خیال نہیں کرتے۔ جاؤ بیٹا! الماری سے اپنا چمچہ نکال لاؤ۔''

مرسلہ : بشریٰ بنتِ عبدالرؤف قریشی، ملیر

☺ ایک صاحب سے ان کے دوست نے پوچھا: ''کل ساری رات تم میرے ساتھ تاش کھیلتے رہے، گھر پہنچنے پر تمھاری بیوی نے تم پر کوئی ستم تو نہیں کیا؟''

ان صاحب نے جواب دیا: ''نہیں، سامنے کا دانت تو میں یوں بھی نکلوانے والا تھا۔''

مرسلہ : روبینہ ناز، رتن تلاؤ

☺ ایک عورت بچے کو گود میں لیے رو رہی تھی۔ وہاں ایک آدمی گزرا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ عورت نے کہا: ''جناب! میرا بچہ بیمار ہے اور دوا کے لیے پیسے نہیں ہیں۔''

اس آدمی نے ہزار رپے کا نوٹ دیا اور کہا: ''جاؤ، دوا لے آؤ اور باقی پیسے مجھے لا کر دو۔''

عورت چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد باقی سات سو رپے اپنے محسن کو واپس کر دیے۔

آدمی نے کہا: ''شاباش! ہم سب کو نیکی کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر کو فیس مل گئی، تمھارے بچے کو دوا مل گئی اور میرا جعلی نوٹ چل گیا۔''

مرسلہ : امِ ایمن، میانوالی

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

تسبیح محفوظ علی، ماڈل کالونی، کراچی
عبدالرؤف سمرا، خانیوال
محمد مزمل سعید چوہان، سانگھڑ
کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری
سمیرہ بتول اللہ بخش سعیدی، حیدر آباد
عفان احمد خان، ملیر، کراچی
سید ریان متین، ملیر، کراچی
سلمان یوسف سمیجہ، علی پور
یمنیٰ توقیر، کراچی
ایمن اسحاق، گجرات

شہیدِ پاکستان

تسبیح محفوظ علی، ماڈل کالونی، کراچی

قوم اور ملک کی سچی اور بے لوث خدمت کرنے والے لوگ قوم کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور تاریخ کے صفحات میں ان کے نام سنہرے حروف سے جگمگاتے رہتے ہیں۔ شہید حکیم محمد سعید بھی انھی شخصیات میں سے ہیں، جنھوں نے قوم کی تعلیم اور صحت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید ۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔

آپ کے بزرگ چینی ترکستان سے ہجرت کر کے پشاور اور ملتان ہوتے ہوئے دہلی پہنچے تھے۔ آپ کے والد کا نام حافظ عبدالمجید تھا۔ آپ کی والدہ رابعہ ہندی نے آپ کی پرورش کی۔ بڑے بھائی حکیم عبدالحمید تھے۔ حکیم محمد سعید بچپن ہی سے ذہین اور محنتی تھے۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ ابتدائی دینی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ اردو کے علاوہ فارسی، عربی اور انگریزی قابل استادوں سے سیکھی۔ ۱۹۳۹ء میں آپ نے حکیم اجمل خاں کے قائم کردہ طبی کالج سے طب کا اعلا امتحان پاس کیا اور مریضوں کی خدمت کرنے لگے۔

اپنے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید کے ساتھ مشرقی طب اور دوا سازی کے ادارے ہمدرد

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کو ترقی دینے میں مصروف ہو گئے۔

وہ ہر قسم کے تعصب کو ختم کر کے تمام پاکستانیوں میں اتحاد اور محبت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ خدمتِ خلق شہید حکیم محمد سعید کی زندگی کا اولین مقصد تھا اور خدمت کرتے ہوئے انھوں نے جان دے دی۔ ۱۷-اکتوبر ۱۹۹۸ء کو انھیں شہید کر دیا گیا۔ شہید حکیم محمد سعید کا نعرہ تھا: پاکستان سے محبت کرو، پاکستان کی تعمیر کرو۔

رافعہ کی گڑیا

عبدالرؤف سمرا، خانیوال

بھائی نے گفٹ میں دی اک گڑیا
ننھی سی وہ پیاری سی اک گڑیا
چابی جب بھی گھماؤ چلتی ہے
لہرا کے ڈانس بھی وہ کرتی ہے
لال پیلا سا سوٹ ہے اس کا
کالے رنگ کا بوٹ ہے اس کا
ٹوپی سر پہ وہ پہنے رکھتی ہے
ہاتھ میں اپنے پرس رکھتی ہے
رافعہ کی تو جان ہے گڑیا
ننھی سی پیاری سی وہ اک گڑیا

گھر میں مجرم

محمد مزمل سعید چوہان، سانگھڑ

ہمارا تین منزلہ گھر بستی کے بالکل آخر میں واقع تھا۔ اس سے تھوڑا سا آگے جنگل شروع ہوتا تھا۔ ہم سب سے نیچے والے حصے میں رہتے تھے۔ اوپر والے دو حصے خالی تھے۔ ایک دن ہمارے گھر میں ایک آدمی اور ایک عورت آئے۔ وہ دراصل ہمارا اوپر والا گھر کرائے پر لینا چاہتے تھے۔ ہم نے انھیں اپنا نیچے والا حصہ دے دیا اور خود ہم اوپر والے حصے میں رہنے لگے۔

''ارے دیکھو، آج اخبار میں کیا خبر آئی ہے!'' ابو نے امی کو آواز دی، جو کچن میں کھانا بنا رہی تھیں۔ میں نے دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا: ''ابو! آپ کیا خبر سنانے کے لیے امی کو بلا رہے ہیں۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

"بیٹے! کل دوپہر کو ہمارے علاقے سے ایک بچہ اغوا ہوا تھا، جس کا نام ذیشان تھا۔ وہ اب تک لاپتا ہے۔"

اس دن کے بعد سے شہر میں کافی بچے اغوا ہو چکے تھے۔ ہم سب پریشان ہو گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ امی ابو نے ہمیں احتیاط کرنے کی سخت تلقین کی۔

آج ہمارے کرایے دار خوش نظر آ رہے تھے۔ جب ہم کھیلنے کے لیے چھت کی طرف جاتے تو ہمیں بالکونی سے بچوں کی آوازیں آتیں۔ ایک رات حسبِ معمول ہم ٹی وی دیکھ رہے تھے کہ میں بالکونی میں جا کر بیٹھ گیا تو دیکھا کہ دروازے پہ ہمارے کرایے دار انکل کھڑے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک بوری تھی اور وہ بہت خوش تھے۔ اسی رات کو ایک بجے میں پانی پینے کے لیے اُٹھا۔ ابھی میں نے پانی کا گلاس منھ سے لگایا ہی تھا کہ مجھے سیڑھیوں پہ دو سائے نظر آئے، جو باتیں کر رہے تھے۔ میں نے جب تھوڑا قریب جا کر سنا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد میں رات کو سو نہ سکا۔ صبح اُٹھا تو میں نے ابو کو یہ بات بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے اسکول جانے سے پہلے انسپکٹر جمشید سے رابطہ کیا، جن کا مکان گلی کے کونے پر تھا، پھر میں اسکول چلا گیا۔

جب میں دوپہر میں اسکول سے آ رہا تھا تو اچانک میرے منھ پر کسی نے رومال رکھا، اس کے بعد مجھے ہوش نہ رہا۔ آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک کمرے میں بند پایا۔ پھر ایک نقاب پوش آدمی آیا اور مجھ سے بولا: "اب تمھارا بھی وہی حال ہو گا جو دوسرے بچوں کا ہوا تھا۔"

یہ سن کر میں ہنسنے لگا اور بولا: "تمھارا بھی وہی حال ہو گا جو دوسرے مجرموں کا ہوتا آیا ہے۔"

اتنے میں پولیس کے سائرن کی آواز آنے لگی۔ وہ لوگ ڈر گئے۔ پھر انسپکٹر جمشید

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

آئے۔ ان کے ساتھ میرے امی ابو بھی تھے۔ انسپکٹر جمشید نے سب لوگوں کو گرفتار کرلیا۔ ابو نے میرے ہاتھ پر بندھی ہوئی پٹی کھولی۔ میں ان سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔

ابو نے وجہ پوچھی تو میں نے بتایا: ''دراصل جب رات کو میں پانی پینے کے لیے اُٹھا تو دیکھا کہ ہمارے کرائے دار انکل اور آنٹی باتیں کررہے تھے۔ انکل نے کہا تھا، ہم نے شہر بھر سے کافی بچے اغوا کرلیے ہیں، بس اب وہ اوپر والوں کا بچہ اغوا کرنا ہے۔ پھر کہیں اور مکان کرائے پر لیں گے۔''

اس رات میں ڈر کے مارے سو نہ سکا۔ صبح میں نے انسپکٹر جمشید انکل کو سارا ماجرا بتایا۔ انھوں نے ایک مائیکرو چپ میری گردن کے پیچھے چپکادی، جس سے میں جہاں بھی رہوں، سگنل کے ذریعے سے ان کو پتا چلتا رہے۔ مجرموں نے مجھے پکڑ کر یہاں باندھا تو میرا سگنل آرہا تھا۔ انکل جمشید آپ لوگوں کو لیتے ہوئے یہاں آئے اور پھر جو ہوا، آپ نے دیکھا۔''

یہ سن کر سب پولیس والوں نے تالیاں بجائیں اس کے بعد میں گھر آ گیا۔ ہم حیران ہورہے تھے کہ مجرم ہمارے گھر میں ہی تھا۔

نیا عزم

کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

میرا نام حسین ہے۔ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ بچپن میں میرے والدین نے مجھے خوب نازوں سے پالا تھا۔ میری تمام فرمایشیں پوری کیں۔ انھوں نے مجھ سے صرف ایک خواہش رکھی تھی کہ میں پڑھ لکھ کر کچھ بن کر دکھاؤں۔ اس وقت مجھے ان کی اس بات کا مفہوم معلوم نہ تھا۔ میں نے پڑھائی میں توجہ نہ دی۔ جس سے میرے والدین کو صدمہ پہنچا۔ انھوں نے مجھے سمجھایا کہ علم بڑی دولت ہے، لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ مجھے پڑھانے کے لیے میرے والدین نے میری ایک ایک ضد کو پورا کیا، لیکن میں نادان بنا رہا۔

ایک دن میں بازار سے آرہا تھا تو میرا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جوتا ٹوٹ گیا۔ میرے والد بھی میرے ساتھ تھے۔ ہم قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک موچی کے پاس گئے اور اسے جوتا مرمت کرنے کے لیے دیا۔ جب میرے والد نے موچی کو دیکھا تو انھوں نے کہا: ''مجھے تمھاری صورت اپنے ایک دوست رفیق جیسی لگ رہی ہے۔ تم بالکل اس سے ملتے جلتے ہو۔''

موچی نے کہا: ''میں رفیق ہی ہوں انور!''

میرے والد چونک گئے۔ انھوں نے جب حقیقت دریافت کی تو اس نے کہا: ''تمھیں تو معلوم ہوگا کہ میرے والد ایک بہت بڑے کاروباری آدمی تھے۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ میں اپنے والد کے پیسوں پر عیش کروں گا، اس لیے میں نے کبھی پڑھائی پر توجہ نہ دی اور آخر ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ والد کے مرنے کے بعد میں نے ان کی تمام دولت فضول میں اُڑا کر ختم کر دی اور مجھے وقت نے یہاں پہنچا دیا۔''

یہ کہتے ہوئے وہ رونے لگا اور میرے والد بھی غم زدہ ہو گئے۔ تب جا کے مجھے احساس ہوا کہ میرے والدین مجھے پڑھائی پر توجہ کیوں دلانا چاہتے تھے۔ اب میں نے ایک نئے عزم کے ساتھ پڑھائی شروع کر دی اور آج میں ایک کام یاب ڈاکٹر ہوں اور یہ سب میرے والدین ہی کی بدولت ممکن ہوا۔

تین سوال

سمیرہ بتول اللہ بخش سعیدی، حیدر آباد

سقراط یونان میں ایک عظیم فلسفی اور دانش ور گزرا ہے۔ ایک مرتبہ اس کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: '' میں نے آپ کے دوستوں میں سے ایک کے بارے میں کچھ سنا ہے۔ وہ بتانا چاہتا ہوں۔''

''براہِ مہربانی، تھوڑا ٹھیریے۔'' سقراط نے کہا۔

وہ شخص خاموش ہو گیا۔ سقراط نے کہا: ''اس سے پہلے کہ تم مجھے میرے دوست کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بارے میں بتاؤ۔ میں تم سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں، اگر تم ان تین سوالوں میں کامیاب ہوگئے تو پھر میں تمھاری بات سنوں گا۔ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ جو تم بات مجھے بتانے والے ہو، کیا سچ ہے؟''

وہ شخص بولا: ''یہ بات میں نے دوسروں سے سنی ہے اور وہی تمھیں بتانے آیا ہوں۔''

سقراط بولا: ''اچھا! اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں مکمل یقین نہیں ہے کہ یہ بات سچ ہے یا جھوٹ۔

''اب دوسرا سوال یہ ہے کہ جو بات میرے دوست کے متعلق تم مجھے بتانے والے ہو، کیا اس میں، میرے دوست کی کوئی اچھائی اور تعریف ہے؟''

آدمی نے جواب دیا: ''نہیں، تعریف نہیں، بلکہ خامی اور بُرائی والی بات ہے۔''

یہ سن کر سقراط بولا: ''اچھا! یعنی اس بات میں کسی بُرائی کا ذکر ہے۔ اب میرا تیسرا اور آخری سوال یہ ہے کہ کیا وہ بات میرے لیے فائدہ منداور کار آمد ہے؟''

وہ آدمی بولا: ''بالکل نہیں، وہ بات میرے اندازے کے مطابق آپ کے لیے فائدہ مند نہیں ہے۔''

سقراط نے بات ختم کرتے ہوئے کہا: ''چلو، پھر ٹھیک ہے۔ سوال میں پوچھ چکا ہوں۔ واضح ہوا کہ ایک ایسی بات، جو تم نے کسی اور سے سنی اور اس کا پتا بھی نہیں کہ سچ یا جھوٹ! نہ وہ فائدہ مند ہے اور نہ کسی کی اچھائی کا ذکر ہے۔ تو پھر بھلا ایسی بات تمھیں بتانے کی اور مجھے سننے کی کیا ضرورت ہے!''

ہمدردی

عفان احمد خان، ملیر، کراچی

''عدنان! تم کچی بستی میں کیا کرنے گئے تھے؟'' عدنان ابھی گھر میں داخل ہی ہوا تھا کہ اس کے چچا خرم نے بلند آواز سے پوچھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

''وہ ...... وہ...... چاچو! مم......

میں......'' عدنان ہکلایا۔

''میں، میں...... کیا کر رہے ہو؟ تم اِدھر اُدھر گھومتے رہتے ہو، پڑھائی میں دل نہیں لگتا! آنے دو بھائی جان کو، سب بتاؤں گا۔''

خرم نے غصے سے کہا اور چلا گیا۔

''بھئی خرم! خیریت تو ہے گھر میں......

خرم سے اس کے دوست ظفر نے پوچھا۔

''ہاں، اللہ کا شکر ہے، مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' خرم نے حیرت سے کہا۔

''آج میں میڈیکل اسٹور پر کھڑا تھا کہ اپنا عدنان جلدی میں آیا اور بلڈ پریشر کی دوا لے کر چلا گیا۔'' ظفر نے بتایا۔

''ہائیں، بلڈ پریشر تو ہمارے یہاں کسی کو نہیں۔''
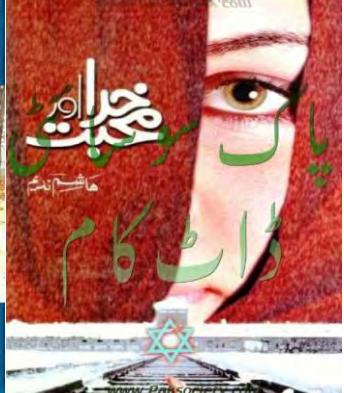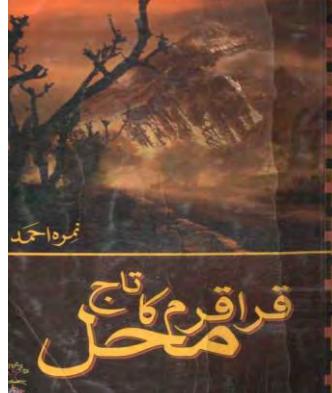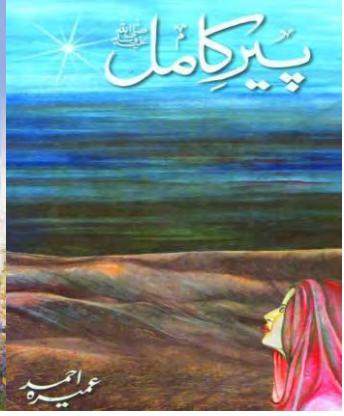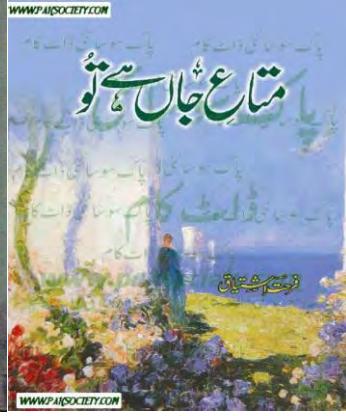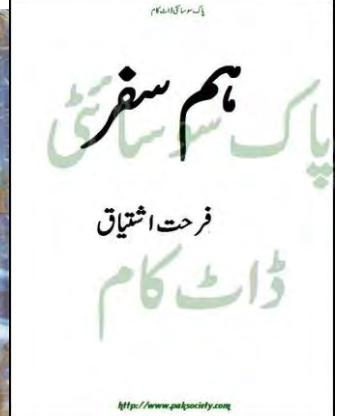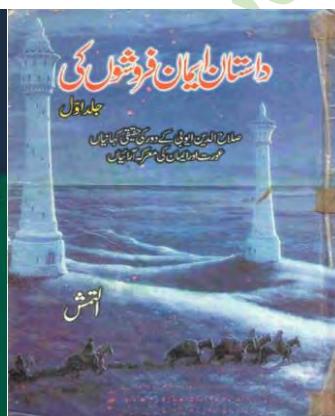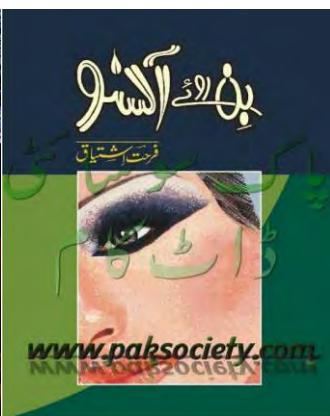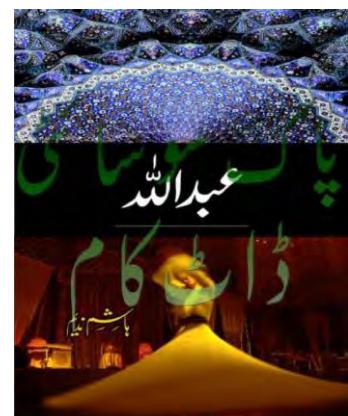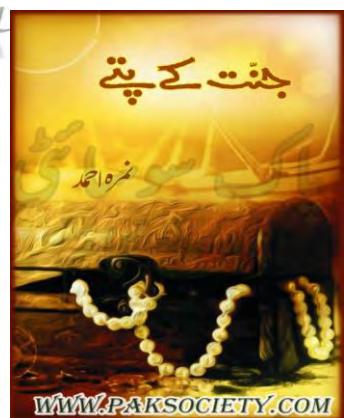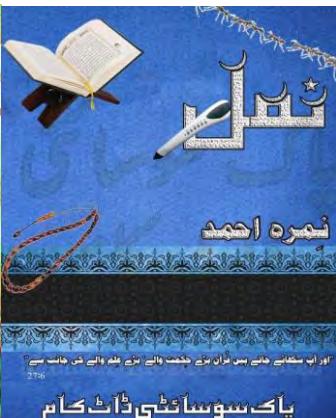
''کہیں عدنان کسی غلط کاموں میں تو نہیں پڑ گیا؟'' ظفر نے خیال ظاہر کیا۔

''میں آج پوچھوں گا۔'' خرم نے کہا۔

''عدنان! یہ خرم چاچو کیا کہہ رہے ہیں؟'' عدنان کے ابو اوصاف نے بیٹے سے پوچھا۔

''کیا کہہ رہے ہیں؟'' عدنان منمنایا۔

''اچھا چوری اور سینہ زوری۔ یہ بلڈ پریشر کی دوا کس کے لیے لے جا رہے تھے، بتاؤ، یہ کیا چکر ہے؟'' خرم نے غصے سے کہا۔

عدنان نے سر جھکا کر ابو کو بتایا: ''ابو! میں آپ کو سچ بتا دیتا ہوں۔ دراصل کچی بستی میں میرے ایک غریب دوست کا گھر ہے۔ اس کی امی شدید بیمار ہیں۔ اس کے ابو معذور ہیں۔ امی کی بیماری کی وجہ سے وہ شدید پریشان تھا۔ مجھے معلوم ہوا تو میں نے اپنے جیب خرچ سے ان کی مدد کی۔ اسی لیے کل اور آج دوائیں لے کر گیا تھا۔''

عدنان بولتا چلا گیا۔ اس کے ابو یہ سن کر حیران رہ گئے۔

''بیٹے! کمال کر دیا، تم نے مجھے کیوں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

Downloaded From Paksociety.com

نہیں بتایا! یہ لو ہزار روپے تمھارا انعام اور کل میں ان کے ہاں چلوں گا۔ اب ان کا علاج اور تمھارے دوست کی تعلیم کا خرچ میرے ذمے ہے۔'' اوصاف صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

لگن

سید ریان متین، ملیر، کراچی

''ارے، کیا تم ہر وقت پڑھتے رہتے ہو! چلو اُٹھو، گاڑی آئی ہوئی ہے مرمت کے لیے۔'' موٹر ورکشاپ کے مالک وسیم نے طٰہٰ کو جھڑکا۔

''اچھا استاد! بس یہ سوال کر کے آیا۔'' طٰہٰ نے کہا۔

''کچھ نہیں ہوتا پڑھنے سے، کام کرو، پیسے کماؤ۔'' وسیم نے منھ بنا کر کہا۔

''استاد! تم دیکھنا! میں ضرور ایک دن پڑھ لکھ کر تمھارے پاس اپنی گاڑی ٹھیک کرانے آؤں گا۔'' طٰہٰ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''ہاہاہا...... تم اور گاڑی! چلو، اب جلدی سے گاڑی کے پاس آ جاؤ۔'' وسیم نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔

جب طٰہٰ کے والد کا انتقال ہوا تو وہ گیارھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس کے والد مزدوری کرتے تھے۔ ان کے بعد گھر میں فاقوں کی نوبت آنے لگی۔ طٰہٰ کی والدہ بھی بیمار رہتی تھیں۔ طٰہٰ کو مجبوراً گھر سے باہر نکلنا پڑا۔ بڑی مشکل سے ایک مکینک کی دکان پر کام ملا۔

طٰہٰ صبح جاتا اور شام کو تھکا ہارا واپس آتا۔ اس نے ایک اوپن یونی ورسٹی میں داخلہ بھی لے لیا۔ کام کے بعد ساری توجہ پڑھائی پر دیتا۔ وہ ورکشاپ پر کتابیں ساتھ لے کر جاتا اور فارغ وقت میں کتابیں لے کر بیٹھ جاتا۔ اس بات پر دوسرے لوگ مذاق اُڑاتے اور طعنے بھی دیتے، مگر وہ سب باتیں برداشت کر لیتا۔ اس کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی محنت کا صلہ ضرور دے گا۔

دن گزرتے گئے۔ طٰہٰ نے بہترین نمبروں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

سے انٹر کیا اور شہر کی سب سے بڑی یونی ورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ اس نے ورکشاپ پر جانا چھوڑ دیا، کیوں کہ اب وہ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا تھا۔

کافی عرصے بعد طٰہٰ اپنی گاڑی پر سڑک سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک ورکشاپ پر بورڈ لگا ہوا دیکھا ''وسیم مکینک''

''بھائی! اِدھر آنا، میری گاڑی پنکچر ہوگئی ہے۔'' طٰہٰ نے آواز لگائی۔

فوراً ہی ایک ادھیڑ عمر کا آدمی نکلا: ''جی بابو جی!''

طٰہٰ نے غور سے دیکھا اور اس کے منھ سے نکلا: ''ارے استاد آپ!''

''طٰہٰ تم! گاڑی میں......'' وسیم نے حیرت سے کہا۔

''جی استاد جی! میں نے کہا تھا نا، ضرور میں ایک دن پڑھ لکھ کر قابل بن جاؤں گا۔'' طٰہٰ نے فخر سے کہا: ''میں ایک بڑے ادارے میں منیجر ہوں۔''

''ہاں بیٹے! تم نے صحیح کہا تھا۔ ہم لوگ نادان تھے، جو تمھارا مذاق اُڑاتے رہے۔''

استاد وسیم کا سر جھک گیا۔

انسانوں کا دیس

سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

دو تتلیاں گلاب کے ایک پھول پر بیٹھی باتوں میں مشغول تھیں، ایک بولی: ''تمھیں معلوم ہے، کل میں انسانوں کے دیس میں سیر کرنے گئی تھی!''

''اچھا! کیا کیا دیکھا تم نے وہاں پر؟''

دوسری تتلی نے خوشی سے پوچھا۔

''وہاں میں نے بہت بُرا دیکھا۔'' پہلی تتلی نے آہ بھر کر کہا۔

''کیا؟'' دوسری تتلی حیرت سے بولی۔

''آج بھائی، بھائی کا دشمن بن چکا ہے۔ جائداد حاصل کرنے کے لیے خونی رشتے دار ایک دوسرے کا قتل کرنے پر تُلے ہیں۔ کل میں نے دو بھائیوں کو جائداد کے حصے کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

لیے لڑتے دیکھا۔ دونوں بُری طرح سے اُلجھے ہوئے تھے۔" یہ کہہ کر پہلی تتلی چپ ہوگئی۔

دوسری نے کہا: "اور کیا دیکھا؟"

"اس کے علاوہ میں ایک جگہ گئی تو دیکھا کہ ایک بیٹے نے اپنی ماں کو گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ ماں بے چاری رو رو کر اور دروازہ کھٹکھٹا کر کہہ رہی تھی کہ بیٹے، میں نے تمھیں پالا پوسا، تمھیں لکھایا پڑھایا، تمھیں چلنا سکھایا، مگر تم نے مجھے گھر سے نکال دیا، بیٹے، دروازہ کھول دو، میں کہاں جاؤں گی، مگر بیٹے نے دروازہ نہ کھولا اور وہ ماں بے چاری دروازے کے باہر پڑی آنسو بہاتی رہی۔"

"کس قدر گناہ گار ہے وہ بیٹا۔" دوسری تتلی نے سن کر افسوس سے کہا۔

"ہاں" پہلی نے دوبارہ بات کا آغاز کیا: "وہاں سے میں دوسری جگہ چلی گئی۔ دوسری جگہ میں نے دیکھا کہ چند نوجوانوں نے، جن کے چہروں سے وحشت ٹپک رہی تھی، ایک موٹر سائیکل سوار کو روکا ہوا ہے اور وہ اس سے پیسے چھین رہے ہیں، وہ ان سے التجا کر رہا تھا کہ یہ میری بہن کی شادی کی رقم ہے، یہ رقم مجھ سے مت چھینو، مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔"

دوسری تتلی افسردہ لہجے میں بولی: "میری امی کہتی ہیں کہ پہلے انسان ایسے نہ تھے۔ وہ محبت اور اتفاق سے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ ایک دوسرے کے کام آتے تھے، مگر ......مگر اب پتا نہیں انھیں کیا ہو گیا ہے!"

پہلی نے افسوس بھرے لہجے میں کہا: "کاش، ہم کچھ کر پاتیں، اب تو ہم صرف اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ سکتی ہیں کہ اللہ، انسانوں کو نیک بنا دے۔"

"میں بھی اللہ جی سے انسانوں کی بھلائی کے لیے دعا کروں گی۔" دوسری تتلی نے کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

پری کی ممتا

یمنیٰ توقیر، کراچی

پرانے زمانے کی بات ہے کہ پرستان میں سات پریاں رہتی تھیں۔ وہ آپس میں گہری سہیلیاں تھیں۔ ایک دن انھیں معلوم ہوا کہ پرستان سے دور دنیا میں ایک بہت خوب صورت تالاب ہے۔ جس کا پانی تن درستی کے لیے نعمت ہے، تمام پریوں نے فیصلہ کیا کہ ہم ساتوں سہیلیاں زمین پر جائیں گی اور اپنے والدین کے لیے آبِ حیات لائیں گی۔

انھوں نے اپنے والدین سے اجازت لی اور دوسرے دن سفر پر روانہ ہو گئیں۔ دو دن بعد شام کے وقت وہ زمین پر اُتریں۔ اتنے خوب صورت ماحول کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئیں۔ انھوں نے تالاب سے پانی لے کر اپنی بوتلوں میں ڈال لیا۔ پھر ان کی دوست سبز پری نے دوسری پریوں سے کہا کہ ہم سب اس میں نہائیں، پھر چلیں گے۔ تمام پریوں نے اپنے پَر اُتار کر تالاب کے کنارے رکھ دیے اور پانی میں نہانے لگیں۔

ایک چرواہا یہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک پری کے پَر زمین کھود کر چھپا دیے۔ جب دن ڈھلنے لگا تو تمام پریوں کو پرستان جانے کی فکر ہونے لگی۔ وہ جلدی سے کنارے پر آ کر اپنے پَر پہننے لگیں۔ تمام پریاں چلنے کو تیار ہو گئیں، مگر سبز پری کے پَر نہیں ملے تو وہ رونے لگی۔ وہ بہت خوف زدہ اور پریشان تھی، مگر سب پریوں نے اس سے معذرت کر لی اور پرواز کر گئیں۔

سبز پری تنہا روتی رہ گئی۔

اسی وقت وہ چرواہا آ گیا اور سبز پری کو اپنے گھر لے گیا۔ وہ اس کے ساتھ ہمدردی کر رہا تھا۔ آخر وہ اس کے ساتھ رہنے لگی۔ کچھ دن کے بعد اس نے سبز پری سے شادی کر لی، مگر سبز پری کو چپ لگ گئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس کو اولاد عطا کی تو وہ تمام دکھ بھول گئی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

اور بچوں کی پرورش کرنے لگی۔

ایک دن وہ تالاب پر کپڑے دھونے گئی۔ بچے بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ مٹی میں کھیل رہے تھے کہ اچانک ان کو مٹی سے پَر مل گئے۔ سبز پری نے جو اپنے پَر دیکھے تو وہ بے اختیار اُٹھی اور مٹی جھاڑ کر اپنے پَر پہن لیے اور اُڑنے کی تیاری کرنے لگی۔ بچے یہ دیکھ کر رونے لگے۔ انھوں نے اپنی ماں کو رو رو کر جانے سے روک لیا۔ وہ اپنی ممتا کے آگے مجبور ہو گئی۔ اس کو اپنے ماں باپ یاد آئے، مگر بچوں کی محبت نے اس کو دنیا میں رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے وہ پَر اُٹھا کر تالاب میں ڈال دیے اور بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگی۔

مشکوک آدمی

ایمن اسحاق، گجرات

احمد، علی اور عثمان آپس میں گہرے دوست تھے۔ وہ تینوں بہت ذہین اور مہم جو تھے۔ وہ ایک ہی محلے میں رہتے اور ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ شدید گرمی کے باعث چرند پرند اپنے گھونسلوں میں دُبکے ہوئے تھے۔ ایسے میں گھر والوں کے منع کرنے کے باوجود وہ تینوں احمد کے گھر جامن کے درخت کے نیچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ کھیلتے کھیلتے اچانک انھیں کچھ آوازیں سنائی دیں۔

''ارے! یہ آوازیں کیسی ہیں؟''

علی نے اس گھر کی طرف دیکھا، جہاں سے آوازیں آرہی تھیں۔

''یہ گھر تو کئی سالوں سے بند پڑا ہے۔''

علی نے حیرت سے کہا۔

''ارے نہیں، امی کہہ رہی تھیں کہ نئے کرائے دار آئے ہیں، وہی ہوں گے۔'' احمد نے جواب دیا۔

وہ پھر کرکٹ کھیلنے لگے۔ کھیل کے دوران گیند نئے کرائے داروں کے صحن میں چلی گئی۔ چوں کہ احمد اور نئے کرائے داروں کے گھر کی دیوار ایک ہی تھی، اس لیے وہ آسانی سے اُدھر جا سکتے تھے۔ احمد کے گھر چھت پر جانے والی سیڑھیوں پر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کھڑے ہو جائیں تو نئے کرائے داروں کا سارا صحن صاف نظر آتا تھا، لہٰذا وہ تینوں سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ مکان کے صحن میں دو لمبے چوڑے آدمی کھڑے تھے۔ صحن میں بڑے بڑے کارٹن پڑے ہوئے تھے۔ دونوں آدمی ان کارٹن کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہے تھے۔

اچانک وہ باتیں کرتے ہوئے ان کی طرف پلٹے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں اور دیکھنے میں وہ بہت خوف ناک لگ رہے تھے۔ جس طرف وہ تینوں کھڑے تھے، اُدھر ایک بہت بڑا درخت تھا، لہٰذا سامنے والا ان کو واضح طور پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ تینوں تجسس سے ان کارٹن کو دیکھ رہے تھے۔

''آؤ! ان کے گھر چلتے ہیں۔ گیند بھی لے آئیں گے اور ان سے مل بھی لیں گے۔ مجھے بڑی فکر ہو رہی ہے کہ ان کارٹن میں کیا ہے۔'' علی نے جوش سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''ہاں چلو، لیکن اگر انھوں نے ہمیں جھانکتے ہوئے دیکھ لیا تو کتنا بُرا لگے گا۔ میری امی کہتی ہیں کہ کسی کے گھر یوں نہیں جھانکتے۔'' احمد نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

وہ تینوں ساتھ والے گھر کی طرف چل پڑے۔ دروازے پر ایک بڑی عمر کا شخص کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پستول بھی تھا۔ اس کا چہرہ بھی پہلے دونوں آدمیوں کی طرح سخت تھا۔ وہ تینوں آگے بڑھے۔

''السلام علیکم انکل!'' تینوں نے بیک وقت سلام کیا۔

''وہ ہماری گیند آپ کے گھر کے صحن میں گر گئی ہے۔ کیا ہم وہ لے لیں؟'' عثمان نے پوچھا۔

''نہیں!'' چوکیدار نظر آنے والے شخص نے جواب دیا۔

شکل کی طرح اس کی آواز بھی سخت تھی۔ وہ تینوں حیران ہوئے۔

''میں خود لاتا ہوں۔ تم تینوں اِدھر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

کھڑے رہو اور خبردار، کوئی میرے پیچھے آیا۔'' وہ تینوں ڈر گئے۔

وہ ان کو گھورتا ہوا اندر چلا گیا۔ علی نے جھانک کر دیکھا تو وہ پہلے والے دو آدمیوں کو کچھ کہتے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ان دونوں آدمیوں نے دروازے کی طرف دیکھا تو وہ فوراً پیچھے ہو گئے۔

''مجھے تو یہ آدمی مشکوک لگ رہے ہیں!'' علی نے کہا تو وہ دونوں بھی سر ہلانے لگے۔

اتنے میں چوکیدار گیند لے کر آ گیا:

''یہ لو اور جاؤ، آیندہ اِدھر گیند نہیں پھینکنا۔ میں واپس نہیں کروں گا۔'' وہ کرخت لہجے میں بولا۔

علی نے آگے بڑھ کر گیند پکڑی اور وہ تینوں واپس آ گئے۔

''تم دونوں کو کیا لگتا ہے، ان کے کارٹن میں کیا ہو گا!'' عثمان نے علی اور احمد سے پوچھا۔

''ہو سکتا ہے کوئی سامان ہو، کیوں کہ وہ لوگ ابھی کل ہی تو آئے ہیں۔'' احمد نے کہا۔

''لیکن ان کا رویہ بہت مشکوک ہے۔'' علی نے اپنی رائے دی۔

اگلے دن اسکول سے واپس آتے ہوئے تینوں نے کسی آدمی کو کارٹن اُٹھا کر نئے کرائے داروں کے گھر سے نکلتے دیکھا۔ وہ تینوں اور زیادہ تجسس میں پڑ گئے۔ احمد نے اس بارے میں اپنی امی سے بھی کہا، لیکن ان کا خیال تھا کہ کارٹن میں نئے آنے والوں کا سامان ہی ہو گا۔

تینوں نے مل کر منصوبہ بنایا کہ جب ہلکا سے اندھیرا چھائے گا تو احمد ان کے صحن میں کودے گا اور ان کارٹن میں دیکھے گا۔ یہ غیر اخلاقی حرکت تھی، لیکن وہ اپنے تجسس سے مجبور تھے۔ احمد اپنے گھر کی سیڑھیوں سے ان کے درخت پر چڑھا اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ان کے گھر کے صحن میں اُتر گیا۔ صحن میں اندھیرا تھا۔ وہ آہستہ سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے موبائل کی لائٹ آن کی اور کارٹن کی طرف ہاتھ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بڑھایا ہی تھا کہ کسی نے انھیں پیچھے سے آ کر پکڑلیا۔ اس کی بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

''کون ہو تم؟ اِدھر کیا کر رہے ہو؟'' آنے والے آدمی نے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں کر رہا تھا۔'' اتنے میں اس کے باقی ساتھی بھی آ گئے۔ انھوں نے احمد کو پکڑ کر باندھ دیا۔ علی اور عثمان جو کہ سیڑھیوں پر کھڑے تھے، انھوں نے کچھ آدمیوں کو کمرے میں جاتے دیکھا، انھیں تھوڑا سا شور بھی سنائی دیا۔ وہ گھبرا گئے۔ کافی دیر انھوں نے انتظار کیا۔ جب احمد کا کچھ پتا نہ چلا تو انھوں نے احمد کے والد کو سارا قصہ سنایا۔ ساری بات سن کر پریشان ہو گئے۔ انھوں نے محلے کے ایک دو لوگوں سے بات کی، جنھوں نے ان کے مشکوک ہونے کی تصدیق کر دی۔ وہ ان آدمیوں کے گھر جانے لگے، لیکن محلے کے لوگوں نے انھیں روک دیا اور پولیس میں رپورٹ کرنے کا مشورہ دیا کہ کہیں وہ احمد کے ساتھ ساتھ انھیں بھی نقصان نہ پہنچا دیں۔

انھوں نے فوراً پولیس کو بلا لیا۔

علی اور عثمان بھی بہت پریشان تھے۔ پولیس نے فوراً ان مشکوک آدمیوں کو پکڑ لیا۔ کارٹن کو کھولا گیا تو وہ تینوں بھی آگے بڑھ کر دیکھنے لگے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان میں بچوں کے مختلف کھلونے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔

ان آدمیوں نے بتایا کہ ہماری کھلونوں کی فیکٹری ہے اور یہاں ہم نے کھلونے رکھنے کے لیے گودام بنایا ہے۔ ہم نے احمد کو چور سمجھ کر پکڑا تھا۔ ہم سمجھے، شاید وہ کھلونے چوری کرنے کے لیے آیا ہے۔

احمد کے ابو اور محلے والے بہت شرمندہ ہوئے۔ انھوں نے احمد، علی اور عثمان کو تحفے میں کھلونے دیے۔ وہ تینوں بھی بہت شرمندہ ہوئے اور وہ سمجھ گئے کہ ہر بڑی بڑی مونچھوں اور سخت چہرے والا انسان خوف ناک اور مشکوک نہیں ہوتا۔ انھوں نے سب سے معافی مانگ لی اور آیندہ بغیر تحقیق کے کچھ نہ کرنے کا وعدہ کیا۔

☆☆☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

دنیا کے مشہور و مقبول ادیبوں پر مختصر معلوماتی کتابیں

حسن ذکی کاظمی کے قلم سے

ولیم شیکسپیئر انگریزی ادب کا عظیم ڈراما نگار، جس کے ڈرامے ساری دنیا میں پڑھے اور دیکھے جاتے ہیں۔

شیکسپیئر کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۲۵ روپے

سیموئل ٹیلر کولرج انگریزی کا عظیم شاعر جس نے خود علم سیکھا اور شعر و ادب میں اپنا مقام بنایا۔

کولرج کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۳۵ روپے

ولیم ورڈز ورتھ عظیم شاعر جس نے انگریزی شاعری کو ایک نیا رخ دیا، سانیٹ بھی لکھے اور مضامین بھی۔

ولیم ورڈز ورتھ کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۳۵ روپے

برونٹے سسٹرز تین برونٹے بہنوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے سے عورتوں کے حقوق اور آزادی کے لیے آواز بلند کی۔ یہ ایک دل چسپ معلوماتی کہانی اس کتاب میں پڑھیے۔

برونٹے بہنوں کی خوب صورت تصویر کے ساتھ رنگین ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۴۵ روپے

چارلس ڈکنز عظیم ناول نگار جسے کتابیں پڑھنے کے شوق نے دنیا کے نامور ادیب کا اعلا مقام عطا کیا۔

ٹائٹل پر ڈکنز کی خوب صورت تصویر صفحات : ۲۴ قیمت : ۴۵ روپے

ٹامس ہارڈی انگریزی کا پہلا ناول نگار جس نے گاؤں کی روزمرہ زندگی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔

ہارڈی کی تصویر سے سجا ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۴۵ روپے

رڈیارڈ کپلنگ انگریزی ادب کا عظیم کہانی نویس، نظم نگار، ناول نگار اور پہلا انگریز ادیب جسے ادب کا نوبیل انعام ملا۔

کپلنگ کی تصویر کے ساتھ رنگین ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۴۵ روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ
مئی ۲۰۱۷ء کے بارے میں ہیں

❁ کہانیاں بھوتوں کے نام اور اچھا سودا بہت پسند آئیں۔ ان کے علاوہ چھوٹا بڑا، بلاعنوان کہانی، آفت زدہ اور اجنبی مہربان بھی متاثر کن ہیں۔ کاغذ سازی کی تاریخ اور شتر مرغ معلوماتی مضامین ہیں۔ جانوروں کی عمریں معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ دل چسپ بھی لگا، جنت کا راستہ اور مالِ مفت بھی سبق آموز تحریریں ہیں۔ نونہال ادیبوں نے بھی ذوق شوق سے تحریریں لکھی ہیں۔ نونہال خبرنامہ، علم دریچے اور ہنسی گھر بھی رسالے کی جان ہیں۔ پہلی بات کے ذریعے یکم مئی کے حوالے سے اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ اس مہینے کا خیال دریا کو کوزے میں بند کرنے کے برابر ہے۔ جاگو جگاؤ کے ذریعے نونہالوں کے دوست شہید حکیم صاحب محبت اتفاق اور اتحاد کی اہمیت کے بارے میں سمجھا رہے ہیں۔ خدا ہمدرد نونہال کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ **عشرت جہاں، لاہور۔**

❁ جاگو جگاؤ ہر بار کی طرح انتہائی فصیح تحریر تھی۔ پہلی بات میں محنت کی بات کو بطور ''پہلی بات'' کافی کھول کر بیان کیا گیا تھا۔ روشن خیالات میں اشفاق احمد کا خیال بہترین لگا۔ ریاض حسین قمر حسب حال حمد لائے اور نسرین شاہین ''ایک یادگار دن''۔ بھوتوں کا نام میں خوب صورت طریقے سے حقیقی بھوتوں کی نشاندہی کی گئی۔ اچھا سودا کافی اعلا تحریر تھی۔ جاوید بسام صاحب نے اقبال بابو کو کافی اچھے انداز میں پیش کیا۔ اجنبی مہربان، چھوٹا بڑا اور آفت زدہ احسان کے موضوع پر لکھی گئی اچھی تحریریں تھیں۔ نونہال ادیب اور علم دریچے میں نونہالوں کی کاوش لاجواب تھی۔ ہنسی گھر کے سب لطیفے بھلے تھے۔ بلاعنوان کہانی اور جنت کا راستہ بہترین تھیں۔ جاوید اقبال کی تحریر مالِ مفت میں سہراب بابو نے کافی عقل مندی والا کام کیا۔ جانوروں کی عمریں اور کاغذ سازی کی تاریخ معلوماتی تحریریں ثابت ہوئیں۔ **ایم آئی کے سی صاحب، بلوچستان۔**

❁ ہمدرد نونہال سے تقریباً سات سال سے جڑی ہوئی ہوں۔ مجھے اچھی اردو پڑھنا بھی اس نے ہی سکھایا۔ اپنے پیارے ہمدرد نونہال کے لیے میں اپنی تحریر کردہ نظم بھیج رہی ہوں۔ **حرا طارق، جہلم۔**

> **نظم اچھی ہے، لیکن ہمدرد نونہال کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔**

❁ کہانیوں میں جاوید اقبال کی مالِ مفت، محمد طارق کی جنت کا راستہ اور عبدالحمید عابد کی آفت زدہ بہت ہی سبق آموز اور تجسس سے بھرپور تھیں۔ شائستہ قیصر کی بلاعنوان کہانی بہت ہی اثر انگیز تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے بارے میں ظفر کمال ہاشمی نے ہماری معلومات میں بہت اضافہ کیا۔ رانا محمد شاہد کی تحریر کاغذ سازی کی تاریخ معلومات کا خزانہ تھی۔ نظموں میں شمس القمر عاکف کی ''گرمی'' دل کو بہت بھائی ریاض حسین قمر کی ''حمدِ باری تعالیٰ'' بہت ہی ایمان افروز تھی۔ **پرنس راجا ثاقب محمود جنجوعہ، پنڈ دادن خان۔**

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

❁ مئی کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ میں نے سب کہانیاں ایک ہی دن میں پڑھ لیں۔ مجھے نونہال بک کلب ممبر بنتا ہے۔ کیا ہم بلاعنوان کہانی کے دو عنوان بھیج سکتے ہیں؟ عائزہ خان، کراچی۔

بک کلب کی ممبر شپ کے لیے مکان یا فلیٹ نمبر سمیت مکمل پتا لکھیے۔ بلاعنوان کے ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان بھیجا جا سکتا ہے۔

❁ مئی کا شمارہ لاجواب کاوشوں کا گلدستہ تھا۔ تمام کہانیاں اور نظمیں بہت ہی شان دار تھیں۔ نسرین شاہین کی تحریر ''ایک یادگار دن'' پڑھ کر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صاحب سے محبت اور احترام پہلے سے بھی بہت زیادہ بڑھ گیا۔ محمد الیاس چنا کا مضمون ''شتر مرغ'' بہت ہی معلوماتی تھا۔ ''معلومات ہی معلومات'' بہت ہی اچھا سلسلہ ہے۔ ''بلاعنوان کہانی'' ہمیں بہت پسند آئی۔ '' نونہال ادیب میں عروج فاطمہ کی ''حی علی الفلاح''، عدن رشید کی ''حساب بے باق''، محمد ارسلان کی ''ایمان داری کا انعام'' متاثر کن تھیں۔ راجا فرخ حیات، عظمت حیات، نزہت حیات، ثمینہ فرخ، شازیہ، پنڈ دادن خان۔

❁ مئی کا ہمدرد نونہال بہترین رہا۔ سرورق خوب صورت نہیں تھا۔ بلاعنوان کہانی اس دفعہ اچھی رہی۔ کہانیوں میں اجنبی مہربان، چھوٹا بڑا اور اچھا سودا سمیت باقی سارے سلسلے اچھے تھے۔ فہد محمد خان احمدانی، سانگھڑ۔

❁ شمارہ مئی پہلے شماروں کی طرح علم کا خزانہ نایاب ثابت ہوا۔ یہ آپ کی محنت کا منھ بولتا ثبوت ہے کہ یہ رسالہ جب نظر سے گزرا تو پہلی ہی نظر میں جیسے جادو کر گیا۔ فرمان حیدر، سرگانی، بھکر۔

❁ ہمدرد نونہال کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ ''جاگو جگاؤ'' دوستوں سے محبت اور دوستی کی تلقین کر رہا تھا۔ پہلی بات میں ''یوم مزدور'' جو کہ یکم مئی کو پوری دنیا میں منایا جاتا ہے کے بارے میں معلومات میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ کہانیوں میں اچھا سودا، اجنبی مہربان، چھوٹا بڑا، دل کی گہرائیوں میں اُتر گئیں۔ نظموں میں ''یوم تکبیر'' اور ''محنت'' معیار کی اعلا بلندیوں پر فائز تھیں۔ عائشہ ثاقب جنجوعہ، نادیہ ثاقب جنجوعہ، صدف رانی، ثانیہ فرخ راجا، راجا محمد ضیاء فرخ، پنڈ دادن خان۔

❁ اس مرتبہ کا شمارہ سب سے اچھا تھا۔ کہانیاں تو ساری اچھی تھیں، مگر ''چھوٹا بڑا'' بہت اعلا کہانی تھی۔ بلاعنوان کہانی سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا۔ نظموں میں گرمی بازی لے گئی۔ اس کے علاوہ نظم محنت بہت پسند آئی۔ سچ ہے ہر چیز کے لیے محنت لازمی ہے۔ ہنسی گھر کے لطیفے مزے دار اور اعلا ترین تھے۔ کہانیاں اس دفعہ ساری زبردست و مزے دار تھیں۔ زیادہ تر کہانیاں ہمدردی کے موضوع پر تھیں۔ میں نے ہنڈکلیا کی دل چسپ کھانے اپنی امی کے ساتھ بنائے، جو بہت مزے دار بنے تھے۔ مجھے ہمدرد نونہال میں سب سے اچھا سلسلہ روشن خیالات کا لگتا ہے۔ آپ لوگ اتنی محنت کر کے ہمیں اتنی اچھی معلومات اور تفریح مہیا کرتے ہیں، اللہ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ تسبیح محفوظ علی، کراچی۔

❁ جاگو جگاؤ اور پہلی بات بہت خوب صورت انداز سے شائع ہوئے تھے۔ کہانیوں میں سب سے خوب صورت کہانی ''پندرھواں دروازہ'' تھی۔ اس کے بعد چٹائی والا بادشاہ اور گہرا رشتہ بھی خوب صورت کہانیوں میں سے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

تھیں۔محترم مسعود احمد برکاتی صاحب کی تحریر ''اچھی زندگی'' بہت پسند آئی۔ بلاعنوان کہانی بھی بہت اچھی کہانی تھی۔ اس بار نظمیں بھی بہت اعلا تھیں۔**محمد احمد غزنوی، ضلع دیر۔**

❁ آپ نئے شمارے کی تیاری میں لگے ہوں گے۔ بلاعنوان کہانی لاجواب تھی۔آپ فوجی کہانیاں بھی شائع کیا کریں۔**تحریم نور، شاہ نور، جگہ نامعلوم۔**

❁ مئی کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔لطیفے بہت ہی شان دار تھے۔ بیت بازی واقعی بازی لے گئی۔**محمد سجاد ملک، حیدرآباد۔**

❁ بلاعنوان کہانی (شائستہ قیصر) بھی کہانیوں سے زیادہ پسند آئی۔ جاوید بسام کی تحریر کمال کی تھی۔ بھوتوں کے نام بھی دل کش کاوش تھی۔ باقی جنت کا راستہ، آفت زدہ، مالِ مفت اور اجنبی مہربان بھی پسند آنے والی کہانیوں میں شامل ہیں۔ رانا محمد شاہد نے ''کاغذ سازی کی تاریخ'' سے معلومات بڑھائیں۔ نظمیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔**سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔**

❁ کہانیوں میں جاوید بسام کی ''اچھا سودا، گلاب خان سولنگی کی ''چھوٹا بڑا'' اور شیخ عبدالحمید عابد کی ''آفت زدہ'' سرِفہرست رہیں۔ دیگر تحریریں بھی قابلِ تعریف ہیں۔**شاہ سوار کیانی، ساہیوال۔**

❁ مجھے ہمدرد نونہال بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ میں اسے بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ ماشاءاللہ رسالے کا معیار روز بہ روز بڑھتا جا رہا ہے۔ خدا اس رسالے کو دن دُگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔**ہشام احمد، حضرو۔**

❁ مئی کا رسالہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ تمام کہانیاں سپر ہٹ تھیں۔ خاص کر مالِ مفت بہت پسند آئی۔**رضوان خواج محمد، گلشن غازی، کراچی۔**

❁ مئی کا شمارہ زبردست تھا۔ ساری کہانیاں اچھی تھیں۔ خصوصاً جنت کا راستہ، مالِ مفت اور ہنسی گھر اچھی تحریریں تھیں۔ حمدِ باری تعالیٰ، روشن خیالات اور جاگو جگاؤ زبردست تحریریں تھیں۔ شائستہ قیصر کی بلاعنوان کہانی بھی اچھی تھی۔ انکل! کیا آپ مجھے اپنے دفتر کا ٹیلے فون نمبر بھیج سکتے ہیں؟**سیدہ سروج کریم، کھرڑیانوالہ۔**

ٹیلے فون نمبر رسالے کے پہلے صفحے پر موجود ہیں۔ آپ تمام تحریریں ایک ہی لفافے میں بھیج سکتی ہیں۔

❁ مئی کا تازہ شمارہ انتہائی شان دار تھا۔ روشن خیالات کا سلسلہ بہترین ہے۔ کہانیوں میں اچھا سودا، اجنبی مہربان، چھوٹا بڑا اور بلاعنوان کہانی انتہائی سبق آموز تھی۔ مضامین تو تمام ہی شان دار تھے۔**محمد سلمان زاہد، کیاڑی، کراچی۔**

❁ مئی کا شمارہ بھی اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ میں بہت ہی اہم باتیں بتائی گئی تھیں۔ حمدِ باری تعالیٰ بھی بہت اچھی لگی۔ روشن خیالات بھی زبردست تھے۔ کاغذ سازی کی تاریخ پڑھ کر ہماری معلومات میں اضافہ ہوا۔ نظم ''یومِ تکبیر'' بہت اچھی لگی۔ کہانیوں میں پہلے نمبر پر جنت کا راستہ، دوسرے نمبر پر اچھا سودا، تیسرے نمبر پر چھوٹا بڑا اور چوتھے نمبر پر اجنبی مہربان، بہت ہی اچھی کہانیاں تھیں۔**امداد علی، کراچی۔**

❁ مئی کا شمارہ عمدہ تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ اجنبی مہربان، اچھا سودا، چھوٹا بڑا اور جنت کا راستہ لاجواب تھیں۔ بلاعنوان کہانی سبق آموز تھی۔ مالِ مفت مزاحیہ کہانی تھی۔ غرض یہ کہ پورا شمارہ ہی عمدہ تھا۔**فلذہ وقار، جہلم۔**

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

❁ مئی کا شمارہ زبردست تھا۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ بلاعنوان کہانی بھی اچھی تھی۔ معلومات ہی معلومات، شتر مرغ اور جانوروں کی عمریں نمبر ون تھیں۔ ان سب کو پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ نونہال خبر نامہ بھی نمبر ون تھا۔ انکل! میں ہمدرد نونہال اسمبلی میں شامل ہونا چاہتی ہوں اور میں بک کلب کا ممبر بنا چاہتی ہوں۔ **علیشاہ شاہد، کراچی۔**

نونہال اسمبلی میں شرکت کا طریقہ شعبہ پروگرام میں فون کر کے معلوم کریں۔ بک کلب کا کارڈ آپ کو ڈاک سے مل جائے گا۔

❁ روشن خیالات میں تمام اقوال بہت اچھے تھے۔ ساری کہانیاں اور نظمیں بھی لاجواب تھیں۔ نونہال مصور کا صفحہ بہت اچھا لگا اور علم دریچے سے کافی معلومات ملی۔ ہمدرد نونہال پڑھنے سے مجھے نہ صرف مزہ آتا ہے، بلکہ اس سے میری معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ یہ میری بُرائی کو کم اور نیک کام کرنے کا جذبہ دیتا ہے۔ **ناظمہ شبیر احمد، کراچی۔**

❁ مئی کا تمام شمارہ بہت عمدہ تھا اور ہمیشہ ہی ہوتا، مگر اس ماہ کا کچھ زیادہ عمدہ ہے۔ بلاعنوان کی کہانی تو بہت عمدہ اور اچھی ہے۔ **سید فائز احمد، کراچی۔**

❁ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ جاگو جگاؤ، روشن خیالات اور حمدِ باری تعالیٰ بہت پسند آئی۔ علم دریچے بھی بہت پسند آئے۔ ہمدرد نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے اور اسے پڑھے بغیر مجھے سکون نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو مزید ترقی عطا فرمائیں۔ آمین۔ **محمد ارسلان رضا، کہروڑ پکا۔**

❁ ماشاء اللہ بہت اچھا رسالہ ہے۔ اس رسالے میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ اس کا ہر شمارہ لاجواب ہوتا ہے۔ اس بار تو بلاعنوان کہانی بہت اچھی تھی۔ شتر مرغ بھی بہت اچھا مضمون تھا۔ **نام پتا نامعلوم۔**

❁ روشن خیالات، روشن اور چمک دار تھے۔ پہلی بات پسند آئی۔ دیگر سب کہانیاں، تحریریں اور سلسلے شان دار تھے۔ علم دریچے سلسلہ بہت لاجواب ہوتا ہے۔ نونہال ادیبوں کی ننھی کہانیاں بھی عمدہ تھیں۔ **حافظ محمد اشرف، حاصل پور۔**

❁ حسبِ معمول مئی کا شمارہ بھی زبردست تھا۔ پہلی بات میں بہت معلومات پڑھنے کو ملیں۔ خاص نمبر کے بارے میں پڑھ لیا تو انتظار کا کانٹا کچھ زیادہ نوک دار ہو گیا۔ یومِ تکبیر اور محنت خوب صورت نظمیں تھیں۔ نظم گرمی بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ محترم مسعود احمد برکاتی کی تحریر "بھوتوں کا نام" بہت خوب صورت تھی۔ ایک یادگار دن بہت دل چسپ تحریر تھی۔ غرض ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ **محمد احمد غزنوی، تیمر گرہ، دیر۔**

❁ ہمیشہ کی طرح ہو رہی ہے اس میں عمدہ تحریروں کی برسات، کیوں کہ واقعی یہ رسالہ ہے بے مثال۔ ہو جاتے ہیں یہ رسالہ دیکھ کر بچے اور بڑے نہال، کیوں کہ نام اس کا ہے ہمدرد نونہال۔ **مہک وقاص، صادق آباد۔**

❁ مئی کا شمارہ نہایت دل چسپ تھا۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید نے بہت اچھا سبق دیا اور بہت سے لوگوں کے ضمیر کو جگا دیا۔ پہلی بات میں یکم مئی کے بارے میں معلومات ملیں اور مئی کے خیال سے ایک نیا سبق لیا۔ روشن خیالات زبردست

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

تھے۔ حمدِ باری تعالیٰ پسند آئی۔ کہانیوں میں پہلے نمبر پر اچھا سودا تھی۔ بہت سبق آموز تھی۔ دوسرے نمبر پر چھوٹا بڑا اور تیسرے نمبر پر بلاعنوان کہانی تھی۔ اصبح احمد، مظفر آباد، آزاد کشمیر۔

❀ تمام کہانیاں بے حد پسند آئیں۔ خاص طور پر اچھی زندگی، چٹائی والا بادشاہ، گہرا رشتہ، وہ کون تھے اور بلاعنوان کہانی۔ کیا ہم ہمدرد نونہال کے پرانے شماروں سے اچھی اچھی تحریریں بھیج سکتے ہیں؟ کیا انگریزی کہانی کا ترجمہ یا لوک کہانی بھی بھیج سکتے ہیں؟ سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان۔

پرانی کہانیاں کم از کم بیس سال پہلے کی ہوں اور بہت ہی مزے دار ہوں۔ ترجمہ یا لوک کہانی بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق ہو اور پہلے نہ چھپی ہو۔

❀ جاگو جگاؤ کا پیغام محبت اور مسعود احمد برکاتی صاحب کا پیارا اور اچھوتا خیال میرے لیے رہنما اصول بن گئے ہیں۔ بلاعنوان کہانی (شائستہ قیصر) لاجواب تھی۔ بھوتوں کا نام، نونہال ادیب، کاغذ کی تاریخ اور چھوٹا بڑا بھی قابلِ تعریف ہے۔ ہمدرد نونہال کا معیار ماشاء اللہ بہت اعلا ہے۔ ہر دفعہ پڑھ کے لگتا ہے کہ جیسے آج ایک نیا دوست ملا ہے۔ عمیر احمد مینگل، کوئٹہ۔

❀ مئی کا شمارہ پڑھا۔ اچھا سودا، اجنبی مہربان، چھوٹا بڑا اچھی کہانیاں تھیں۔ مضامین، معلومات افزا تھے۔ مالِ مفت، بے ایمانی اور دھوکا دہی کا سبق دے رہی تھی۔ جنت کا راستہ کچھ زیادہ ہی جذباتی بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ علم دریچے کی کاوشیں لائقِ تحسین ہیں۔ ریان سہیل، کراچی۔

❀ سب سے پہلے جاگو جگاؤ اور پہلی بات میں سلیم فرخی کا معلوماتی مضمون پڑھا جو کہ مزدوروں کے بارے میں تھا۔ سب سے اچھی کہانی بلاعنوان کہانی تھی۔ کہانی بھوتوں کے نام پڑھ کر تجسس پیدا ہوا۔ اس دفعہ مضامین بہت اچھے تھے۔ ایک یادگار دن، کاغذ سازی کی صنعت، شتر مرغ، علامہ شبیر احمد عثمانی، معلومات ہی معلومات سے ہمیں کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ عاصمہ فرحین، کراچی۔

☆

نونہالوں سے ضروری بات

بعض ایسے نونہال جو برسوں سے ہمدرد نونہال پڑھ رہے ہیں۔ شمارے پر تبصرہ کرنے کے بجائے ایسے عمومی سوالات کرتے ہیں جن کے جوابات کئی مرتبہ دیے جاچکے ہیں۔ ہم ہر مہینے ''آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟'' کے عنوان سے ہر شمارے میں نوٹ لگاتے ہیں، جن میں ایسے تمام سوالوں کے جواب موجود ہوتے ہیں۔ انھیں غور سے پڑھیے اور آدھی ملاقات میں صرف تحریروں کی پسند ناپسند کے بارے میں لکھیے۔ شکریہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

جوابات معلومات افزا - ۲۵۷

سوالات مئی ۲۰۱۷ء میں شایع ہوئے تھے

مئی ۲۰۱۷ء میں معلومات افزا-۲۵۷ کے لیے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے درست جوابات ذیل میں لکھے جارہے ہیں۔ ۱۶ درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد ۱۵ سے زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جارہے ہیں۔

۱۔ قرآن پاک کی سورہ بنی اسرائیل میں واقعہ معراج کا ذکر موجود ہے۔

۲۔ حضرت امام حسینؓ شعبان ۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔

۳۔ سلطان یوسف بن تاشفین نے ۱۰۶۲ء میں شہر مراکش کی بنیاد رکھی تھی۔

۴۔ ۱۷-اپریل ۱۹۵۳ء سے ۱۱-اگست ۱۹۵۵ء تک محمد علی بوگرہ متحدہ پاکستان کے وزیر اعظم رہے۔

۵۔ پاکستان کی پہلی خاتون سائنس داں نسیمہ ترمذی، اردو مشہور کے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کی پڑپوتی ہیں۔

۶۔ دنیا کی عظیم اور قدیم ترین اسلامی درس گاہ ''جامعہ ازہر'' مصر میں ہے۔

۷۔ ''سوہنی رانو'' سندھ کی مشہور لوک داستان ہے۔

۸۔ مولانا محمد علی جوہر نے اپنا اخبار ''ہمدرد'' ۲۳ فروری ۱۹۱۳ء سے جاری کیا تھا۔

۹۔ ہمدان، ایران کا مشہور شہر ہے۔

۱۰۔ عظیم انقلابی رہنما ہوچی منہ (HO-CHI-MINH) کا تعلق ویت نام سے تھا۔

۱۱۔ آغا شورش کاشمیری نے ہفت روزہ چٹان جاری کیا تھا۔

۱۲۔ ''CINNAMON'' انگریزی زبان میں دارچینی کو کہتے ہیں۔

۱۳۔ مڈغاسکر کا سکہ فرانک کہلاتا ہے۔

۱۴۔ ''محمد ابراہیم بیگ'' مشہور شاعر خاطر غزنوی کا اصل نام ہے۔

۱۵۔ اردو زبان کی ایک ضرب المثل یہ ہے: ''چشم ماروشن، دلِ ماشاد''

۱۶۔ میر تقی میر کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

میرؔ بندوں سے کام کب نکلا   مانگنا ہے جو کچھ، خدا سے مانگ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: شاہ محمد ازہر عالم، وقاص رفیق، تحریم خان، سیدہ جویریہ جاوید، سیدہ مریم محبوب، سید یشل علی اظہر ☆ کبیر والا: محمد عمر اشرف آرائیں ☆ کالا گجراں: سیماں کوثر ☆ حیدر آباد: عائشہ ایمن عبداللہ ☆ میر پور خاص: فیروزا احمد ☆ سکھر: زین علی ☆ نواب شاہ: نوال شہزاد ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ لاہور: عشرت جہاں ☆ بے نظیر آباد: ایمن سعید خانزادہ۔

۱۶ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ کراچی: اریبہ محمد غلام محمد، محمد عباس، لبنیٰ نور البشر، مسکان فاطمہ، سید صفوان علی جاوید، سیدہ سالکہ محبوب، سید نوفل علی محبوب، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، صائمہ صلاح الدین، مسکان فاطمہ ☆ لاہور: صفی الرحمان۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: محمد صہیب علی، حذیفہ احمد انصاری، علینا اختر، علی حسن وارثی، عروبہ امین، ماریہ سعید، محمد اسد، ارسلان احمد، عائشہ احمد، ناعمہ تحریم، کنول فاطمہ زیدی، اسما ارشد ☆ حیدر آباد: ماہ رخ، طٰہٰ یاسین، نسرین فاطمہ ☆ راولپنڈی: ہانیہ نور بٹ، محمد ارسلان ساجد ☆ فیصل آباد: احمد عبداللہ، مطیع اللہ بلوچ ☆ کوئٹہ: عمر احمد مینگل، عائشہ جواد ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ بھکر: فرمان حیدر ☆ اسلام آباد: عنیزہ ہارون، محمد شہیر ہارون، علی حسن ہارون ☆ میانوالی: عفان علی ☆ پشاور: محمد حیان ☆ کوٹلی: محمد جواد چغتائی ☆ جھڈو: شہزیم راجا ☆ کہروڑ پکا: محمد ارسلان رضا ☆ سرگودھا: راجا مرتضیٰ خورشید علی ☆ ملتان: احمد عبداللہ ☆ ساہیوال: محمد صہیب ظفر ☆ اوکاڑہ: محمد جہاں زیب۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ **کراچی:** بہادر، محمد اختر حیات، جویریہ جمال، پلوشہ بلال، اسریٰ رضا خان، مہرین عامر ☆ **ملتان:** حنظلہ رضوان، محمد واصف طارق قریشی، عتیقہ محمد اصغر ☆ **ٹنڈو الہیار:** مدثر آصف کھتری، آمنہ آصف کھتری ☆ **چکوال:** بشریٰ صفدر ☆ **اٹک:** ایمان فاطمہ رشید احمد ☆ **رحیم یار خان:** مشال شہزاد ☆ **نواب شاہ:** محمد عبداللہ قریشی ☆ **لاہور:** امتیاز علی ناز ☆ **تامیوالی:** محمد اُسامہ اکرم ☆ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف ☆ **رحیم یار خان:** حافظ عقبہ اسجد ☆ **بہاول پور:** ایمن نور، احمد ارسلان، قرۃ العین عینی، صباحت گل۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ **کراچی:** محمد ابراہیم، کشف ضرار، ثمین اسلم، ماہ نور ریاض، رضی اللہ خاں، زنیرہ ایاز احمد، انیسہ فاطمہ، محمد آصف انصاری ☆ **ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆ **حیدرآباد:** ربعیہ زاہد ☆ **راولپنڈی:** مناہل شاہد ☆ **بہاول نگر:** رافت حسن ☆ **سانگھڑ:** نعمان خالد خانزادہ ☆ **وہاڑی:** مومنہ ابو جی۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ **کراچی:** سارہ شہزاد، حفصہ بنتِ شفیق، تسبیح محفوظ علی، اعجاز حیات، سندس آسیہ، محمد زایان خان ☆ **لسبیلا:** ایم آئی کے سی، صاحب ☆ **سیالکوٹ:** قاسم محمد ☆ **سکھر:** اسد اللہ بلوچ، عامر شہزاد خالدی ☆ **تامیوالی:** عائشہ بی بی۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ **کراچی:** محمد زبیر احمد، محمد ریان خان ☆ **تیمر گرہ:** محمد احمد غزنوی ☆ **احمد پور شرقیہ:** محمد احمد آصف ☆ **شیخو پورہ:** محمد احسان الحسن۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال مئی ۲۰۱۷ء میں محترمہ شائستہ قیصر کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ آنسو بہائے پتھروں نے : رفیق احمد ناز، ڈیرہ غازی خان

۲۔ آشیانۂ امن : فرمان حیدر، بھکر

۳۔ دو میٹھے بول : اُمیمہ طارق، کراچی

چند اور اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں

دشمن بن گئے دوست۔ محبت فاتح عالم۔ انسانیت زندہ ہے ابھی۔ امن کی پیکر۔ امن کی سفیر۔ ہمدردی کا وار۔ جنگ اور انسانیت۔ ایک نئی صبح۔ لہو کا رنگ ایک ہے۔ صبحِ اُمید۔ دشمن ہوئے مہربان۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: ردا بشیر، مسکان فاطمہ، محمد عباس، مریم بنتِ ارشد قریشی، محمد اسد، صارم سلیم، کسبشہ ادریس، کرن حسین، علیشا شاہد، صبا نعیم نظامی، انیسہ فاطمہ، محمد عبداللہ، ریان سہیل، عائزہ خان، وقاص رفیق، محمد زایان خان، یسریٰ فرزین، جویریہ کرن، محمد ابراہیم، جویریہ جمال، رضوان خواج محمد، اریبہ عبدالاحد صوفی، صدف آسیہ، امداد علی، اریبہ محمد غلام محمد، لبیبہ نور البشر، عروبہ امین، محمد زبیر احمد، محمد اویس، محمد وقاص، فضل سلیمان، محمد جلال الدین اسد، احسن محمد اشرف، کامران گل

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

آفریدی، محمد شاہد خان، حسن علی، محمد عاصم قریشی، محمد اختر حیات خان، بہادر، محمد معین الدین غوری، محسن محمد اشرف، احتشام شاہ فیصل، عبدالتواب، نور حیات، اعجاز حیات، زونیرہ بنتِ ایاز احمد، رضی اللہ خاں، سارہ شہزاد، صدف شاہ فرمان، مسز انعم سبحان، شاہ بشریٰ عالم، مریم بنتِ علی، علینا اختر، حذیفہ احمد انصاری، زینب انور، فرح عمیر، کنزیٰ فاطمہ، محمد عبداللہ، سید فائز احمد، تحریم رضا خان، فاطمہ شبیر احمد، محمد معاذ اسلم، انزلہ ریاض، تسبیح محفوظ علی، نگہت ضرار، تحریم خان، طیبہ آفتاب صدیقی، شہزادی ملک ذوالفقار، عمیرہ صابر، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سید نوفل علی محبوب، سید یشل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، سید عفان علی جاوید، اسما ارشد، مہرین عامر ☆ **رحیم یار خان:** حافظ عقبہ اسجد، مشال شہزاد ☆ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف ☆ **احمد پور شرقیہ:** محمد احمد آصف ☆ **کوئٹہ:** عمیر احمد مینگل، فاطمہ جواد ☆ **ملتان:** محمد ریان طارق قریشی، ابیحہ ثاقب، ایمن فاطمہ، عتیقہ محمد اصغر ☆ **لسبیلا:** صاحب، ایم آئی کے سی ☆ **نواب شاہ:** محمد عبداللہ، نوال شہزاد ☆ **میر پور خاص:** جہاں زیب علی، احسان اللہ، وجیہ احمدانی، عائشہ مہک ☆ **سکھر:** اسد اللہ بلوچ، سمیعہ وسیم، عامر شہزادی خالدی ☆ **راولپنڈی:** ہانیہ نور بٹ، عظیم بن عاصم، ملک محمد احسن ☆ **ٹامیوالی:** عائشہ بی بی، محمد اُسامہ اکرم ☆ **ٹنڈو الہیار:** آمنہ آصف کھتری، مدثر آصف کھتری ☆ **لاہور:** عشرت جہاں، امتیاز علی ناز، مطیع الرحمان ☆ **سانگھڑ:** محمد عاقب منصوری، فہد محمد خان احمدانی، محمد حسان ☆ **حیدر آباد:** آفاق اللہ خان، لائبہ ندیم، ایمان ندیم، مریم بنتِ کاشف، حذیفہ، فلک بنتِ ندیم، ربعیہ زاہد حسین، محمد سجاد ملک، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **پشاور:** محمد احمد ان ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **کھڑیاں والا:** سیدہ سروج کریم ☆ **واہ کینٹ:** رملہ، محمد حذیفہ ☆ **کوٹلی:** زرفشاں بابر ☆ **جنڈ:** محمد سعد ☆ **حضرو:** ہشام احمد ☆ **پنڈ دادن خان:** زینت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

یاسمین راجا ☆ **میرپور ماتھیلو:** آصف بوزدار ☆ **سرگودھا:** غلام بتول زاہد ☆ **شیخوپورہ:** محمد احسان الحسن ☆ **ایبٹ آباد:** دعا جدون ☆ **تیمر گرہ:** محمد احمد غزنوی ☆ **جھڈو:** شہزیم راجا ☆ **کہروڑ پکا:** محمد ارسلان رضا ☆ **سیالکوٹ:** قاسم محمد ☆ **تلہ گنگ:** بشریٰ صفدر ☆ **صادق آباد:** مہک وقاص ☆ **کالا گجراں:** سیماں کوثر ☆ **گجرات:** تحریم نور ☆ **نوشہرہ:** فیضان عالم غزنوی ☆ **علی پور:** سلمان یوسف سمیجہ ☆ **خانیوال:** سلیمان افضل ☆ **بہاول پور:** صباحت گل، قرۃ العین عینی، احمد ارسلان، ایمن نور ☆ **اسلام آباد:** علی حسن ہارون، محمد شہیر ہارون، عنیزہ ہارون ☆ **وہاڑی:** مومنہ ابو جی ☆ **مانسہرہ:** ہادیہ سہیل ☆ **ساہیوال:** اریبہ ظفر ☆ **بے نظیر آباد:** ایمن سعید خانزادہ۔ ☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟

اس لیے کہ تحریر: ◆ دل چسپ نہیں تھی ◆ بامقصد نہیں تھی ◆ طویل تھی ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی۔
◆ پنسل سے لکھی تھی ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی ◆ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔
◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔
◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں ◆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی۔
◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحہ پر لکھے تھے۔

تحریر چھپوانے والے نونہال یاد رکھیں کہ

◆ ہر تحریر کے نیچے نام پتا صاف صاف لکھا ہو ◆ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہرگز نہ لکھیے ◆ تحریر بھیجنے سے پہلے یہ نہ پوچھیں کہ ''کیا یہ چھپ جائے گی؟'' ◆ مختصر صاف لکھی ہوئی تحریر کے باری جلد آتی ہے ◆ نظم کسی بڑے سے اصلاح کرکے بھیجیے ◆ نونہال مصور کے لیے تصویر کم از کم کاپی سائز کے سفید موٹے کاغذ پر گہرے رنگوں میں بنی ہو ◆ تصویر کے اوپر نام نہ لکھیے، بلکہ تصویر کے پیچھے لکھیے ◆ تصویر خانہ کے لیے بھیجی گئی تصویریں جب ماہرین مسترد کر دیتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ واپس منگوانا چاہتے ہوں تو پتے کے ساتھ جوابی لفافہ ساتھ بھیجیے ◆ تصویر کے پیچھے بچے کا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے ◆ بیت بازی کا ہر شعر الگ کاغذ پر ٹھیک ٹھیک لکھ کر شاعر کا صحیح نام ضرور لکھیے ◆ ہنسی گھر کے لیے ہر لطیفہ الگ کاغذ پر لکھیے ◆ لطیفے گھسے پٹے نہ ہوں ◆ روشن خیالات کے لیے ہر قول الگ کاغذ پر لکھیے ◆ قول بہت مشکل نہ ہو ◆ علم دریچے کے لیے جہاں سے بھی کوئی ٹکڑا لیا ہو، اس کا حوالہ اور مصنف کا نام ضرور لکھیے ◆ تحریر کسی مخصوص فرقے، طبقے یا ملکی قانون کے خلاف نہ ہو ◆ طنزیہ اور مزاحیہ مضمون شائستہ ہو، کسی کا مذاق اُڑانے یا دل دکھانے والا نہ ہو ◆ نونہال بلاعنوان یا قسط وار کہانی نہ بھیجیں ◆ تحریر کی نقل اپنے پاس رکھیے، تاکہ چھپنے کے بعد ملا کر دیکھ سکیں کہ تحریر میں کیا کیا تبدیلی کی گئی ہے ◆ کتاب وغیرہ منگوانے کے لیے شعبۂ مطبوعات ہمدرد کو علاحدہ خط لکھیں ◆ باقی چھوٹی چھوٹی تحریریں ناقابلِ اشاعت ہونے پر ضائع کر دی جاتی ہیں ◆ تحریر، تصویر وغیرہ ارسال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خط بھیجنے کا ہے ◆ کوپن اور کسی بھی تحریر پر صرف ایک نام لکھیے اور ہر کوپن الگ کاغذ پر چپکائیں ◆ اچھی تحریر لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded From Paksociety.com

نونہال لغت

محیط	مُ حِ یْ ط	احاطہ کرنے والا۔ گھیرنے والا۔ دائرے کا گول خط۔
طوق	طَ وْ ق	آہنی حلقہ جو غلاموں کے گلے میں ڈالتے تھے۔ گلے کا ہار۔
رفعت	رِ فْ عَ ت	بلندی۔ اونچائی۔ عظمت۔ شان۔ منزلت۔ عزت۔
فروزاں	فُ رُ وْ زَ ا ں	روشن۔ تاباں۔ منور۔
دیدہ ور	دِ یْ دَ ہْ وَ ر	دیکھنے والا۔ صاحب نظر۔ گہری نظر۔
ردا	رِ دَ ا	چادر۔ اوڑھنی۔
فغاں	فُ غَا ں	شور۔ واویلا۔ نالہ۔ فریاد۔ آہ وزاری۔
اُفق	اُ فُ ق	وہ جگہ جہاں زمین و آسمان ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آسمان کا کنارہ۔
ایوان	اَ ے وَ ا ن	محل۔ مکان۔ دیوان۔ وہ مجلس جو قوانین بنائے (اسمبلی)
فرحاں	فَ رْ حَا ں	شاداں۔ خوش وخرم۔
دامن گیر	دَ ا مَ نْ گِ یْ ر	مدد چاہنے والا۔ حمایت چاہنے والا۔ چیپ کرنے والا۔
دیرینہ	دَ ے رِ یْ نَہ	پرانا۔ قدیم۔ کہنہ۔ بزرگ۔ بوڑھا۔
استحقاق	اِ سْ تِ حْ قَا ق	حق رکھنا۔ حق جتانا۔ مستحق ہونا۔
حسب نسب	حَ سَ بْ نَ سَ ب	ماں باپ کا خاندانی سلسلہ۔
عاطفت	عَا طِ فَ ت	شفقت۔ مہربانی۔
تصنع	تَ صَ نْ نُ ع	بناوٹ۔ دکھاوا۔ خوشامد۔ نمود۔ تکلف۔
نوع	نَ وْ ع	قسم۔ وضع۔ طور۔ ڈھنگ۔ ذات۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM